جواہر انیس

میر ببر علی انیسؔ کے مقبول عام مراثی
سلام اور رباعیات کا انتخاب



مرتب
صادق علی دلاوری

جواہرِ انیس

میر ببر علی انیسؔ کے مقبولِ عام مراثی
سلام اور رباعیات کا انتخاب

مرتبہ
صادق علی دلاوری



شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

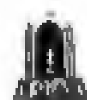
طابع : شیخ نیاز احمد

مطبع : شیخ غلام علی پرنٹرز

اشرفیہ پارک۔ فیروز پور روڈ۔ لاہور

طبع اول : ۱۹۹۲ء

ISBN-969-31-0722-6



مقام اشاعت:

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز

199-سرکلر روڈ، چوک انارکلی لاہور-54000

اعتراف

میر انیس کے احوال و آثار تحریر کرنے میں میں نے مجلہ پیامِ عمل کے انیس نمبر سے بھرپور مدد لی ہے۔ اس مجلہ کے مضمون نگاروں نے میر انیس کے حالات کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور میرے خیال میں میر انیس کے بارے میں اس قدر مواد یک جا کہیں نہیں مل سکتا۔

جن معتقد اہلِ قلم حضرات کی نگارشات سے میں نے استفادہ کیا ہے ان میں مولانا سید مرتضیٰ حسین، سید نصیر امام نصیر دہلوی، سید امجد علی اشہری اور جناب نجم آفندی کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

میں ان تمام حضرات اور میان پیامِ عمل کا بے حد ممنون ہوں۔ بعض مضامین میں سے اکثر اقتباسات حرف بہ حرف نقل کئے گئے ہیں کیونکہ ان میں جو نکات بیان ہوئے ہیں انہیں اس سے بہتر الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

فہرست

۱ یارب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر ۲۵
۲ فخرِ ملک و اشرفِ آدم ہے فقط ۲۷
۳ عرشِ خدا مقامِ جنابِ امیر ہے ۳۱
۴ مہرِ سپہرِ عزت و شرافت ہے فاطمہؑ ۳۴
۵ ہے زیورِ عروسِ سخن پنجتن کی مدح ۳۶
۶ ہاں اے فلکِ پیر نئے سر سے جواں ہو ۴۱
۷ خورشیدِ حقیقت رخِ زیبائے علیؑ ہے ۴۹
۸ کیا پیشِ خدا صاحبِ توقیر ہے زہرا ۵۳
۹ مارے گئے ہو کے جو انصار و موالی ۵۶
۱۰ جس دم یزیدِ شام میں مسندنشیں ہوا ۶۲
۱۱ جب شاہ کو رخصت ملی طرفِ حرم کی ۷۲
۱۲ جب کربلا میں داخلہ شاہِ دیں ہوا ۷۹
۱۳ طے کر چکا جو منزلِ شب کاروانِ صبح ۸۸
۱۴ گردوں پہ جب بیاضِ سحر کا ورق کھلا ۹۲
۱۵ نکلے حرم سرا سے امامِ فلک جناب ۹۶
۱۶ جب آدھی رات کر چکے طے فوجِ تا مدد ۱۰۰
۱۷ چڑھ کر سمند پہ جو چلا وہ بعدِ حشم ۱۰۲
۱۸ کیا فوجِ حسینی کے جواناں حسیں تھے ۱۰۴

۱ جب ہوئے عازم گلگشت شہادت قاسم	۱۲۱
۲۰ عباس میں جو قبلۂ ارباب وفا ہے	۱۳۰
۲۱ اُس وقت تھا عجب شہ دیں پر ہجوم یاس	۱۴۳
۲۲ دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر	۱۵۲
۲۳ جب رن میں حسینؑ اصغر بے شیر کو لائے	۱۶۴
۲۴ جب نوجواں پسر شہ دیں سے جدا ہوا	۱۷۰
۲۵ کیا زخم ہے وہ زخم کہ مرہم نہیں جس کا	۱۹۰
۲۶ آج شبیرؑ پہ کیا عالم تنہائی ہے	۲۰۵
۲۷ آمد آمد حرم شاہ کی دربار میں ہے	۲۱۶
۲۸ جب قیدیوں کو خانۂ زنداں میں شب ہوئی	۲۲۲
۲۹ زنداں میں مضطرب تھے اسیران نوحہ گر	۲۳۱
۳۰ جینے سے غم شاہ میں بیزار تھی صغراؑ	۲۳۵

سلام

۱ عجب وقت ہے اور عجب انجمن ہے	۲۵۳
۲ رنج دنیا سے کبھی چشم اپنی نم رکھتے نہیں	۲۵۴
۳ شبیرؑ امام زماں سمجھتے ہیں	۲۵۵
۴ گنہ کا بوجھ جو گردن پہ ہم اٹھا کے چلے	۲۵۶
۵ گرد ہے اکسیر خاک کربلا کے سامنے	۲۵۷
۶ کوئی انیس کوئی آشنا نہیں رکھتے	۲۵۸
۷ ابتدا سے ہم ضعیف و ناتواں پیدا ہوئے	۲۵۹
۸ آئے جو بزم عزا میں رو گئے	۲۶۰
۹ مثال بدر جو حاصل ہوا کمال مجھے	۲۶۲
۱۰ زرد چہرہ ہے نحیف و زار ہوں	۲۶۳

۱۱	شعلہ گر ہے ماتم سرور میں ہو سکتا نہیں	۲۶۴
۱۲	گزر گئے کئی دن کہ گھر میں آپ نہ تھا	۲۶۵
۱۳	مرا راز دل آشکارا نہیں	۲۶۶
۱۴	بے کسی کا شکوہ بھی جاتا رہ گیا	۲۶۷
	رباعیات	۲۹
	فرہنگ	۷۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میر انیس کو خالق کائنات نے صرف مرثیہ گوئی کے لیے پیدا کیا تھا۔ اگرچہ میر انیس سے پہلے بہت سے نامی گرامی مرثیہ گو گزر چکے تھے۔ خود میر انیس کے خاندان میں پانچ پشتوں سے شبیرؑ کی مداحی کا سلسلہ جاری تھا مگر انیس کے ہاں آکر مرثیہ گوئی نے جو مقام حاصل کیا اس تک نہ پہلے والوں کو رسائی حاصل ہو سکی نہ بعد والوں کو میر انیس نے مرثیہ گوئی کے فن کو اوج کمال تک پہنچا دیا۔ جناب نجم آفندی نے کیا خوب کہا ہے۔

جو اہل دل ہیں سمجھتے ہیں وہ مقام انیس
ہے فن مرثیہ گوئی میں اہتمام انیس
حسینیت کی جو خدمت انیس نے کی ہے
رہے گا تا بہ قیامت بلند نام انیس

میر انیس نے نہ صرف حسینیت کی خدمت کی ہے بلکہ اردو ادب کو بھی بیش بہا سرمایہ بہم پہنچایا ہے جس کی بنا پر میر انیس کو خدائے سخن کا خطاب ملا۔ خود انیس نے اپنے کمال فن کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے ؎

کسی نے تیری طرح سے اے انیس
عروس سخن کو سنوارا نہیں

یہاں مقصد میر انیس کے کلام کا تنقیدی جائزہ لینا نہیں ہے کیونکہ اس موضوع پر تقریباً ہر استاد سخن شناس نے اپنے اپنے انداز میں طبع آزمائی کی ہے اور میر انیس شناسی کا اس قدر ذخیرہ جمع ہو گیا ہے کہ اس میں اضافے کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہی یہاں میر انیس کے احوال و آثار کا مختصر سا خاکہ پیش کرنا مقصود ہے۔

قبل اس کے کہ میر انیس کے حالات تحریر کیے جائیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند الفاظ میں مرثیے کی حقیقت واضح کر دی جائے کیونکہ اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ انیس اور مرثیے کا جداگانہ تصور ممکن نہیں مرثیے کا لفظ زبان پر آتے ہی میر انیس کی شخصیت ذہن کے پردے پر [illegible] اور

ہو جاتی ہے۔ اہل نظر اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ مرثیے کو میر انیس سے وہی نسبت ہے جو روح
کو جسم سے ہے۔

مرثیہ نظم کی وہ صنف ہے جس میں رنج و غم، حزن و ملال، مصائب و آلام کا بیان درد انگیز الفاظ
میں کیا جاتا ہے۔ مرثیہ عربی زبان کا لفظ ہے جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ مرثیے کی ابتدا عرب
میں ہوئی چنانچہ عربی ادبیات میں بہت سے عظیم الشان مرثیے موجود ہیں۔ عرب کے بعد ایرانی
شاعروں نے مرثیہ گوئی میں نمایاں شہرت حاصل کی یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ اگرچہ مرثیہ کے
موضوعات کا میدان خاصا وسیع ہے چنانچہ ادبیات ایران میں چند معرکۃ الآرا مرثیے شامل ہیں جن میں
خاقانی کے مرثیہ مدائن اور شیخ سعدی کے مرثیہ زوال بغداد کو نمایاں مقام حاصل ہے مگر سوز و گداز
رقت و جاذبیت جو مرثیہ کے حقیقی عناصر ہیں وہ اسے واقعہ کربلا اور مصائب آل رسولؐ کے بیان
سے حاصل ہوئے اس اعتبار سے جو شہرت اور مقبولیت ایران میں ہفت بند کاشی کو نصیب ہوئی
وہ نہ خاقانی کو مل سکی نہ شیخ سعدی کو۔

ایران میں اس کثرت سے مرثیے لکھے گئے ہیں کہ اگر ایران کے دوسرے بیش بہا ادبی کارناموں
سے قطع نظر کر کے اسے مرثیہ نگاری کا مرکز قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ایران نے مرثیے کو
شہدائے کربلا اور مصائب اہل بیت کے بیان سے وابستہ کر کے اسے ایک خاص مفہوم عطا کیا ہے
چنانچہ مرثیے کا لفظ سنتے ہی ہر شخص کا ذہن امام حسینؑ اور ان کے احباب و انصار اور اولاد ابی طالب
کی شہادت اور خاندان رسولؐ و بتولؑ کے مصائب کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ تمام مستند
لغتوں میں مرثیے کے معنوں کے ضمن میں واقعات شہادت امام حسینؑ اور سانحۂ کربلا کا خاص طور
پر ذکر کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے اگر یہ کہا جائے کہ مرثیے کا لفظ ذکر حسینؑ اور مصائب آل رسولؐ
کے لئے مختص ہے تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا

ایران سے مرثیہ ہندوستان پہنچا اور ایرانیوں کے تتبع میں ہندوستانی شاعروں نے مرثیے
کہنے شروع کئے۔ شروع شروع میں مرثیہ مثنوی کے انداز میں لکھا جاتا تھا رفتہ رفتہ اسے مربع، مخمس
اور مسدس کی صورت دی گئی اور مرثیہ کئی کئی سو بندوں میں لکھا جانے لگا آج تک مرثیہ بندوں کی صورت
میں لکھا جاتا ہے۔ مربع یعنی چار مصرعوں کے بند کم لیکن پانچ مصرعوں کے بند مخمس اور چھ مصرعوں

کے بعد مسدس کا رواج زیادہ ہے۔ میر انیس کے مرثیے عام طور پر مسدس کی صورت میں کہے گئے
میر انیس تک پہنچنے میں مرثیہ گوئی نے جو طویل سفر طے کیا اور جن نشیب و فراز سے گزر کر اس منزل
تک پہنچی اس کی داستان عجیب بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ مرثیہ کے اصطلاحی معنے اور مظہر بدلتے رہے
ہیں۔ قطب شاہی اور عادل شاہی دور کے مرثیے ہمارے عہد کے سادہ نوحوں اور سلاموں سے
ملتے جلتے ہیں۔ اس دور میں غزل کی ہیئت کے علاوہ مثنوی کی طرز بھی پسند کی گئی۔ کم و بیش سو برس
کے بعد یہ روایت دہلی میں آئی اور محمد شاہی دور میں مرثیہ مسلسل بیان اور بیشتر رنگینیوں میں بہ اسلام
اور غزل کی بناوٹ کے علاوہ مخمس، ترجیع، مربع اور مسدس کے انداز اپنائے گئے۔

حملہ نادر شاہ کے بعد وہ ماحول بدلا اور اودھ میں مرثیہ گوئی شروع ہوئی تو میر و سودا، مسکین،
سکندر، ندیم و مذنب دہلی سے لکھنؤ آئے۔ ان لوگوں نے اپنی روایتی شان برقرار رکھی۔ زبان و بیان
تو بدلا مگر ہیئت نہ بدلی۔ پچیس تیس برس بعد کچھ لوگوں نے شہرت و مقبولیت کے سہارے مسدس
کی ہیئت کو مسلسل تجربے کرنے کے بعد اسے بطور رائج الوقت قرار دیا۔

یہ مسدس سوز خوانی کے طرز پر پڑھے جاتے تھے اور سوز خوانی عام ہو گئی۔ کچھ عرصے بعد دینی
حلقوں نے اور شعرا نے اعتراض کیے۔ سوز خوانی کو ثقاہت کے خلاف قرار دیا اس لیے مرثیہ
پڑھنے میں لے اور سُر کو ترک کر دیا گیا۔ ایک نیا انداز وجود میں آیا۔ مرثیہ خوانوں نے خطابت اور تیور
سے کام لے کر تحت اللفظ کی اصطلاح وضع کی۔ مرثیہ خوان مرثیہ ہاتھ میں لے کر منبر پر بیٹھتا اور انداز
ابلاغ و خطابت کے بیچ میں مصرع مصرع ہوا کرتا۔ لوگ داد دیتے اور درود کی جگہ درود پڑھتے اور بکا
کی جگہ بکا کرتے۔ انیس کی جوانی اور ان کے والد میر مستحسن خلیق کے بڑھاپے میں جو لوگ اس طرز کے
استاد تھے ان میں چند نام اب تک مشہور ہیں مثلاً دلگیر، ضمیر، فصیح وغیرہ۔

میر مظفر حسین ضمیر نے ۱۲۴۹ ہجری بمطابق ۱۸۳۳ء مرثیہ میں بیانیہ اور رزمیہ اور واقعاتی
طریق اظہار میں جدت پیدا کی اور قدیم اسلوب میں اول اور وسط میں اضافے کیے۔ تمہید اور جدید تخیل
کے یہ ٹکڑے چہرہ، سراپا اور رزم یا جنگ کی اصطلاحوں سے نامزد ہوئے۔

میر ضمیر اور ان کے ہمعصر میر خلیق والد میر انیس کے مرثیوں نے اس جدید طرز کو بڑی حد تک اپنا
لیا مگر حقیقت یہ ہے کہ اس جدت کے تقاضوں کو نہ میر خلیق نہ خود میر ضمیر کما حقہ ادا کر سکے

اس کلام کے لیے فضا نے انیس اور دبیر کو پیدا کیا اور ان دونوں ہی نے نئی روایت کو فروغ دیا۔ ضمیر کے شاگرد مرزا دبیر اور میر خلیق کے صاحبزادے اور شاگرد نے اس صنف کو آسمان پر پہنچا دیا۔ دبیر میر ضمیر کے شاگرد تھے مگر شہرت اور قبول عام کے میدان میں اپنے استاد سے کئی منزل آگے نکل گئے اسی طرح اگرچہ میر انیس کا فنی پس منظر والد بزرگوار میر خلیق کی آغوش تربیت میں پروان چڑھا لیکن میر خلیق کے زمانے ہی میں لوگ میر انیس کے گرویدہ ہو گئے تھے اور میر خلیق کی وفات کے بعد تو لوگ میر انیس کے اس قدر پرستار ہو گئے کہ ہر طرف میر انیس ہی کے چرچے ہونے لگے یہاں تک کہ لوگ میر خلیق کو بھول گئے۔ شعر و شاعری میں پانچ پشتوں کی ریاضت اور فنی عبادت نے میر انیس کی ذات میں سمو کر انہیں مرثیہ نگاری کے فن میں یکتا و لاثانی بنا دیا۔

میر انیس کا کلام تین اصناف سخن پر مشتمل ہے۔ اول مرثیہ دوم سلام سوم رباعی۔ ان کے کلام میں اولیت مرثیہ کو حاصل ہے۔ سلام اور رباعی وہ اس لیے لکھتے تھے کہ مجالس میں مرثیہ پڑھنے سے پہلے سلام اور رباعی پڑھنے کا طریقہ عام طور پر رائج تھا جیسا کہ اس زمانے میں بھی مجالس میں سلام اور رباعی پڑھنے کا رواج ہے۔ میر انیس خود بھی مرثیہ پڑھنے سے پہلے سلام اور رباعی پڑھا کرتے تھے۔ اس انتخاب میں ان تینوں اصناف میں میر انیس کی قادر الکلامی کے نمونے پیش کیے گئے ہیں۔

تذکرۂ میر انیس

بالیدہ ہوں وہ اوج مجھے آج ملا   نعلِ علم صاحبِ معراج ملا
منبر پہ نشست سر پہ علم کا سایہ   اب چاہیے کیا تخت ملا تاج ملا

اقلیمِ سخن کے صاحبِ تخت و تاج میر ببر علی انیس ۱۲۲۰ ہجری/۱۸۰۳ء کے لگ بھگ فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد میر مستحسن خلیق ان دنوں مشہوروں خصوصاً مرثیہ نگاروں میں بے حد ممتاز تھے۔ فیض آباد اور لکھنؤ کی مجالس میں لوگ بڑے شوق سے ان کے مرثیے سنتے اور جی کھول کر داد دیتے تھے۔

خاندان

میر انیس کے خاندان میں کئی پشتوں سے شعر و شاعری کی شمع روشن تھی۔ انیس کے پردادا میر غلام حسین ضاحک ہجو کے بادشاہ ہوئے۔ ان کے فرزند میر حسن (انیس کے دادا) جن کی مثنوی سحر البیان سلاستِ زبان کی وجہ سے آج تک مقبولِ خاص و عام ہے۔ ان کے فرزند میر مستحسن خلیق نے مرثیہ نگاری میں ممتاز مقام حاصل کیا اور انیس جیسے یکتائے روزگار فرزند کو بنا سنوار کر مرثیہ گوئی کی مسندِ اعلیٰ پر بٹھا دیا۔ مرثیہ نگاری ایک فکر تھی جسے انیس کے موئے قلم نے ایک جیتی جاگتی بولتی تصویر بنا دیا۔ ایک جسد بے روح تھا جس میں خلّاقِ سخن نے روح پھونک دی۔

میر انیس کے ساتھ ہم کو ایک خصوصیت نظر آتی ہے جو کسی دوسرے شاعر کے ہاں نہیں پائی جاتی۔ زمانہ قدیم سے آج تک بڑے بڑے نامور شاعر گزرے ہیں ان کا نام یا شہرت ان کی ذات تک محدود رہی۔ یہ خصوصیت صرف میر انیس کے خاندان میں نظر آتی ہے ان کا خاندان ہمہ آفتاب ہے ایک طرف باپ دادا نامور شعرا داخل دوسری طرف سب بھائی اور بیٹے پوتے نواسے سب ممتاز شاعر۔ خود میر انیس نے اس خصوصیت کا اظہار فخریہ انداز میں کیا ہے ؎

اس شاعروں کے بزرگ ہیں کیا کیا ممتاز
اجداد سے نہ ہوگا کوئی اعلیٰ ممتاز

باپ مداح کا مداح ہے دادا مداح
ہم ذی قدر ستایش میں یکتا مداح

میر انیس کے گھرانے میں اخلاق و آداب اور شریفانہ طرز معاشرت کے اعلیٰ نمونے موجود تھے۔ مردوں کے علاوہ عورتیں بھی حیا و عفت ادب و ثقافت اور اخلاق و شرافت کا مکمل نمونہ تھیں۔ میر انیس کی والدہ نماز روزہ کی پابند اور احتیاط سے زیادہ پرہیزگار تھیں۔ وہ ہر کام مذہب اثنا عشری کے احکام کے مطابق انجام دیتی تھیں۔ ایسی زاہدہ اور عابدہ ماں کی آغوش شفقت میں پرورش اور مجسم اخلاق باپ کے سایۂ عاطفت میں تربیت نے میر انیس کو حسن اخلاق، شرافت و نجابت نکوکاری و خودداری کی جو دولت عطا کی وہ کسی بڑی سے بڑی درس گاہ کی تعلیم و تربیت سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

ابتدائی تعلیم

میر انیس نے ابتدائی تعلیم فیض آباد میں اپنے والد میر مستحسن خلیق سے حاصل کی پندرہ سال کی عمر میں فیض آباد سے لکھنؤ منتقل ہوئے وہاں بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ لکھنؤ کی سرزمین پر میر انیس کو مشق سخن کے لئے سازگار ماحول میسر ہوا۔ خاندانی روایات کے مطابق بچپن ہی سے طبیعت شعر گوئی کی طرف مائل تھی۔ شروع میں غزل گوئی کی طرف رجحان ہوا۔ لیکن جلد ہی والد بزرگوار کے ایما پر مرثیہ گوئی کی طرف رخ کیا اور پھر اسی کے ہو رہے میر انیس نے مرثیہ گوئی کو آسمان پر پہنچا دیا اور مرثیہ گوئی نے انیس کو زندۂ جاوید بنا دیا۔

حلیہ، لباس اور وضع قطع

میر انیس بلند قامت تھے۔ جسم میانہ سر کے بال باریک اور ملائم چہرہ کتابی، رنگ گندمی آنکھیں بڑی بڑی اور خوبصورت گردن صراحی دار، سینہ کشادہ چال نہایت سبک، مونچھیں بڑی بڑی، ناک اور کان متناسب۔ ایک خاص وضع کا گھیر دار کرتا اور ڈھیلا پاجامہ پہنتے تھے اور کبھی انگرکھا زیب تن کرتے تھے پاؤں میں لکھنؤ کی مخمل جوتی۔ ہاتھ میں چھڑی اور سفید رومال ہوتا تھا۔

خودداری اور رکھ رکھاؤ

میر انیس خودداری اور رکھ رکھاؤ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ گھر کے اندر بھی ایسا لباس زیب تن نہیں کرتے تھے جو ان کی وضعداری کے خلاف ہو۔ عموماً لوگ گھر کے اندر آرام و آسائش کی خاطر وضعداری کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔

لیکن میر انیس ہر حال میں وضع داری کے اصولوں کے پابند تھے۔

مخصوص اوقات میں وہ اپنے خلوت خانہ میں تشریف لے جاتے تھے اور دروازے کی زنجیر بند کر لیتے۔ یہاں بے تکلف ہو کر بیٹھتے اور کچھ دیر آرام کر لیتے اسی خلوت کدہ میں دس دس بیس بیس پچاس پچاس بند کہہ ڈالتے جو حافظے میں محفوظ رہتے باہر آنے پر کسی عزیز یا شاگرد کو لکھوا دیتے

ورزش

میر انیس کے خاندان میں عام طور پر ورزش کا رواج تھا چھوٹے بڑے سبھی ورزش کرتے تھے میر انیس نے تمام عمر نہایت باقاعدگی سے اس کی پابندی کی ایک علیحدہ کمرے میں ورزش کرتے تھے جہاں کوئی دوسرا نہ جا سکتا تھا۔ ورزش معتدل ہوا کرتی جو حفظ صحت و تندرستی کے لئے ضروری ہوتی۔ نہ اتنی کم کہ جس کا اثر محسوس نہ ہو، نہ اتنی زیادہ کہ اعصاب میں اینٹھن یا تھکن پیدا کر دے۔ ورزش کے لئے ایک خاص لباس تیار رکھا تھا تنہائی میں بھی کبھی ننگے بدن ورزش نہیں کرتے تھے۔ گھر میں ایک حوض بھی تھا اکثر موسم گرما میں کافی دیر تک اس میں غوطے لگایا کرتے تھے۔

میر انیس کی پہلی مجلس

جیسا کہ لکھا جا چکا ہے میر انیس پندرہ سال کی عمر میں فیض آباد سے لکھنؤ منتقل ہو گئے۔ مشق سخن کا آغاز فیض آباد ہی میں کم سنی کے دور میں ہو گیا تھا۔ لکھنؤ میں میر ضمیر اور میر خلیق کی مرثیہ گوئی کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ لوگ بڑے شوق سے ان کے مرثیے سنتے اور دل کھول کر داد دیتے تھے۔ اس دوران میں میر انیس اپنا کلام اپنے شفیق باپ میر خلیق کو سناتے اور ان سے اصلاح لیتے رہے۔ میر خلیق کی خواہش تھی کہ اپنے صاحبزادے کو مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی کے فن میں ماہر بنا دیں۔ چنانچہ اکثر مجالس میں انہیں ساتھ لے جاتے۔ میر انیس نہایت ادب و احترام کے ساتھ منبر کے قریب خاموشی سے بیٹھ کر مرثیہ سنتے اور مرثیہ خوانی کے اصولوں کو ذہن نشین کرتے۔

ارباب مجلس میر انیس کی متانت سے بہت متاثر ہوئے اور اکثر میر خلیق سے گزارش کرتے کہ انہیں میر انیس کی زبانی ان کا کلام سننے کا شرف بخشا جائے۔ چنانچہ ایک مجلس کے اختتام پہ میر خلیق نے حاضرین مجلس سے خطاب کرتے ہوئے لوگوں کے اصرار اور شوق کا ذکر کیا اور فرمایا کہ آج آپ اپنی دیرینہ خواہش کے مطابق میرے بیٹے کا کلام بھی سن لیں۔ شفیق باپ کا اشارہ پا کر میر انیس

منبر پر تشریف لائے۔ میر انیس کا خوبصورت چہرہ، ورزشی بدن اور عنفوانِ شباب کی دلکشی نے وہ منظر پیدا کیا کہ ارباب مجلس کی نگاہیں منبر پر جم گئیں۔ میر انیس چند لمحے خاموش بیٹھے رہے پھر ایک رباعی پڑھی اس کے بعد ایک سلام پڑھ کر ساری مجلس کو مسحور کر لیا۔ واہ واہ اور سبحان اللہ کی آوازیں ہر طرف سے بلند ہوئیں۔ اس کے بعد مرثیہ شروع کیا تو رزم و بزم کا نقشہ اس خوبصورتی سے کھینچا کہ ارباب مجلس بے تاب ہو کر جھومنے لگے اعجاز کلام اور انداز بیان نے ہر شخص کے دل پر میر انیس کی فصاحت کا سکہ بٹھا دیا۔ میر صاحب نے پر جوش تعریفوں کی گونجتی ہوئی آوازوں میں مرثیہ ختم کیا مشتاق سخن لوگوں نے اٹھ کر میر صاحب سے مصافحہ کیا اور ہاتھ چومے۔ تعریف کا سلسلہ دیر تک جاری رہا بہت جلد تمام شہر میں میر انیس کی دھوم مچ گئی۔ رفتہ رفتہ ان کی شہرت ہندوستان کے تمام شہروں میں پھیل گئی۔

میر انیس کے مرثیوں کی خصوصیات

میر انیس مرثیہ گوئی میں ہمہ صفت موصوف تھے۔ سادگی کا یہ عالم ہے کہ ہر مصرعہ سہل ممتنع جو نظم ہے وہی شستہ روانی کا یہ عالم ہے کہ معلوم ہوتا ہے تراشے ہوئے الفاظ کا ایک بحرِ بے کنار ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ منظر کشی اس درجہ سحر کن کہ سامعین محویت کے عالم میں ہر واقعہ کا نقشہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ زبان گھر کی لونڈی ہے۔ روزمرہ اور محاورے پر مکمل عبور اور قدرت حاصل ہے۔ جہاں کوئی لفظی یا معنوی صنعت آگئی ہے بالکل بے ساختہ اور بلا ارادہ آگئی ہے۔ تشبیہات و استعارات اس قدر لطیف کہ طبیعت وجد کرنے لگے۔

فن شعر خوانی اور انیس

سدرزال مشر ان ایک کشمیری پنڈت تھے جو اسلامی تہذیب و تمدن کے فدائی اور اردو ادب کے دلدادہ تھے انہوں نے اپنے خطبات عشرت میں ایک خطبہ فن شعر خوانی پر بھی لکھا ہے جس میں میر انیس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "اس فن کے ماہر ہندوستان میں حضرت میر انیس مرحوم تھے بلکہ ماہر ہونے کے ساتھ اس فن کے موجد بھی تھے میرے لڑکپن میں ایک بوڑھے آدمی نے جس نے انیس مرحوم کی مجالس عزا دیکھی تھیں، حضرت انیس کا حال شعر پڑھنے کا بیان کیا کہ پہلے وہ جس وقت منبر پر جاتے تھے تو مجلس میں خاموشی اور سناٹا ہو جاتا تھا کوئی بات کسی سے نہ کرتا تھا پہلے وہ آستینیں چڑھاتے تھے یہ دیکھ کر لوگوں کے

دل ہلنے لگتے تھے پھر جب وہ مرثیے کا بیاض ہاتھ میں لیتے تو رقیق القلب سامعین کو رقت شروع ہونے لگتی اور جب وہ پڑھنا شروع کرتے تھے تو سیکڑوں سامعین چہرے کو رومال سے پونچھتے دکھائی دیتے تھے اور بین پڑھتے وقت تو گریہ وزاری، آہ و بکا کا کچھ ٹھکانا نہ تھا۔

ذاکر کو منبر پر پڑھنے کے لئے تیار دیکھ کر سامعین کے دلوں پر رنج و غم اور حسرت و افسوس کی ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور ہر شخص شہدائے کربلا کی شہادت کے حالات سننے اور اہل بیت کی مصیبتوں کا جانکاہ منظر دیکھنے کو آمادہ ہو جاتا ہے اور آمادہ ہو جانا ہے بھی ایک فطری امر کیونکہ کربلا کے خونیں میدان میں خاندان رسول کے بوڑھوں جوانوں اور بچوں کو جس بیدردی سے تڑپا تڑپا کر بھوکا پیاسا شہید کیا گیا اس کا حال سن کر اپنے تو اپنے اغیار بھی رو دیتے ہیں۔ اور پھر ذاکر بھی کون حضرت انیس مرحوم جن کے پڑھنے کی دھاک بندھی ہوئی تھی اور جن کا ایک ایک شعر نشتر کا کام کرتا تھا جن کے ایک ایک لفظ میں خون جگر کی چاشنی ہوتی تھی۔

حضرت انیس صرف چشم و ابرو کے اشارے سے جذبات کو ادا کرتے تھے۔ کبھی خاص موقعوں پر ہاتھ کو بھی جنبش دیتے تھے لیکن ان کے اشارات و حرکات نہایت متانت کا پہلو لئے ہوتے تھے۔"

میر انیس نے مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی کو اس نقطۂ عروج پر پہنچا دیا کہ اس سے بلند منزل کا تصور بھی ممکن نہیں۔ خدا نے انہیں نہ صرف مرثیہ گوئی کی جملہ صفات ودیعت فرمائی تھیں بلکہ مرثیہ خوانی کی معراج بھی عطا فرمادی۔ جن ثقہ ہستیوں نے میر انیس کو مرثیے پڑھتے دیکھا ہے ان میں سے چند نے اس پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ وہ منبر پر یوں جلوہ افروز ہوتے تھے جیسے کہ شاہ باوقار اپنے تخت پر ہو۔ خدا جانے کیا سحر تھا کہ ہر منظر اور ہر مقام مجسم ہو کر سامنے آتا ہوا محسوس ہوتا۔ سامعین کی محویت کا یہ عالم ہوتا کہ پہلو بدلنے تک کا ہوش نہ ہوتا۔ پلک جھپکنا بار گزرتا

شعر کہنے کا انداز

میر احسن لکھنوی لکھتے ہیں کہ "میر انیس کا شعر کہنے کا انداز یہ تھا کہ جب طبیعت شعر کہنے کی طرف مائل ہوتی تو ایک چادر سر سے پاؤں تک اوڑھ لیتے منہ ڈھانپ لیتے۔ ایک بازو خم کر کے اس کی کلائی آنکھوں پر رکھ لیتے۔ وجدان کا عالم طاری ہو جاتا اور اشعار کی بارش آبدار موتیوں کی طرح گرنے لگتی۔"

میر انیس نے جتنے مرثیے لکھے ہیں ان کی تعداد صحیح طور پر نہیں بتائی جا سکتی۔ ان کا مطبوعہ کلام کئی جلدوں پر مشتمل ہے اور عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ان کے غیر مطبوعہ کلام کی مقدار مطبوعہ کلام سے کم نہیں ہے۔

انیس اور دبیر

میر انیس کا تذکرہ مرزا دبیر کے ذکر کے بغیر تشنۂ تکمیل رہ جاتا ہے۔ میر انیس اور مرزا دبیر دونوں تقریباً ہم عمر تھے۔ میر انیس مرزا دبیر سے دو برس بڑے تھے۔ دونوں کو آغازِ شباب ہی میں مقبولیت حاصل ہو گئی تھی لکھنؤ میں ان دونوں کی سخن آرائیوں نے ہر خاص و عام کو مسحور کر رکھا تھا۔ خوش مذاق لوگوں نے دونوں کو ایک دوسرے کا حریف قرار دے رکھا تھا۔ تمام شہر اور گرد و نواح کے وسیع علاقے میں میر انیس اور مرزا دبیر کی دھوم مچی ہوئی تھی مشتاقانِ سخن کے جتھے دونوں کی طرف داری میں الگ الگ بٹے ہوئے تھے ہر گروہ اپنے پسندیدہ شاعر کی طرف داری پر زور دیتا تھا۔ لیکن ان دونوں عالی مقام مرثیہ نگاروں کے باہمی مراسم و روابط دوستانہ تھے۔ دونوں ایک دوسرے کو قدر و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ایک دوسرے کی تعریف کرتے تھے۔ انیس کے میل جول میں رقابت یا مخالفت کے جذبات کو دخل حاصل نہ تھا میر انیس کی وفات پر مرزا دبیر نے جن الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا وہ ان کے باہمی تعلقات کی روشن دلیل ہے۔

> آسماں بے ماہِ کامل، سدرہ بے روح الامیں
>
> طورِ سینا بے کلیم اللہ، منبر بے انیس (دبیر)

اردو مرثیہ نگاروں میں کوئی انیس و دبیر کے مرتبہ کو نہیں پہنچا دونوں اپنے اپنے رنگ میں منفرد ہیں حق یہ ہے کہ کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا بہت مشکل ہے۔ درحقیقت انیس و دبیر اردو زبان کے ان عظیم معماروں میں ہیں جن کے بغیر اردو ادب کی تاریخ کی عمارت میں پختگی و استواری ممکن نہیں تھی مرزا دبیر میر انیس کی وفات کے بعد صرف ایک سال زندہ رہے ۱۸۷۵ء میں مداحِ امیران امیر کی آواز ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی۔

میر انیس کی آخری مجلس

پانچ پشتوں سے شبیر کی مداحی کا جو سلسلہ چلا آ رہا تھا میر انیس نے عمر کا بیشتر حصہ اسی سلسلے کو قائم رکھنے میں گزارا۔ زمانے نے

اول سے آخر تک ان کا احترام کیا۔ انہوں نے بے شمار مجلسیں پڑھیں اور ہمیشہ حاضرین مجلس کی واہ وا، سبحان اللہ کی پرجوش آوازوں کی گونج میں منبر سے اترے۔

کہتے ہیں میر صاحب مرحوم نے آخری مجلس نواب باقر علی خاں صاحب ولد نواب جعفر علی خاں صاحب کے شیش محل واقع لکھنؤ میں پڑھی۔ اس کے بعد پھر کسی مجلس میں پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اس مجلس میں جو مرثیہ پڑھا وہ یہ تھا۔

آئی ہے کس شکوہ سے رن میں خدا کی فوج

وفات

میر انیس نے ۷۲ برس کی عمر پائی ۲۲ رمضان ۱۲۹۱ھ کو تپ اور درد سر میں مبتلا ہوئے۔ بستر مرگ پہ یہ شعر کہا ؎

آخر ہے عمر زیست سے اب دل بھی سیر ہے
پیمانہ بھر چکا ہے چھلکنے کی دیر ہے

دو مہینے تک بیمار رہے ۲۹ ذیقعدہ ۱۲۹۱ھ کو قریب شام انتقال فرمایا۔

میر انیس مولانا محمد حسین آزاد کی نظر میں

میر ببر علی انیس

لکھنؤ میں تعلیم و تربیت پائی اور ضروریات فن (شاعری) سے آگاہی حاصل کی اپنے خاندانی کمال میں باپ (میر خلیق) کے شاگرد تھے اور جس طرح عمر میں دونوں بھائیوں (مونس اور انس) سے بڑے تھے، اسی طرح کمال میں بھی فائق تھے۔ ابتدا میں انھیں بھی غزل کا شوق تھا ایک دفعہ کسی مشاعرے میں گئے اور غزل پڑھی۔ وہاں بڑی تعریف ہوئی۔ شفیق باپ خبر سن کر دل میں تو باغ باغ ہوا۔ مگر ہونہار فرزند سے پوچھا کہ کل رات کو کہاں گئے تھے؟ انھوں نے حال بیان کیا۔ غزل سنی اور فرمایا کہ "بھائی! اب اس غزل کو سلام کرو اور اس شغل میں زورِ طبع کو صرف کرو، جو دین کا سرمایہ ہے۔" سعادت مند بیٹے نے اسی دن ادھر سے قطع نظر کی۔ غزل مذکور کی طرح میں سلام لکھا۔ دنیا کو چھوڑ کر دین کے دائرے میں آ گئے اور تمام عمر اسی میں صرف کر دی نیک نیتی کی برکت نے اس میں دین بھی دیا اور دنیا بھی۔ اس وقت تک ان کے ہم عصر اپنے استادوں کی اطاعت کو طاعت سمجھتے تھے۔ سلام، نوحے، رباعیاں کہتے تھے اور مرثیے کی مقدار بیشتر چالیس پچاس بند تھی۔

زمانے کی خاصیت ہے کہ جب نباتات پرانے ہو جاتے ہیں تو انھیں نکال کر پھینک دیتا ہے اور نئے پودے لگاتا ہے۔ میر ضمیر اور میر خلیق کو بڑھاپے کے پلنگ پر بٹھایا میر انیس کو باپ کی جگہ منبر پر ترقی دی۔ ادھر مرزا دبیر ان کے مقابلے کے لئے نکلے۔ یہ خاندانی شاعر نہ تھے۔ مگر میر ضمیر کے شاگرد رشید تھے۔ جب دونوں نوجوان میدان میں جولانیاں کرنے لگے تو فن مذکور (یعنی مرثیہ) کی ترقی کے بادل گرجتے اور برستے اٹھے اور نئی ایجادوں کے مینہ برسنے لگے۔ کلام نے وہ قدر پیدا کی کہ اس سے زیادہ بہشت ہی میں ہو تو ہو۔ قدر دانی بھی فقط زبانی تعریف اور تعظیم و تکریم میں ختم نہ ہو جاتی تھی، بلکہ نقد و جنس کے گراں بہا انعام

تحائف اور نذرانوں کے رنگ میں پیش ہوتے تھے۔ ان ترغیبوں کی بدولت فکروں کی پرواز اور ذہنوں کی رسائی امید سے زیادہ بڑھ گئی۔ دونوں باکمالوں نے ثابت کر دیا کہ حقیقی اور تحقیقی شاعر ہم ہیں کہ ہر رنگ کے مضمون ہر قسم کے خیال، ہر ایک حال کا اپنے الفاظ کے جوڑ بند سے ایسا طلسم باندھ دیتے ہیں کہ چاہیں رُلا دیں، چاہے ہنسا دیں اور چاہیں تو حیرت کی صورت بنا کر بٹھا دیں۔

یہ دعوے بالکل سچ تھے کیونکہ مشاہدہ ان کی تصدیق کو ہر وقت حاضر رہتا تھا۔ دلیل کی حاجت نہ تھی۔ سکندر نامہ جس کی تعریف میں لوگوں کے لب خشک ہیں، اس میں چند میدان جنگ ہیں ورزم زنگبار، جنگ دارا، جنگ فغفور وغیرہ، شاہ نامے کے ساٹھ ہزار شعر فردوسی کی عمر بھر کی کمائی ہیں انہوں نے (انیس و دبیر نے) ایجاد مضامین کے دریا بہا دیے، ایک مقولی مضمون (یعنی شہادت کے حال) کو سیکڑوں نہیں ہزاروں رنگ سے ادا کیا۔ ہر مرثیے کا چہرہ (تمہیدی مضمون) نیا، آمد (میدان جنگ میں دلیروں کی آمد) نئی، رزم جدا، بزم جدا اور ہر میدان میں مضمون اچھوتا، تلوار نئی، نیزہ نیا، گھوڑا نیا، انداز نیا۔

اس پر کیا منحصر ہے، صبح کا عالم دیکھو تو سبحان اللہ۔ رات کی رخصت، سیاہی کا پھٹنا اور کا ظہور، آفتاب کا طلوع، مرغزار کی بہار ــــ شام ہے تو شام غریباں کی اُداسی، کبھی رات کا سناٹا کبھی تاروں کی چھاؤں کو چاندنی اور اندھیرے کے ساتھ رنگ رنگ سے دکھایا ہے ــ غرض جس حالت کو لیا ہے، اس کا سماں باندھ دیا ہے۔ آمد مضامین کی بھی انتہا نہ رہی۔ جن مرثیوں کے بند چالیس پچاس سے زیادہ نہ ہوتے تھے وہ ایک سو پچاس سے گزر کر دو سو سے بھی نکل گئے میر صاحب مرحوم نے کم سے کم دس ہزار مرثیہ ضرور کہا ہوگا اور سلاموں کا تو کیا شمار ہے رباعیاں تو باتیں تھیں۔

جب تک لکھنؤ آباد رہا، جب کسی اور شہر جانے کا ذکر ہوتا تو دونوں صاحب یہی فرماتے تھے کہ اس کلام کو اس شہر کے لوگ سمجھ سکتے ہیں اور کوئی اس کی قدر کیا جانے گا اور ہماری زبان کے لطف کو کیا سمجھے گا لیکن لکھنؤ کے بعد اول ۱۸۵۸ء میں مرزا دبیر صاحب مرشد آباد بلائے گئے وہ گئے اور ہمیشہ الہ آباد اور بنارس میں جاتے رہے میر انیس مرحوم اول ۱۸۵۹ء اور ۱۸۶۰ء

میں نواب قاسم علی خاں کی طلب اور اصرار سے عظیم آباد بھی جاتے رہے۔ پھر ۱۸۷۱ء میں حیدر آباد سے نواب تہور جنگ بہادر نے میر انیس کو طلب فرمایا۔ اہل حیدر آباد نے اُن کے کمال کی ایسی قدر کی، جیسی کہ چاہیے۔ مجلسوں میں لوگ اس کثرت سے آتے تھے کہ عالی شان مکان کی وسعت بھی جگہ نہ دے سکتی تھی۔ دروازے پر پہرے کھڑے کر دیتے تھے کہ مُشتند اور سخن فہم لوگوں کے سوا کسی کو نہ آنے دو۔ اور کسی امیر کے دو متوسلوں سے زیادہ آدمی نہ آنے پائیں۔ اس پر بھی لوگ اس کثرت سے آتے تھے کہ کھڑے رہنے کو غنیمت سمجھتے تھے اور اسی میں خوش تھے کہ ہم نے سُنا تو سہی۔

میر انیس جب وہاں سے پھرے تو حسب وعدہ الہ آباد میں اُترنا پڑا۔ ایک مجلس بڑی شان و شوکت کے ساتھ منعقد ہوئی۔ میرے شفیق قدیم مولوی ذکاء اللہ صاحب کہ میور کالج میں پروفیسر ہیں، نکتہ شناس و نکتہ فہم ان سے زیادہ کون ہوگا۔ اس مجلس کا حال خود مجھ سے بیان کرتے تھے کہ خاص و عام ہزاروں آدمی جمع تھے۔ کمال اور کلام کی کیا کیفیت بیان کروں، محویت کا عالم تھا۔ وہ شخص (یعنی میر انیس) منبر پر بیٹھا پڑھ رہا تھا۔ اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ جادو کر رہا ہے۔ یہ شعر پڑھتے تھے اور مزے لیتے تھے۔ ؎

عمر گذری ہے اسی دشت کی سیاحی میں
پانچویں پشت ہے شبیرؑ کی مداحی میں

ان کی بلکہ ان کے گھرانے کی زبان اردوئے معلیٰ کے لحاظ سے تمام لکھنؤ میں سند تھی اور انھیں بھی اس بات کا خیال تھا لیکن طبیعت میں نہایت انکسار تھا۔ محسن اخلاق گفتگو میں ان کی تقریر کو اتنا بچاتے ہوئے سے چلتا تھا کہ ایک حد اعتدال سے بھی نیچے ہی نیچے رہتی تھی۔ اس پر ایک لفظ کا نٹے کی تول، کسی جلسے میں اپنا کلام سناتے تو بعض محاورے پر اتنا کہہ اٹھتے تھے کہ "یہ میرے گھر کی زبان ہے۔" حضرات لکھنؤ اس طرح نہیں فرماتے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اب تک اپنے تئیں لکھنؤ کا باشندہ نہ کہنا چاہتے تھے۔

ؔ یعنی دہلی کی کیونکہ میر انیس کے دادا میر حسن دہلوی تھے۔

مولوی شریف حسین خاں کہتے تھے کہ حیدرآباد میں ایک دن چند معزز اشخاص بیٹھے تھے ایک صاحب ان کی شاعری کی تعریفیں کرنے لگے۔ فرمایا۔ "بھئی شاعر کون ہے؟ ڈکھڑے کا کہنے والا ہوں۔ وہ بھی نہیں معلوم کہ جس طرح چاہیے ہوتا ہے یا نہیں"۔ میں ۱۸۸۸ء میں خود بھی ان سے ملا۔ اور لوگوں سے بھی سنا۔ کم سخن تھے اور بولتے تو فقرہ، کہ موتی کی طرح ٹانکنے کے قابل۔ والا جاہ مولوی رجب علی خاں بہادر حسب الطلب صاحب چیف کمشنر بہادر لکھنؤ میں تھے۔ ایک دن بعض عمائد شہر موجود تھے۔ میر انیس صاحب بھی تشریف رکھتے تھے۔ کہیں سے آم آئے۔ چونکہ عمدہ تھے۔ مولوی صاحب ممدوح نے طاسوں میں پانی بھروا کر رکھوائے اور سب صاحبوں کو متوجہ فرمایا ایک حکیم صاحب بھی جلسے میں حرارت کی شکایت کر رہے تھے مگر شریک چاشنی ہوئے کسی بزرگ نے کہا حکیم صاحب! آپ تو ابھی علالت کی شکایت فرماتے تھے۔ حکیم جی تو بغلیں جھانکنے لگے۔ میر انیس نے فرمایا عربی جملے کا ترجمہ "حکیم کا کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔"

جس طرح ان کا کلام لاجواب ہے اسی طرح ان کا ادا کرنا بھی بے مثال ہی تھا۔ ان کی آواز ان کا قد و قامت، ان کی صورت کا انداز، غرض ہر شے اس کام کے لئے ٹھیک اور موزوں واقع ہوئی تھی۔ ان کا اور ان کے بھائیوں کا قاعدہ تھا کہ ایک بڑا آئینہ سامنے رکھ کر خلوت میں بیٹھتے تھے اور مرثیہ پڑھنے کی مشق کرتے تھے۔ وضع، حرکات، سکنات اور بات بات کو دیکھتے تھے اور آپ اس کی موزونی و ناموزونی کو اصلاح دیتے تھے۔

(محمد حسین آزاد)

۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مناجات

یارب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر
اے ابرِ کرم خشک زراعت پہ کرم کر
تو فیض کا مبدا ہے توجہ کوئی دم کر
گمنام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر
جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے
اقلیمِ سخن میرے قلمرو سے نہ جائے

اس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض سے جاری
بلبل کی زباں پر ہے تری شکرگزاری
ہر نخل برومند ہے یا حضرتِ باری
پھل ہم کو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری
وہ گل ہوں عنایت چمنِ طبعِ نکو کو
بلبل نے بھی سونگھا نہ ہو جن پھولوں کی بو کو

غواصِ طبیعت کو عطا کر وہ لآلی
ہو جن کی جگہ تاجِ سرِ عرش پہ خالی
ایک ایک لڑی نظمِ ثریا سے ہو عالی
عالم کی نگاہوں سے گرے قطبِ شمالی
سب ہوں دُرِ یکتا نہ علاقہ ہو کسی سے
نذر ان کی ہوں لگے جنہیں رشتہ ہے نبی سے

بھر دے دُرِ مقصود سے اس درجِ دہاں کو
دریائے معانی سے بڑھا طبعِ رواں کو
آگاہ کر اندازِ تکلم سے زباں کو
عاشق ہو فصاحت بھی وہ دے حسنِ بیاں کو
تحسین کا سلاطین سے غل تا بہ سمک ہو
ہر گوش بنے کانِ ملاحت وہ نمک ہو

تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملا دوں
قطرے کو جو دوں آب تو گوہر سے ملا دوں
ذرے کی چمک مہرِ منور سے ملا دوں
خاروں کو نزاکت میں گلِ تر سے ملا دوں
گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

گر بزم کی جانب ہو توجہ دمِ تحریر　　کھنچ جائے ابھی گلشنِ فردوس کی تصویر
مینے نہ کبھی صحبتِ انجم فلکِ پیر　　ہو جائے ہوا بزمِ سلیماں کی بھی توقیر
یوں تختِ حسینانِ معانی اتر آئے
ہر چشم کو پریوں کا اکھاڑا نظر آئے

ساقی کے کرم سے ہو وہ دور اور وہ چلیں جام　　جس میں عوضِ نشہ ہو کیفیتِ انجام
ہر مست فراموش کرے گردشِ ایام　　صوفی کی زباں بھی نہ رہے فیض سے ناکام
ہاں بادہ کشو پوچھ لو مے خانہ نشیں سے
کوثر کی یہ موج آگئی ہے خلدِ بریں سے

آؤں طرفِ رزم ابھی چھوڑ کے جب بزم　　خیبر کی خبر لائے مری طبعِ اولوالعزم
قطعِ سرِ اعدا کا ارادہ ہو جو بالجزم　　دکھلائے یہیں سب کو زباں معرکۂ رزم
جل جائیں عدو آگ بھڑکتی نظر آئے
تلوار پہ تلوار چمکتی نظر آئے

مصرع ہو صف آرا صفتِ لشکرِ جرار　　الفاظ کی تیزی کو نہ پہنچے کوئی تلوار
نقطے ہوں جو ڈھالیں تو الف خنجرِ خونخوار　　مد آگے بڑھیں برچھیوں کو تول کے اک بار
غل ہو کہ کبھی یوں فوج کو لڑتے نہیں دیکھا
مقتل میں رن ایسا کبھی پڑتے نہیں دیکھا

یوں ایک زباں ماہ سے تا مسکنِ ماہی　　عالم کو دکھا دے یورشِ تیغِ الٰہی
جرأت کا دھنی تو ہے یہ چلائیں سپاہی　　لاریب ترے نام پہ ہے سکۂ شاہی
ہر دم یہ اشارہ ہو رسالت اور رسل کا
تو مالک و مختار ہے اس طبل و علم کا

نعت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فخرِ ملک و اشرفِ آدم ہے محمدؐ — اکلیلِ سرِ عرشِ معظم ہے محمدؐ
حقا کہ خداوندِ دو عالم ہے محمدؐ — آخر ہے مگر سب سے مقدم ہے محمدؐ
ایسا کوئی محرم نہیں اسرارِ احد کا
حال اس سے ہے پوشیدہ ازل کا نہ ابد کا

مختارِ زمیں باعثِ افلاک نبیؐ ہے — والا گہرِ قلزمِ لولاک نبیؐ ہے
مصباحِ حریمِ حرمِ پاک نبیؐ ہے — شیرازۂ مجموعۂ ادراک نبیؐ ہے
عالم میں وہ آیا تھا پہ دل سوئے خدا تھا
حق اس کا رضا جو وہ رضا جوئے خدا تھا

آدم ہے وجودِ شہِ لولاک سے آدم — عالم سب اسی شاہ کی ہستی سے ہے عالم
سر رشتۂ مہر اس کا اگر ہوتا نہ محکم — تو ہوتے نہ اضداد عناصر کبھی باہم
کیا کیا کہوں کیا کیا ہے عنایاتِ محمدؐ
ہے باعثِ ایجادِ جہاں ذاتِ محمدؐ

وہ پیشرو خیلِ رسولانِ سلف ہے — آدمؑ کو اسی نورِ الٰہی سے شرف ہے
یہ دُرِّ یتیم اور وہ پاکیزہ صدف ہے — کرتا ہے پدر فخر یہ شانِ خلف ہے
پیغمبرِ حق کی ہو کب نعت کسی سے
خالق کو مباہات ہے ایجادِ نبیؐ سے

جز ذاتِ خدا سب پہ محمدؐ کے ہیں احساں — اس شاہ کے ہیں خوانِ کرم پہ بھی مہماں
وہ اصل ہے اور فرع ہے سب عالمِ امکاں — تھا خلقِ دو عالم سے یہی مطلبِ یزداں
باطن میں بھی مخفی اسی کا ہے ظاہر بھی وہی ہے
اوّل بھی سبھوں سے وہی آخر بھی وہی ہے

معراج سے جو اشرف کو ملا رتبۂ اعلیٰ　　یہ رتبہ کسی اور پیمبر نے نہ پایا
اللہ سے جو قرب محمدؐ کا کہوں کیا　　قوسین کا ہے فرق جہاں رتبۂ ادنیٰ
جبریلؑ امیں کو بھی نہ واں دخل کی جا تھی
یا احمدؐ مختار تھے یا ذاتِ خدا تھی

اللہ نے دی تھی اسے کونین کی شاہی　　اُمّی تھے پہ دل میں تھا بھرا رازِ الٰہی
دی سنگ نے اس شہؐ کی رسالت پہ گواہی　　اشجار بھی اعزاز سے اس کے ہوئے راہی
دی مُردوں کو جاں سبز کیا خشک شجر کو
دو کر دیا انگلی کے اشارے سے قمر کو

بے سایہ جو مشہور وہ سلطان عرب ہے　　پیش عقلا وجہ یہ ہے اور یہ سبب ہے
بے کون عدیل اس کا کہ وہ سایۂ رب ہے　　دنیا میں کسی سایہ کا سایہ کہو کب ہے
بے سایہ یہ وجہ کہ وہ جانِ جہاں تھا
بے سایہ ہے جاں، جاں کی طرح سایہ نہاں تھا

پہلے کیا جس چیز کو اللہ نے پیدا　　لکھا ہے کہ وہ نورِ جنابِ نبویؐ تھا
دس سو برس اس طرح سے وہ نور بستہ رہا　　استادہ رہا سدرہ پہ خالق یکتا
کر حمد و ثنا کہ صفتِ قدرتِ حق تھی
اس نور پہ ہر دم نظرِ رحمتِ حق تھی

اس نور سے فرماتا تھا یہ حضرت معبود　　ہے خلق سے تو میری مراد اور مرا مقصود
عزت کی قسم اپنی جو تو ہوتا نہ موجود　　تو رہتی بنا عالم ایجاد کی نابود
پیدا کبھی کرتا نہ زمیں کو نہ فلک کو
دوزخ کو نہ جنت کو نہ آدم نہ ملک کو

جو تیرا محب ہے ہمیں اس سے ہے محبت　　جو تیرا عدو ہے ہمیں اس سے ہے عداوت
دی ہم نے تجھے سارے رسولوں پہ فضیلت　　ہر ایک کی امت سے ہے بہتر تیری اُمت

منصب کسی مرسل کا نہیں تیرے وصی کا
بیٹی تجھے دی فاطمہؑ سی خویش علیؑ سا

سبطین وہ بخشے تجھے جو رحم کریں پیارے ‖ ہم ان کے رضا جو وہ رضا جو ہیں ہمارے
ہیں عرش معظم کے وہ تابندہ ستارے ‖ بخشائیں گے امت کے تری جرم یہ سارے

جو رتبے ترے ہیں وہ اوروں کے کہاں ہیں
از ختم رسل سب سے وہ شفیع دو جہاں ہیں

منقبت جناب امیر علیہ السلام

عرش خدا مقام جناب امیر ہے　　کرسی بھی تخت بام جناب امیر ہے
مسطور لوح نام جناب امیر ہے　　آیات حق کلام جناب امیر ہے
ایسا کسی کو خلق میں رتبہ ملا نہیں
ساری خدا کی شان ہے لیکن خدا نہیں

ظاہر علیؑ کی ذات سے ہے قدرت خدا　　بازوئے مصطفےٰ ہے ید رحمت خدا
یعسوب دیں امیر عرب حجت خدا　　شیر خدا پہ ختم ہوئی طاعت خدا
قیمت نہ دے سکا کوئی جس کی مجاز میں
سائل کو بخش دی وہ انگوٹھی نماز میں

ہے وہ کلیم عرش بریں جس کا طور ہے　　خورشید دیں ہے ایک ایماں کا نور ہے
ہر سمت ذات پاک کا اس کی ظہور ہے　　جو ہے علی سے دور وہ رحمت سے دور ہے
ہے راست پر وہی جسے حیدر سے راہ ہے
حب علی نہ ہو تو عبادت گناہ ہے

اکثر بیاں کرتے تھے محبوب کردگار　　اشجار اگر جہاں کے قلم ہو دیں یک بار
اور بحر مداد بن کے رواں ایک جا بحار　　لکھیں ازل سے تا بہ ابد اہل روزگار
دریا ہوں صرف اور قلم اختتام ہوں
لیکن نہ شیر حق کے فضائل تمام ہوں

تھا فضل حق سے مظہر عجائب وہ امام　　خورشید سات بار ہوا ان سے ہمکلام
جو سنگ سے زمیں پہ گرتا تھا تا بہ شام　　کہتی تھی پر تراب سے شب کر خبر حرام
اعجاز عیسوی کئی بار دکھا دیئے
تھا یہ اثر زباں میں کہ مردے جلا دیئے

تھے حافظِ کلامِ خدا شاہِ ذوالفقار　　عالم یہ ہونے لگتے تھے دلدل پہ جب سوار
دے کر رکاب میں قدمِ پاک کو قرار　　قرآں شروع ہو کے تھا ختم کردگار
کس کا بغیر مصحفِ ناطق پہ کام تھا
پہنچا اُدھر جو پاؤں تو قرآں تمام تھا

تھا بچپنے سے عاشقِ معبود وہ امام　　حجرے میں تھا نہ غیرِ عبادت کچھ اور کام
تکبیر کی زباں پہ جاری تھی صبح و شام　　سوتے میں بھی نکلتا تھا منہ سے خدا کا نام
گر غش ہوئے تو ذکرِ رسالت پناہ سے
رونا کبھی جو آیا تو خوفِ الٰہ سے

اعجازِ صغرِ سن میں ہوئے بارہا عیاں　　اژدر کو چیرا مہد میں واقف ہے اک جہاں
ہمنامِ حق تھے نامِ خدا جب ہوئے جواں　　عیسیٰ نفس سے مُردوں کو اکدم میں بخشی جاں
کس سے بیاں ہوں علم امام جلیل کے
اُستاد فضلِ حق سے ہوئے جبرئیلؑ کے

سجدہ کریں ملک وہ علیؑ کی جناب ہے　　خویشِ رسولؐ شافعِ یومِ حساب ہے
دستِ علیؑ خدا کے کرم کا سحاب ہے　　سردار اہلبیت ہے جنت کا باب ہے
باہر ہے اس سے جو وہ ہے ساکن کنشت میں
اس در سے جو گیا وہی پہنچا بہشت میں

فرماتے ہیں رسولِ خدا شاہِ کائنات　　ہے نوحؑ کا سفینہ جہاں میں علیؑ کی ذات
اس کشتی میں جو ہے اُسے طوفاں سے ہے نجات　　باہر ہے جو تباہی میں ہے وہ زبوں صفات
ہے منکروں کو خوف یہیں کچھ الم نہیں
حیدرؑ ہیں ناخدا تو تباہی کا غم نہیں

کیا غم ہے اس کو جس کا علیؑ دستگیر ہے　　حامی حشر ذات جناب امیر ہے
معشوقِ خلق عاشقِ ربِ قدیر ہے　　جو بادشاہ ہے اسی در کا فقیر ہے

روحِ بتولِ پاک کو جو مانتا نہیں
حق تو یہ ہے کہ حق کو بھی پہچانتا نہیں

نفسِ مصطفیٰ نبی ہیں تو یداللہ ہی ہیں یہ — پیکرِ کرم جو وہ ہیں تو کانِ سخا ہیں یہ
وہ فخرِ انبیا تو فخرِ اوصیا ہیں یہ — وہ شاہِ انبیا شرفِ اوصیا ہیں یہ
دیکھے حدیث کو جسے کچھ اشتباہ ہے
اس پہ حدیثِ نفسک نفسی گواہ ہے

اک دن رسولِ حق سے کسی نے یہ عرض کی — ارشاد آپ کیجئے کچھ رتبۂ علی
فرمایا مصطفیٰؐ نے کہ میں اور مرا وصی — تھے ایک نور خلقتِ آدم کی جب نہ تھی
مانندِ روح و جسم کے باہم رہے جہاں میں
مجھ سے جدا نہ وہ ہے نہ اس سے جدا ہوں میں

میرا وصی ہے بعد میرے مالکِ جہاں — جسم اس کا میرا جسم ہے جاں اس کی میری جاں
خوں اس کا میرا خوں ہے لاریب و بے گماں — ہے مرتضیٰ علیؑ کا خدا آپ مدح خواں
اس کے سوا ہے کس کا یہ رتبہ جہان میں
ہے آیۂ مباہلہ حیدرؑ کی شان میں

فرمانروائے خلق تھا ہر چند وہ امام — لیکن نمک سے کھاتے تھے جو کی روٹی مدام
بھوکوں کو کھانا دیتے تھے جاری تھا فیضِ عام — کس لطف سے غریبوں سے ہوتے تھے ہمکلام
غم بیکسوں کے حال پہ کھانے سے کام تھا
بھوکوں کو آپ جا کے کھلانے سے کام تھا

اور حال یہ عبادتِ حیدرؑ کا ہے بصد قسم — بجز خدا سوا نہ گزرتا تھا کوئی دم
پڑھتا تھا جب نماز وہ شاہنشہِ امم — خوفِ خدا سے کانپتے تھے سر سے تا قدم
احوال یہ تھا سجدے میں اس خوش خصال کا
ہوتا تھا فاطمہؑ کو گماں انتقال کا

صلوٰۃ اللہ علیہا

منقبت جناب خاتونِ جنت سیدہ فاطمہ زہرا

مہرِ سپہرِ عزّ و شرافت ہے فاطمہؑ — شرحِ کتابِ عصمت و عفت ہے فاطمہؑ
مفتاحِ بابِ گلشنِ جنّت ہے فاطمہؑ — نورِ خدا و آیۂ رحمت ہے فاطمہؑ
رتبے میں وہ زنانِ دو عالم کا فخر ہے
حوّا کا افتخار ہے مریمؑ کا فخر ہے

زہراؑ کو کیا خدا نے دیے رتبۂ جلیل — خدمت گزار جن کے سرافیلؑ و جبرئیلؑ
اس سیدہؑ کا کوئی جہاں میں نہیں عدیل — جس کی کفیل فاطمہؑ اس کا خدا کفیل
ہے فوق اس کے مرتبے کو مہر و ماہ پر
لکھا ہے نام فاطمہؑ عرشِ الٰہ پر

اللہ ری فاطمہؑ کی بزرگی ہے شرف — بابا ملا تو فخرِ رسولانِ ماسلف
شوہر ملا امیرِ عرب اور شہِ نجف — اللہ نے حسینؑ و حسنؑ سے دیے خلف
دونوں امامِ خلق کے حاجت روا ہوئے
مشکل کشا کے بیٹے بھی مشکل کشا ہوئے

ہاں اے زباں خموش ادب کا ہے یہ مقام — کوثر سے منہ کو دھوئے تو لے فاطمہؑ کا نام
اے دل بجز درود نہ کچھ کیجیو کلام — اے کلک اپنے سر کو جھکا دے با احترام
کاغذ پہ پہلے سورۂ مریم کو دم کروں
تب فاطمہؑ کی عصمت و عفت رقم کروں

وہ فاطمہؑ کہ جو ہے سراپا خدا کا نور — پرتو ہے جس کے چہرۂ اقدس کا شمعِ طور
گر حور اس کو کہیے تو ہے عقل کا قصور — اس کے قدم کی خاک ہے سرمہ برائے حور
کس کو ملا ہے رتبۂ اعلیٰ جہان میں
بھیجی خدا نے آیۂ تطہیر شان میں

اکثر زباں سے اپنی یہ فرماتے تھے نبیؐ — ہے فاطمہؑ کو حق نے بزرگی عطا وہ کی
پیدا اگر جہاں میں نہ ہوتا مرا وصیؑ — دنیا میں پھر بتولؑ کا ہمسر نہ تھا کوئی
مجھ بے حضورِ عقل کا اس کی قصور ہے
میں سایۂ خدا ہوں وہ خالق کا نور ہے

شمس الضحیٰ علیؑ ہیں تو بدرالدجیٰ ہے یہ — وہ جسم ہے تو جان و دلِ مصطفےٰ ہے یہ
بحرِ سخا ہے شاہ گہرِ بے بہا ہے یہ — عبدِ خدا ہے وہ تو کنیزِ خدا ہے یہ
زاہد ہیں حق پرست ہیں خوش خو ہیں نیک ہیں
دونوں خدا کے فضل سے رتبے میں ایک ہیں

دونوں کا ایک نورِ خدا سے ظہور ہے — ظاہر ہے ان میں رحمتِ حق سے ہر ایک شے
ہیں خاصّانِ حق ادب اُن کا ضرور ہے — وہ نورِ چشم ہے تو یہ دل کا سرور ہے
ناراض ہے جس نے دونوں کی خاطر ملول کی
اُن کی خوشی خوشی ہے خدا اور رسولؐ کی

حتیٰ کہ فاطمہؑ کے فضائل ہیں بے شمار — دوزخ پہ اور خلد پہ اُس کو ہے اختیار
لکھا ہے ہوگا عرصۂ محشر جو آشکار — اُس روز ہوں گی نور کے ناقے پہ وہ سوار
تابندہ ہوں گے لعل و زبرجد لگام میں
حوریں جلو میں ہوں گی ملک اہتمام میں

ہوگا بحکمِ حق سے شفاعت کا سر پہ تاج — قیمت نہ جس کی ہو سکے کونین کا خراج
ہوں گے گدا اس کے سبب شفاعت کی احتیاج — غل ہوگا دیکھو مرتبہ فاطمہؑ کو آج
کس دبدبے سے بیٹی پیمبرؐ کی آتی ہے
سر کو سواری شافعِ محشر کی آتی ہے

آئیں گی اس شکوہ سے محشر میں جب بتولؑ — اور جائیں گی بہشت میں وہ دلبرِ رسولؐ
دیکھیں گی شیعیانِ علیؑ کو بہ دل ملول — ہو جائے گا حکمِ حق کہ دعا ہے تری قبول

کیا دیکھتی ہے فاطمہؑ کیا انتظار ہے
بخشش میں ان محبوں کی تجھے اختیار ہے

کرلیں گی یاں وہ اپنے غلاموں کو انتخاب — دانوں کو جس طرح سے چنے ہوں کہیں عقاب
کھولے گا چشم شوق سے خلدِ بریں کا باب — اس دم خطائیں شیعوں کی ہو جائیں گی ثواب
خنداں پھریں گے سایۂ لطفِ رحیم میں
جنّاتِ عدن میں کبھی باغِ نعیم میں

اب زہد و فقرِ فاطمہؑ کا کچھ سناؤں حال — فاقے پہ فاقہ کرتی تھی اکثر وہ پُرملال
ملتے جو مژدِ آب کشی شیرِ ذوالجلال — تب جو سنگ کے پیستی تھی وہ نکو خصال
دولت سے کچھ غرض تھی نہ حشمت سے کام تھا
آٹھوں پہر خدا کی عبادت سے کام تھا

محتاج تھیں مگر تھا سخاوت کا بھی یہ حال — فاقے میں در پہ آن کے جس نے کیا سوال
دے آتی تھیں کچھ نہ کچھ اسے جا کر وہ خوش خصال — دنیا کے مال کو نہ سمجھتی تھیں کچھ بھی مال
سینے میں دل علائقِ دنیا سے پاک تھا
زر و طلا بھی سامنے زہراؑ کے خاک تھا

مدح پنجتن علیہم السلام

ہے زیورِ عروسِ سخن پنجتن کی مدح — زینت کلام کی ہے دو گلِ زمن کی مدح
ہے لذتِ زبان شہِ خیبر شکن کی مدح — آرامِ جان و دل ہے حسینؑ و حسنؑ کی مدح

ہر دم یہ ذکر باعثِ عیش و سرور ہے
دل کی بہار روشنی ہے تو آنکھوں کا نور ہے

دلبندِ نورِ داورِ یکتا حسینؑ ہے — رنگین گلِ حدیقۂ زہرا حسینؑ ہے
مظلوم کربلا سے معلّیٰ حسینؑ ہے — سارا جہان غلام ہے آقا حسینؑ ہے

رتبہ جلی ہے سب پہ امام جلیل کا
خدمت ہے جس کے گھر کی شرف جبرئیل کا

مصباحِ بزمِ حیدرِ صفدر حسینؑ ہے — گلگوں قبائے عرصۂ محشر حسینؑ ہے
بے شبہ ہے پر زمانے کا سرور حسینؑ ہے — روشن ہے جس سے عرش وہ گوہر حسینؑ ہے

عالم میں کیوں ضیا نہ ہو اس کے ظہور سے
اللہ خود بنائے جسے اپنے نور سے

محبوبِ دو جہان کا پیارا حسینؑ ہے — مہر عرب کی آنکھوں کا تارا حسینؑ ہے
بعد از حسنؑ امام ہمارا حسینؑ ہے — بخشش کا عاصیوں کی سہارا حسینؑ ہے

سب کو اسی کی حشر کے دن احتیاج ہے
حقا کہ اس کے سر پہ شفاعت کا تاج ہے

مہرِ سپہرِ ہیبت و حشمت و جلال — جس کو کبھی ازل سے ابد تک نہیں زوال
نزدیک تھا کہ گلشنِ ایماں ہو پائمال — سرسبز کر گیا اسدِ کبریا کا لال

کیا فیض ہے کہ سایۂ طوبیٰ میں گھر ملا
اُمّت نہال ہو گئی ایسا ثمر ملا۔

پہلے تو رنگ کفر کیا خیبر حق نے دُور	برعکس تھے جو قتل ہوئے سب وہ پُر غرور
ظاہر ہوئے حسینؑ تو حق نے کیا ظہور	وہ بھی خدا کے نور تھے یہ بھی خدا کے نور
حُبّ علیؑ کے ساتھ جب ان کی ولا ہوئی
ایماں کے آئینے کو دوبارہ جِلا ہوئی

حامی ہو ایک تن بھی تو آفت کی ہے سپر	یاں پنجتن ہیں پھر ہمیں کیا خوف کیا خطر
ششدر ہوں کس لیے جو دوزخ کے ہیں سات در	آٹھوں بہشت شاہ کے ہیں دوستوں کے گھر
ذرّے آسماں سے بھی کہیں بڑھ کے رفیع ہیں
یاں وہ خدا کے دوست ہمارے شفیع ہیں

کردیں گے سرد گرمی بازار آفتاب	ہوئے گا ابر رحمت حق دامن جناب
شیعوں کی فرد فرد کو کرلیں گے انتخاب	ہم پاک ہیں ہمارے گناہوں کا کیا حساب
کہہ دیں گے ہم کہ شاہ کے لشکر کے ساتھ ہیں
جیسے ہمارے مالک و قنبر کے ساتھ ہیں

ہے جن کو خیر محض کے گھرانے سے ارتباط	قدموں سے سب کے طے ہوئی ان کے رہ صراط
جب تھام لیں گے چادر زہراؑ بہ احتیاط	اس پل کو طے کریں گے بصد فرح و انبساط
خیبر ہیں مشکل ہیں رسول کریمؐ ہیں
کیا ڈر ہمیں صراط سے دل مستقیم ہیں

جنات عدن و گلشن فردوس روئے حور	وہ گوہر و زبرجد و یاقوت کے قصور
آسائش بہشت بریں راحت و سرور	طوبیٰ و کوثر و ارم و چشمہ ہائے نور
اس باغ میں جگہ نہیں خاروں کے واسطے
یہ سب ہیں شہ کے تعزیہ داروں کے واسطے

رونے سے غم میں شاہ کے لذت ہے صلا	دل کا سرور آئینۂ چشم کو جلا
مردم ہیں کیوں نہ واجب عینی ہو یہ ولا	جو حق سے ان کے نام پہ مانگا وہی ملا

رونے کو جرم دفترِ عصیاں سے دھو گئے
دامن تر ہوا تھا کہ وہ پاک ہو گئے

رونے میں صرف ہو تو نہیں عمر کا حساب — ان آنسوؤں سے ہے رخِ ایماں کی آب و تاب
مردم کی آبرو کا سبب دیدۂ پُر آب — حاصل ہر ایک نفس میں ہے تسبیح کا ثواب
جو کچھ ہے اجر تذکرۂ لا الٰہ میں
حاصل ہیں یاں وہ سب حسنات ایک آہ میں

ذکرِ حسینؑ حق کی عبادت سے کم نہیں — رونے کا اجر اجرِ شہادت سے کم نہیں
نالہ ہر ایک اذان و اقامت سے کم نہیں — ہر صف کشی نمازِ جماعت سے کم نہیں
سجدے سے اوج پست ہے کب اس مقام کا
وہ گھر خدا کا ہے تو یہ گھر ہے امام کا

رفعت کروں میں تعزیہ خانے کی کیا رقم — ہے جلوہ گاہ روحِ رسولؐ فلک حشم
ایک ایک در ہے رشکِ درِ گلشنِ ارم — آتی ہے بوئے خلد صبا کے دم بدم
سونگھے اگر فتیلۂ عنبر سرشت کو
رضواں بھی بھول جائے شمیمِ بہشت کو

حقا کہ رکنِ کعبۂ ایماں ہے یہ مقام — ہیکل و دیر یہیں ہیں معروفِ اہتمام
قدسی طواف کرتے ہیں یاں آ کے صبح و شام — کوئی تو بھیجتا ہے درود اور کوئی سلام
ہے آسماں کا قول کہ میں خاکِ راہ ہوں
کہتا ہے عرش فرشِ وہ بارگاہ ہوں

ہے شہر مثلِ نورِ سحر سر بسر سفید — بام و ستون و خانہ و دیوار و در سفید
جیسے بیاضِ چشم ادھر اور ادھر سفید — مردم سیاہ پوش ہیں سب اور گھر سفید
روشن ہو کیوں نہ تعزیہ خانہ حسینؑ کا
سب نور ہے یہ فاطمہؑ کے نورِ عین کا

معروفِ غم رہو کہ یہ صحبت ہے مغتنم
مجمع یہ دوستوں کا یہ رقت ہے مغتنم
سر پہ اجل کھڑی ہے یہ فرصت ہے مغتنم
ہاتھ آئے گی نہ پھر کہ یہ دولت ہے مغتنم
گر مر گئے تو ماتمِ شاہِ امم کہاں
یہ مجلسیں تو حشر تلک ہیں پہ ہم کہاں

ولادت امام حسین علیہ السلام

ہاں اے فلکِ پیر نئے سر سے جواں ہو ۔ اے ماہِ شبِ چار دہم نور فشاں ہو
اے ظلمتِ غم دیدہ تو عالم سے نہاں ہو ۔ اے روشنیِ صبحِ شبِ عید عیاں ہو
شادی ہے ولادت کی ید اللہ کے گھر میں
خورشید اترتا ہے شہنشاہ کے گھر میں

اے شمس و قمر اور قمر ہوتا ہے پیدا ۔ نخلِ چمنِ دیں کا ثمر ہوتا ہے پیدا
مخدومۂ عالم کا پسر ہوتا ہے پیدا ۔ جو عرش کی ضو ہے وہ گہر ہوتا ہے پیدا
ہر جسم میں جاں آتی ہے مذکور سے جس کے
وہ نورِ خدا ہوں گے عیاں نور سے جس کے

اے کعبۂ ایماں تری عزت کے دن آئے ۔ اے رکنِ یمانی تری شوکت کے دن آئے
اے بیتِ مقدس تری عظمت کے دن آئے ۔ اے چشمۂ زمزم تری چاہت کے دن آئے
اے سنگِ حرم جلوہ نمائی ہوئی تجھ سے
اے کوہِ صفا اور صفائی ہوئی تجھ سے

اے یثرب و بطحا ترے والی کی ہے آمد ۔ اے رتبۂ اعلیٰ شہِ عالی کی ہے آمد
عالم کی تغیر پہ جمالی کی ہے آمد ۔ کہتے ہیں چمن ماہِ جلالی کی ہے آمد
یہ خانۂ کعبہ کی مباہات کے دن ہیں
یعقوب سے یوسف کی ملاقات کے دن ہیں

اے ارضِ مدینہ تجھے فوق اب ہے فلک پر ۔ رونق جو سما پر ہے وہ اب ہوگی سمک پر
خورشید ملا تیرا ستارہ ہے چمک پر ۔ صدقے گلِ تر ہیں ترے پھولوں کی مہک پر
ہاں جس پہ فرشتوں کے بچھیں فرش وہی ہے
جس خاک پہ ہو نورِ خدا عرش وہی ہے

یا ختمِ رسلؐ گوہرِ مقصود مبارک   یا شیرِ خدا رحمتِ معبود مبارک
یا شاہِ نجف شادیِ مولود مبارک   یا خیرِ نساء اخترِ مسعود مبارک
رونق ہو سوا فخر دوبالا رہے گھر میں
اس ماہِ دو ہفتہ کا اُجالا رہے گھر میں

اے اُمتیو ہے یہ دمِ شکر گزاری   ہر بار کرو سجدۂ شکرِ باری
اللہ نے حل کر دیا مشکل کو تمہاری   فردِ عملِ زشت کی اب چاک ہیں ساری
بخشے گئے بندوں میں ولی ابنِ ولی کے
ناجی ہوئے صدقے میں حسینؑ ابنِ علیؑ کے

اے ماہِ معظم ترے اقبال کے صدقے   شوکت کے فدا عظمت و اجلال کے صدقے
اُخروی برکت فاطمہؑ کے لال کے صدقے   جس سال یہ پیدا ہوئے اس سال کے صدقے
عُریاں سحرِ عید اگر ہو تو عجب ہے
نوروز بھی اس شب کی بزرگی پہ فدا ہے

قربان شبِ جمعۂ شعبان خوش انجام   پیدا ہوا جس شب کو محمدؐ کا گل اندام
قائم ہوا دیں اور بڑھی رونقِ اسلام   ہر چند کہ صبحِ شبِ معراج تھی وہ شام
خورشید کا اجلال و شرف مہر سے پوچھو
کیا قدر تھی اس شب کی ز شبِ قدر سے پوچھو

وہ نورِ قمر اور وہ افشانِ انجم   تھی جس کے سبب روشنیِ دیدۂ مردم
وہ چہچہے رضواں کے وہ قدسیوں کا تبسم   آپس میں وہ ہنس ہنس کے فرشتوں کا تکلم
میکائیل شگفتہ ہوئے جاتے تھے خوشی سے
جبریل تو پھولوں نہ سماتے تھے خوشی سے

روشن تھا مدینہ کا ہر اک کوچہ و بازار   ہر راہ تھی خوشبو ہر محلہ تھا وہ گلزار
کھولے ہوئے تھا آئینے شب نازِ تا مار   معلوم یہ ہوتا تھا کہ پھولوں کا ہے انبار

گردوں کو بھی اک رشک تھا زینت پہ زمیں کی
ہر گھر میں ہوا آتی تھی فردوس بریں کی

کیا شب تھی وہ مسعود و ہمایوں و معظم ۔۔۔ تھا رُخ رحمتِ معبود کا جانبِ عالم
جبریلؑ و سرافیل کو مہلت تھی نہ اک دم ۔۔۔ بالائے زمیں آتے تھے اور جاتے تھے باہم
باشندوں کو یثرب کے خبر تھی نہ گھروں کی
سب سنتے تھے آواز فرشتوں کے پروں کی

ناگاہ درِ حجرہ ہوا مطلعِ انوار ۔۔۔ دکھلانے لگے نورِ تجلی در و دیوار
اسما نے علیؑ سے یہ کہا دوڑ کے اک بار ۔۔۔ فرزند مبارک تمہیں یا حیدرِ کرار
اسپند کرو فاطمہ کے ماہ جبیں پر
فرزند نہیں چاند یہ اترا ہے زمیں پر

دیکھا نہیں اس طرح کا چہرہ کبھی پیارا ۔۔۔ نقشہ ہے محمدؐ کا یہ شہنشاہ کا سارا
ماتھے پہ چمکتا ہے جلالت کا ستارا ۔۔۔ اللہ نے اس گھر میں عجب چاند اتارا
تصویرِ رسولِ عربیؐ دیکھ رہے ہیں
آنکھوں کی ہے گردش کہ نبیؐ دیکھ رہے ہیں

مژدہ یہ سنا احمدِ مختار نے جس دم ۔۔۔ پس شکر کے سجدے کو گرے قبلۂ عالم
آئے طرفِ خانۂ زہراؑ خوش و خرم ۔۔۔ فرمایا مبارک پسر اے ثانیٔ مریمؑ
چہرہ مجھے دکھلا دو مرے نورِ نظر کا
ٹکڑا ہے یہ فرزند محمدؐ کے جگر کا

کی عرض یہ اسما نے کہ اے خاصۂ داور ۔۔۔ نہلا لوں تو لے آؤں اسے حجرے سے باہر
ارشاد کیا احمدِ مختار نے ہنس کر ۔۔۔ لے آؤ نواسہ ہے مرا طاہر و اطہر
اس چاند کو تاجِ سرِ افلاک کیا ہے
یہ وہ ہے خدا نے جسے خود پاک کیا ہے

کیا اس سے ہیں اور مجھ سے یہ تو نہیں باہر   یہ نورِ الٰہی ہے یہ سب ہے طیب و طاہر
اسرار جو مخفی ہیں وہ اب ہوں گے ظاہر   یہ آیتِ ایماں ہے یہ ہے حجتِ باہر
بڑھ کر مددِ سیدِ لولاک کرے گا
کفار کے قصے کو یہی پاک کرے گا

جس دم یہ خبر مخبرِ صادق نے سنائی   اسماء اسے پارچۂ نرم پہ لائی
بو اس گلِ تازہ کی محمد نے جو پائی   ہنسنے لگے سُرخی رخِ پُرنور پہ آئی
منہ چاند سا دیکھا جو رسولِ عربی نے
چپٹا لیا چھاتی سے نواسے کو نبی نے

جاں آگئی یعقوب نے یوسف کو جو پایا   قرآں کی طرح رحل وہ زانو پہ بٹھایا
منہ ملنے لگے منہ سے بہت پیار جو آیا   بوسے لیے اور ہاتھوں کو آنکھوں سے لگایا
دل ہل گیا کی جو نظر سینہ و سر پر
چوما جو گلا چل گئی تلوار جگر پر

جوش آیا تھا رونے کا مگر تھام کے رقت   پس کان میں فرمائی اذاں اس میں اقامت
حیدر سے یہ فرمایا کہ اے شاہِ ولایت   دیکھو تم نے بھی دیکھی مرے فرزند کی صورت
پُرنور ہے گھر تم کو ملا ہے قمر ایسا
دنیا میں کسی نے نہیں پایا پسر ایسا

کیوں خُرد ہو پر تم سا پدر و فاطمہ سی ماں   وہ شمس و قمر کا ہے یہ اک نیّرِ تاباں
کی عرض یہ حیدر نے کہ اے قبلۂ ایماں   حق اس پہ رکھے سایۂ پیغمبرِ ذی شاں
اعلیٰ ہے وہ سب سے جو مقامِ شہِ دیں ہے
بندہ ہوں میں یہ بھی غلامِ شہِ دیں ہے

عالم میں ہے یہ سب برکت آپ کے دم سے   سرسبزی دنیا ہے اسی ابرِ کرم سے
تا عرش پہنچ جاتا ہے سر فیضِ قدم سے   عزت ہے غلاموں کی شہنشاہِ امم سے

کچھ اس میں نہ زہرا کا ہے باعث نہ علی کا
سب سے ہے یہ بندگی کہ نواسہ ہے نبی کا

فرمانے لگے ہنس کے شہِ یثرب و بطحا   جانی کہو فرزند کا کچھ نام بھی رکھا
کی عرض یہ حیدر نے کہ اے سیدِ والا   سبقت کروں حضرت پہ یہ مقدور ہے میرا!
فرمایا کہ موقوف ہے یہ ربِ علا پہ
میں بھی سبقت کر نہیں سکتا ہوں خدا پہ

بس اتنے میں نازل ہوئے جبریلِ خوش انجام   کی عرض کہ فرماتا ہے یہ خالقِ علام
پیارا ہے نہایت ہمیں زہرا کا گل اندام   یا ختمِ رسل ہم نے حسینؑ اس کا رکھا نام
یہ حسن میں سردارِ حسینانِ زمن ہے
مشتق تو ہے احسان سے تصغیرِ حسنؑ ہے

دو نور کے دریاؤں کو ہم نے کیا یکجا   تب اس سے اٹھا گوہرِ نایاب یہ پیدا
توقیر میں بے مثل شجاعت میں ہے یکتا   اب اور نہ ہوگا کوئی اس حسن کا لڑکا
ہم جانتے ہیں جو نہیں ظاہر ہے کسی پہ
کام اس سے جو لینا ہے وہ ہے ختم اسی پہ

فیاض نے کونین کی دولت اسے دی ہے   دی ہے جو علی کو وہ شجاعت اسے دی ہے
صبر اس کو عنایت کیا ہمت اسے دی ہے   اس سب کے سوا اپنی محبت اسے دی ہے
اعلیٰ ہے معظم ہے مکرم ہے ولی ہے
ہادی ہے وفادار ہے زاہد ہے سخی ہے

جب کر چکے ذکرِ کرم مالکِ تقدیر   جبریلؑ نے پاس ان کے دیکھا شہِ شبیر
کی صلِ علیٰ کہہ کے محمد سے یہ تقریر   یا شاہ یہ مولود تو ہے صاف آپ کی تصویر
جب کی ہے زیارت سرِ تسلیم جھکے ہیں
اس نور کو ہم عرش پہ بھی دیکھ چکے ہیں

مرثیہ : (۱)

شہادت جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام

خورشید حقیقت رخِ زیبائے علیؑ ہے — معراجِ امامت قدِ بالائے علیؑ ہے
ایمان جسے کہتے ہیں تولائے علیؑ ہے — اکسیر جو ہے خاکِ کفِ پائے علیؑ ہے
ہے نام رقم عرش پہ ہم نامِ خدا کا
کیا مرتبہ ہے زوجِ بتولِ عذرا کا

کہتے ہیں جسے عرش وہ ہے منزلِ حیدرؑ — خلوت گہِ خلاقِ جہاں ہے دلِ حیدرؑ
ہر حال میں ہے قدرتِ حق شاملِ حیدرؑ — ہے نورِ جنابِ احدی محفلِ حیدرؑ
وہ حجتِ خالق ہے چراغِ رہِ دیں ہے
پروانہ اسی شمع کا جبریلِ امیں ہے

وہ گل ہے کہ جس سے چمنِ دیں کی ہے رونق — معنیٔ کلامِ حق اسی سے ہیں محقق
شمشیر سے اس کی جگرِ کفر ہوا شق — ہے بعد محمدؐ کے علیؑ ہادیٔ برحق
اللہ رے شرف ختم ہے یہ رتبہ علیؑ پر
کعبے میں دھرا اس نے قدم دوشِ نبیؐ پر

بے فصل وہی بعد نبیؐ صدر نشیں ہے — انگشترِ پیغمبرِ خاتم کا نگیں ہے
گنجینۂ اسرارِ الٰہی کا امیں ہے — وہ کعبۂ دیں قبلۂ اربابِ یقیں ہے
کرتے ہیں ملک فخر کراماتِ علیؑ پر
ہے عرشِ معلّٰی کو شرف ذاتِ علیؑ پر

تحقیق کہ وہ شاہِ ولا عالمِ ازلی ہے — روشن ہے کہ شمعِ حرمِ لم یزلی ہے
قرآن سے ثابت ہے کہ خدا کا وہ ولی ہے — یہ اس کی بزرگی کے لیے نصِ جلی ہے

پوشیدہ نہیں مرتبہ ظاہر ہے علی کا
خارج ہے وہ ایماں سے جو منکر ہے علی کا
جو شہرِ علومِ شہِ لولاک کا ہے در   واللہ وہ حیدر ہے وہ حیدر ہے وہ حیدر
وہ قاتلِ عنتر ہے وہ ہے فاتحِ خیبر   قبضے میں اسی شاہ کے ہے تیغِ دو پیکر
حائل کبھی ہوتے نہ پہ کوہ رہِ اُن کے
اک دم میں گزر جاتے وہ طبقے سے زمیں کے
تھی ضرب یہ اور زورِ خدا داد تھا ایسا   جنبش ہوئی سب قلعے کو اور در کو گرایا
وہ انگلی سے حلقہ درِ خیبر کا جو کھینچا   حضرت نے اٹھا کر طرفِ دور کے پھینکا
چالیس گز اس طرح گیا دُور وہ جا کے
جس طرح کہ پتّا اُڑے جھونکے سے ہوا کے
خندق میں کیا وار سرِ عمرو پہ جس دم   آفت کی آئی تھی صدا چرخ سے پیہم
ضربِ اسدِ حق سے ہوا دم میں وہ بے دم   کرتا تھا مباہات خداوندِ دو عالم
سُرخی تھی خوشی سے رُخِ انور پہ نبی کے
جبریلِ امیں چومتے تھے ہاتھ علی کے
جس وقت اُحد میں ہوئے کفار صف آرا   اصحابِ نبی کر گئے دنیا سے کنارا
جب حضرت حمزہ کو ستمگاروں نے مارا   اسلام کا لشکر متفرق ہوا سارا
انصار و مہاجر سبھی اس وقت جُدا تھے
یا احمدِ مختار تھے یا شیرِ خُدا تھے
کفار کا زور تھا رسولِ عربی پر   منظور ہر اک شخص کو تھا خونِ پیمبر
تلوار لگاتا تھا کوئی اور کوئی پتھر   ٹوٹے وہ دنداں ہوئے پُرخوں لبِ اطہر
ہر حملے پہ للکار کے جا پڑتے تھے حیدر
احمد کو بچا لیتے تھے اور لڑتے تھے حیدر

وہ مشرقِ ایماں کا ہے خورشیدِ درخشاں   ہے نورِ علیؑ روشنیِ ایمنِ ایماں
اور رتبۂ احمدؐ کے لیے حجتِ برہاں   تھا طور پہ وہ راہبرِ موسیٔ عمراں
اعجازِ عصا و یدِ بیضا جو وہاں تھا
وہ دستِ یداللہ سے سرِ دست عیاں تھا
عالم پہ شرفِ بیتِ مقدس کا ہے مشہور   گر نور تھا کعبہ تو علیؑ نورِ علیٰ نور
بے شبہ ہے وہ مولدِ شہنشہِ جمہور   فرق اس میں نہیں کچھ یہ تجلی تھا وہ نور
اس سے انہیں رتبہ ہے اسے ان سے شرف ہے
یہ گوہرِ یکتا ہے یہ پاکیزہ صدف ہے
وہ جس نے اذاں کعبے میں دی پہلے بہ فصاحت   اللہ کے گھر میں ہوئی ہے جس کی ولادت
وہ حیدرِ صفدر ہے وہ ہے شاہِ ولایت   مصروفِ عبادت رہے تا روزِ شہادت
خود گرچہ گرفتار رہے رنج و بلا میں
بندے بہت آزاد کیے راہِ خدا میں
تھے زہد و ورع میں بھی وہ یکتائے دو عالم   فرصت نہ تھی قرآں کی تلاوت سے کوئی دم
تسبیح تھی تکبیر تھی تہلیل تھی پیہم   صائم وہ نہ ہوں ہوتا تھا ایسا کوئی دن کم
فاقوں میں بھی احسانِ الٰہی کا بیاں تھا
ہر ایک مہینا انہیں ماہِ رمضاں تھا
انساں سے بیاں ہو سکے کیا رتبۂ حیدرؑ   قرآں میں ثنا جس کی کرے خالقِ اکبر
تھا جمعے کا دن بیٹھے تھے مسجد میں پیمبرؐ   نازل ہوئے جو روحِ امیں کھولے ہوئے پر
اک بازو پہ تو نامِ شہنشاہِ اممؐ تھا
اور دوسرے پہ نامِ علیؑ صاف رقم تھا
سلمانؓ سے یہ فرماتے تھے سلطانِ رسالتؐ   کیا تجھ سے کہوں مرتبۂ شاہِ ولایت
ہے ذاتِ علیؑ روشنیٔ شمعِ ہدایت   اللہ نے کھولا ہے یہ دروازۂ جنت

اس در میں جب سے خلد میں وہ شمع کا گھر ہے
باہر ہے جو اس سے نہ اِدھر ہے نہ اُدھر ہے

اے مومنو کچھ تم نے سُنے رتبۂ سیّدہ   یہ لطفِ خدا جس پہ یہ الطافِ پیمبر
کیا بعدِ نبی ظلم و ستم ہو گئے اس پر   پُرسا بھی کسی نے نہ نبی کا دیا آکر
باطل کیا حق ظلم سے احمد کے وصی کا
آئے بھی تو دروازہ جلانے کو شقی کا

گرو ہوئے واللہ وہ ... سے کو چھوڑا   مائل بہ ضلالت ہوئے منہ دیں سے موڑا
جس جا پہ ادب سے تھے جبرئیل نے ہاتھوں کو جوڑا   افسوس کہ وہ در لگے ظلم سے توڑا
بی بی تھے وہ سب حق کی بیٹی جو نبی کی
جنت کی وہ وارث ہے رسولِ عربی کی

تھی حاملہ محسن کے جو مارا تو قیامت   پہلوئے مبارک پہ لگی چوٹ بشدت
غش آنے لگے اور نہ رہی رونے کی طاقت   بچے کی بھی زہرا کے شکم میں ہوئی رحلت
وہ سیدہ جس وقت تڑپتی تھی زمیں پر
سر پیٹتا تھا روحِ امیں عرشِ بریں پر

ہیہات نہ اس ظلم پہ بھی ہاتھ اٹھایا   کرتا یہ ستم باندھ کے زہرا پہ لگایا
مظلومہ نے اک آہ کی ایسی کہ غش آیا   آرام لحد میں بھی محمد نے نہ پایا
رسی تھی ادھر بندھی تھی گردن میں علی کی
مرقد میں ادھر روح تڑپتی تھی نبی کی

فرمایا جو تھا صبر کو شاہ دو سرا نے   دم مارا نہ اس ظلم پہ بھی شیرِ خدا نے
گردن میں بھی بندھوائی رسن عقدہ کشا نے   تلواریں بھی کھینچیں سرِ پُر ظلم اہلِ جفا نے
کس شخص نے دستِ ستم اس پہ نہ اٹھایا
اس صابر و شاکر نے مگر سر نہ اٹھایا

ہے دفترِ ایماں وہ دو عالم میں علیؑ فرد
آفاق میں حیدرؑ سا نہیں کوئی جواں مرد
ہے گرمیٔ بازارِ شجاعانِ جہاں سرد
دہشت سے اس کی رخِ خورشید ہوا زرد
شیروں کے جگر آب ہیں صمصامِ علیؑ سے
تھرّاتا ہے مریخ فلک نامِ علیؑ سے

بے اذن کوئی گھر میں کسی کے نہیں جاتا
بے پردہ ہوں ناموس تو کیا طیش ہے آتا
واللہ کہ یداللہ اگر ہاتھ اٹھاتا
تلوار کی تاب اس کی جہاں میں کوئی لاتا!
جو زیر کیا جس نے زبردستوں کو لڑ کے
طاقت تھی کسے جلتے اسے گھر سے پکڑ کے

اعدا یہ سمجھتے تھے یہ زنہار نہ سمجھے
کچھ مرتبۂ حیدرِ کرار نہ سمجھے
مختار کے گھر کا اسے مختار نہ سمجھے
افسوس کہ حقدار کو حقدار نہ سمجھے
کیا قہر ہے داماد نبیؐ پر یہ ستم ہو
ممکن ہے کہ تربت میں محمدؐ کو نہ غم ہو!

تھا ایک تو غم فاطمہؑ کو ہجرِ پدر کا
اور دوسرے اسقاط ہوا حمل پسر کا
حیدرؑ کو بھی لے گئے وارث جو تھا گھر کا
اس دن سے عجب حال تھا اس خستہ جگر کا
پھر اٹھ کے نہ صدمات سے باہر گئی زہراؑ
جس حجرے میں بیٹھی تھی وہیں مر گئی زہراؑ

اس ظلم و ستم پہ بھی نہ باز آئے ستمگر
چاہا کہ نہ دنیا میں رہے خویشِ پیمبرؐ
ماہِ رمضاں تھا کہ ہوا شور یہ گھر گھر
تلوار لگی سجدے میں زخمی ہوئے حیدرؑ
مسجد میں کسی نے اسد اللہ کو مارا
بے جرم دو عالم کے شہنشاہ کو مارا

قاتل کو اصحابِ علیؑ لائے پکڑ کر
مشکیں تھیں بندھی سر کو جھکائے تھا ستمگر
جس دم پڑی اس پہ نظرِ خویشِ پیمبرؐ
قاتل سے یہ فرمانے لگے حیدرِ صفدر

کیا میری خطا تھی جو ستایا ہے تو نے
کس جرم پہ یہ وار لگایا ہے تو نے

رونے لگا سر شرم سے نیہوڑا کے ستمگر
چاہا یہ حسنؑ نے کہ لگا دیں اسے تلوار
کیا رحم ہے فرمانے لگے حیدر کرار
مارو نہ اسے قید کرو اسے مرے دلدار

یہ چاہتے ہیں بندے ربّ کے سوا ہوں
تم کھول دو ہاتھ اس کے کہ ہم عقدہ کشا ہوں

باندھیں ہیں بندے اس کے ہے بے چین مرا دل
ہم وہ ہیں کہ حل کرتے ہیں سب خلق کی مشکل
دشمن نہیں مجھ سا کوئی پر ہے یہ میرا قاتل
دیجیے گا سزا اس کی کہ ہے خطا کا قابل

کی اس نے برائی تو ضرر کیا ہے ہمارا
دشمن پہ کریں رحم یہ شیوا ہے ہمارا

اے لال تمہیں قسم ہے مجھے ہیں نہ آنا
جب تک کہ یہ زندہ ہو نہ ہاتھ اس پہ اٹھانا
جس وقت ہوں میں عالم فانی سے روانہ
اک وار سے تم اس پہ زیادہ نہ لگانا

جو کھاتے ہیں ہم کھانا وہی پہنچائیو اس کو
پیاسا ہو تو پانی سے نہ ترسائیو اس کو

دشمن پہ بھی مولا کا یہ تھا لطف و مدارا
پیاسا رہے قاتل یہ تسلی کو نہ تھا گوارا
وہ لوگ تھے کیسے کرو انصاف خدارا
پیاسا جنہوں نے حضرت شبیرؑ کو مارا

قاتل پہ یہ احسان تھا جس حق کے ولی کا
پانی سے ترستا رہا فرزند اسی کا

قاتل کے لیے اللہ نے کھلوائے بند جہات
اور باندھے گئے کلثومؑ بندھے رسی میں ہیہات
باندھے ہوئے تھے بازوئے زینبؑ کو بھی ہیہات
فرماتے ہیں یہ سید سجادؑ خوش اوقات

ظالم ہمیں دربار میں جب لے کے چلے تھے
اک رسی تھی اور بارہ اسیروں کے گلے تھے

القصہ یہ فرزندوں سے جب کر چکے حیدرؑ رونے لگے بابا سے وہ شہزادے لپٹ کر
چاہا کہ اٹھیں اٹھ نہ سکے فاتح خیبر بیٹوں سے کہا باندھو عمامہ مرے سر پر
جاں زینبؑ و کلثومؑ کی ہر دو کی پدر میں
مسجد سے اٹھا کر مجھے اب لے چلو گھر میں

روتے ہوئے سبطین نبیؐ باپ کو لائے سر پیٹتے ناموسِ محمدؐ نکل آئے
زینبؑ نے کہا ہائے پدر خوں میں نہائے نانا نہیں زینبؑ یہ ستم کس کو دکھائے
برباد ہوئیں بیٹیاں بھی بیٹے بھی گھر بھی
بن ماں کے تو تھی چھوڑ چلے ہائے پدر بھی

دو دن رہا اس سیدِ عالم کا یہ عالم رُخ زرد تھا لب خشک تھے غش آتے تھے پیہم
سرتا بہ قدم پھیل گیا تھا اثرِ سم گھٹتی تھی جو طاقت تو ورم بڑھتا تھا ہر دم
آئی جو شبِ بست و یکم مر گئے حیدرؑ
غل پڑ گیا دنیا سے سفر کر گئے حیدرؑ

ہاں اہلِ عزا روؤ کہ یہ وقتِ بکا ہے حیدرؑ کہ محمدؐ کا وصی قتل ہوا ہے
ہادی جو تمہارا ہے وہ دنیا سے اٹھا ہے دن آج کا سچ ہو تو قیامت سے سوا ہے
اک شور ہے ماتم کا بپا گھر میں نبیؐ کے
بیٹے لیے جاتے ہیں جنازے کو علیؑ کے

مرثیہ: (۲)

خاتونِ جنت حضرت فاطمہ زہراؑ اور ثانیِ زہرا حضرت زینبؑ کی توصیف
اور حضرت زینبؑ کی اپنے بیٹوں کو امامِ عالی مقامؑ پر فدا ہونے کی تاکید
عونؑ و محمدؑ کی شہادت

کیا پیشِ خدا صاحبِ توقیر ہے زہراؑ　　خاتونِ جناں، صاحبِ تطہیر ہے زہراؑ
ام الحسنؑ و مادرِ شبیرؑ ہے زہراؑ　　سرتا بہ قدم نور کی تصویر ہے زہراؑ
شوہر کو جو پوچھو تو شہنشاہِ عرب ہے
بیٹی ہے نبیؐ کی یہ عجب ہے یہ نسب ہے

حقا کہ شرافت میں وہ مریمؑ سے سوا ہے　　زینت کے لیے عرش پہ نام اس کا لکھا ہے
بابا کا یہ رتبہ ہے کہ محبوبِ خدا ہے　　وارث وہ ہے سب خلق کا جو عقدہ کشا ہے
بچے ہیں وہ دونوں کہ شفیعِ دو جہاں ہیں
اس طرح کے رتبے کسی بی بی کے کہاں ہیں

اوصاف میں سب خلق اگر ایک زباں ہو　　زہراؑ کی جو مدحت نہ بیاں ہو نہ بیاں ہو
گر چاہیں کہ عصمت کا کچھ احوال عیاں ہو　　تو شاہدِ مضموں پسِ پردہ ہی نہاں ہو
جس طرح کہ حیراں ہیں بشر حمدِ خدا میں
عاجز ہیں اسی طرح سے زہراؑ کی ثنا میں

تشریح میں طاقت کہ یہ گلزارِ ارم ہے　　تعریف جو کچھ ذہن میں آتی ہے وہ کم ہے
اک نورِ الٰہی کی ثنا بس کہ اہم ہے　　سجادۂ قرطاس پہ سجدے میں قلم ہے
توصیف نہ خامے سے ہے ممکن نہ زباں سے
رتبہ ہے فزوں ہے زیادہ ہے بیاں سے

ماں باپ پہ واجب نہیں اولاد کی تکریم　　اس امر میں سب خلق پہ زہراؑ کو ہے تقدیم
لکھا ہے کہ جب آتی تھیں زہراؑ پئے تسلیم　　خود اٹھ کے رسولِ عربیؐ کرتے تھے تعظیم

الطاف محمد ہوئے جس باب کرم پر
دروازہ لگا دیں اسی بی بی کے شکم پر

کیا حضرت خاتون قیامت کا ہے رتبا — وہ نادرہ ہے فخر محمد کو ہے جس کا
کھاتے ہیں محمد قسم حضرت زہرا — ہے دامن پاک اس کا محمد کا مصلا
وہ سورے طاہر ہے تو پاکیزہ ہے جل سے
کوثر سے وضو کرکے تو لے نام زباں سے

آفاق میں زہرا کا نہیں ہے کوئی ہمسر — زوجہ اسد اللہ کی اور بنت پیمبر
حوا کا شرف زیر خدا عرش کا زیور — قرآں میں جسے یاد کرے خالق اکبر
ثانی کوئی زہرا کا نہ ہوگا نہ ہوا ہے
ہاں حضرت زینب کو جو کہیے تو بجا ہے

ماں کی بیٹی وہ عزت ہے جو زہرا کی ہے توقیر — سادی وہی سیرت وہی صورت وہی تقریر
لخت جگر شیر خدا صاحب تطہیر — مقدور عالم خیر کونین کی ہمشیر
ممتاز کیا حق نے نواسی کو نبی کی
عصمت تھی جو زہرا کی تو شوکت تھی علی کی

فاقوں میں شکایت نہ کبھی لب تلک آئی — سو شکر کیے نان جویں ایک جو کھائی
تھی آسیہ کا فخر ید اللہ کی جائی — فضہ کی جگہ کرتی تھی خود آسیہ سائی
جو پاس تھا صرف کیا راہ خدا میں
زہرا کی طرح ہاتھ نے تھے جو ردا میں

بابا ہے ید اللہ تو نانا شہ لولاک — جن کے لیے پیدا کیے اللہ نے افلاک
مادر کا شرف جانتے ہیں صاحب ادراک — اس رشتے میں ہیں حضرت زینب گہر پاک
ذی رتبہ خدیجہ ہو کبھی زہرا کے شرف سے
ہر طرح فضیلت ہے انہیں ماں کی طرف سے

اک صبح لب بام پس از طاعت داور — امت کی دعا مانگتی تھیں کھولے ہوئے سر
جب تک کہ نہ چہرے پہ پیا گوشۂ چادر — خورشید فلک شرم سے نکلا نہ فلک پر
اعدا نے جو تاراج کیا گھر کو نبیؐ کے
سر ننگے پھریں بعد حسینؑ ابن علیؑ کے

ماں باپ نے جو رنج و الم خلق میں پائے — سب زینبؑ غمدیدہ کے حصے میں در آئے
فاقے بھی کئے میوۂ فردوس بھی کھائے — عزت بھی ملی اور مصائب بھی اٹھائے
عقدہ تھا چلن فاتح خیبر کے چلن سے
بازو نہیں باندھے گئے باندھ جو رسن سے

مشہور ہے شیدائے برادر وہ خوش اوقات — بے مرضی شبیرؑ نہ کرتی تھی کوئی بات
فرزندوں پہ طفلی سے یہ تاکید تھی دن رات — ماموں کی غلامی میں رہو جوڑے ہوئے ہات
صدقے گئی خادم ہیں ملک سبط نبیؐ کے
تم یہ نہ سمجھیو کہ نواسے ہیں علیؑ کے

محبوب الٰہی کے برابر انہیں سمجھو — ہم مرتبۂ حیدر صفدر انہیں سمجھو
صدقے گئی سب خلق سے بہتر انہیں سمجھو — آقا انہیں مالک انہیں سرور انہیں سمجھو
فرزندوں کو ماں باپ سے کیا ملتا ہے پیارو
ایسوں ہی کے ملنے سے خدا ملتا ہے پیارو

سر ماموں کے قدموں پہ جھکانے میں شرف ہے — نعلین کو آنکھوں سے لگانے میں شرف ہے
رومال کھڑے ہو کے ہلانے میں شرف ہے — خادم کی طرح ہاتھ دھلانے میں شرف ہے
تسلیم کو جھکنا بھی عبادت کے برابر
آقا کی اطاعت بھی ہے طاعت کے برابر

جنگ و شہادت عونؑ و محمدؑ پسرانِ حضرت زینبؑ

مارے گئے مولا کے جو انصار وہ دونوں   تب حضرت مسلم کے یتیموں نے رضا لی
جس دم وہ چلے رونے لگے سب یدِ عالی   اک حملے میں دونوں نے پرے کر دیے خالی
تھا غلغلۂ دار و بگیر اہلِ ستم میں
برپا تھا تلاطم حرمِ شاہِ زمن میں

بے تابی سے تھا حضرتِ زینبؑ کا عجب حال   تسبیح تو تھی ہاتھ میں بکھرا دیے تھے بال
رعشہ تھا تنِ زار میں خورشید کے تمثال   حق سے یہ دعا تھی کہ بچے فاطمہؑ کا لال
لب خشک تھے رخ زرد پسینہ تھا جبیں پر
چادر سرِ اطہر کی ڈھلکتی تھی زمیں پر

پھرتی تھی کبھی صحن میں کرتی ہوئی نالے   در پر کبھی جاتی تھی کلیجے کو سنبھالے
تلواریں چمکتی تھیں نظر آتے تھے بھالے   کہتی تھی کہ یارب مرے بھائی کو بچا لے
زینبؑ پہ ستم ہو شہِ دلگیر کے بدلے
فرزندوں کو دیتی ہوں میں شبیرؑ کے صدقے

اتنے میں خبر آکے جو فضہ نے سنائی   وہ ہوتی ہے مسلم کے یتیموں سے جدائی
یہ سنتے ہی زردی سی رخِ پاک پہ چھائی   فرمایا نصیحت مرے بچوں نے بھلائی
میں سمجھی تھی اعدا سے وغا کرتے ہیں دونوں
کس کھیل میں مصروف ہیں کیا کرتے ہیں دونوں

ماموں پہ یہ آفت ہے انہیں کچھ نہیں دھیان   اب صدقے نہ ہوں گے تو کب ہوں گے قربان
بن باپ کے بچے تو سدھارے ہوئے میدان   ہشیار ہیں عاقل ہیں کچھ ایسے نہیں نادان
شب تک تو وہ مرنے کی قسم کھاتے تھے مجھ سے
ہاں دو دو انہیں باتوں پہ بگڑ لے تھے مجھ سے!

وہ کیا تھا جو دونوں یہ کیا کرتے تھے تقریر　　ہو جائیں گے ہم پہلے نثارِ سرِ شبیر
اب کیا ہے جو مر جانے میں کرتے ہیں وہ تاخیر　　شرمندہ ہوئی جاتی ہے بے چاری تقدیر
وہ جانے نہ دیتے تھے اگر فوجِ ستم پر
کیوں گر نہ پڑے دوڑ کے ماموں کے قدم پر

اچھا کیا جو کچھ کہ سبب مرنے کا نہ جائیں　　پر کوئی یہ کہہ آئے کہ اب گھر میں نہ آئیں
کیا کام ہے مجھ سے اب مجھے صورت نہ دکھائیں　　مادر کی ملاقات سے بس ہاتھ اٹھائیں
پھر جائیں وطن چھوڑ کے مجھ خستہ جگر کو
ماں مر گئی آباد کریں باپ کے گھر کو

یہ کہتی تھیں جو شور ہوا فوج میں اک بار　　گرنے لگے تلواروں سے کٹ کٹ کے جی دار
پھر جا کے خبر لائی یہ فضّہ جگر افگار　　بڑھتے ہیں بھتیجوں کے لیے سیدِ ابرار
سب خورد و کلاں فوج کے نرغے میں گھرے ہیں
زینب کے پسر ماموں کے قدموں پہ گرے ہیں

فرماتے ہیں شبیر کہ خیمے میں تو جاؤ　　قدموں سے اٹھو سر مری چھاتی سے لگاؤ
یہ داغ بھی سر لیں گے تم آنسو نہ بہاؤ　　منظور جدائی ہے تو مادر سے مل آؤ
وہ کہتے ہیں منہ ان کو دکھانے کے نہیں ہم
اماں ہیں خفا خیمے میں جانے کے نہیں ہم

یہ سنتے ہی بشاش ہوئی زینبِ ذی جاہ　　فرمایا مبارک ہو سعادت بڑھے جنگاہ
امید بر آئی مری الحمدللہ　　وہ صابر ہوا اب مرنے کو جاتے ہیں مرے ماہ
رخصت ہی نہ ملتی تھی تامل یہ فقط تھا
سمجھی تھی جو کچھ میں وہ گماں میرا غلط تھا

دونوں نہیں پسر ماموں کے قدموں سے اٹھاتے　　ہیں آخری وقت اور مجھے پیار دلاتے
ملتی جو اجازت تو گلے سینے لگاتے　　کیا صاحبِ غیرت ہیں کہ مجھ تک نہیں آتے

کھٹکا ہے کہ بچوں کے لیے روئیں گی اماں
ہم جائیں گے زندہ تو خفا ہوئیں گی اماں

حضرت نے بلایا تو وہ میدان سے آئے　　دیکھا انھیں ماں نے کہ سروں کو ہیں جھکائے
چھاتی سے لگانے کے لیے ہاتھ بڑھائے　　وہ جھک کے ہاتھوں کو کبھی لب پہ لائے
ہم دیر سے رخصت کے طلبگار تھے اماں
تقصیر ہماری نہیں لاچار تھے اماں

فرزندوں کے اس عجز پہ رقت کا ہوا جوش　　چھاتی امنڈ آئی تھی مگر رہ گئی خاموش
لپٹا لیا چھاتی سے انھیں کھول کے آغوش　　فرمایا میں آزردہ نہیں کھوئے ہو کیوں ہوش
جی بھر کے منہ دیکھا تھا سو دیکھا تمہیں میں نے
پہلے سے ہو تو دودھ بھی بخشا تمہیں میں نے

مرنے کو چلے جان نہ کی ماں سے پیاری　　آؤ مجھے قربان تو ہو لینے دو واری
گئی آگے تو ماں کہ صدقے ہوں تمہاری　　مادر سے یہ کہنے لگے با گریہ و زاری
افراطِ محبت سے یہ گفتار نہ کیجیے
ناچیز غلاموں کو گنہگار نہ کیجیے

جھک جھک کے بجا لائے جو وہ آخری آداب　　اس وقت تو زینب کی بھی آنکھیں ہوئیں پُرآب
دروازے تلک ساتھ گئی مضطر و بیتاب　　گھوڑوں پہ چڑھے دونوں لیے جنگ کے اسباب
چلائی یہ مادر کہ خدا حافظ و ناصر
بولے وہ کہ مادر کو خدا حافظ و ناصر

جنگاہ میں گھوڑوں کو اڑاتے ہوئے آئے　　شان اپنی سواری کی دکھاتے ہوئے آئے
نیزوں کو دلیرانہ ہلاتے ہوئے آئے　　ایمان سوئے کفر بتاتے ہوئے آئے
لرزہ تھا شجاعوں کو دلیروں کی نظر سے
ہٹتے تھے صف فوج کو شیروں کی نظر سے

وہ شیر چلے جاتے تھے اس فوج کو روندے — کیا منہ تھا کہ دم مارے کوئی یا کوئی بولے
سب پیچھے ہٹے جاتے تھے تلواروں کو تولے — سدھ تھی نہ کسی کو کہ سپر پشت سے کھولے
غالب ہوا رعب ان کا ہر اک تیغ بکف پر
جس صف پہ گرے یہ وہ گری دوسری صف پر

بھاگڑ تھی سواروں میں پسے جاتے تھے پیدل — تلواروں سے پھٹ پھٹ گیا تھا ڈھالوں کا بادل
جس غول پہ وہ شیر چلے پڑ گئی ہل چل — مُغلی تھی ہر حملے میں رہواروں کی چل بل
بجلی کی تڑپ فوج میں دکھلاتے تھے دونوں
ہر غول پہ پرکار سے پھر جاتے تھے دونوں

تلواروں سے پڑتے تھیں یہ کاوے کہ اماں لیں — سب کہتے تھے خود سنبھلیں کہ ہتھیار سنبھالیں
ناگن کی طرح ڈستی ہیں ان نیزوں کی بھالیں — فرصت نہیں ترکش سے جو تیروں کو نکالیں
بھاگیں تو کسی گوشے میں جانا نہیں ملتا
سواروں سے چلتوں کو ٹلانا نہیں ملتا

ہاتھوں سے شجاعوں کے گرے پڑتے تھے ہتھیار — دانتوں میں تو لیتے تھے سپر ہاتھ میں تلوار
لشکر میں جو جاتے تھے شہسوارِ آفاق کا انداز — جو دیکھتے تھے تیروں کا نشانہ وہ خطا کار
دہشت تھا سراپا کو تو لغزش تھی نظر کو
پلکوں تو ادھر کھنچتے تھے شہوار ادھر کو

جب آن پڑی برچھیوں والوں سے لڑائی — چھوٹے نے کہا آپ ٹھہر جائیے بھائی
تنہا ہمیں دکھلا دیں انہیں ہاتھوں کی صفائی — یہ کہتے ہی راہوار کی باگ اس نے اٹھائی
کثرت سپہ شام کی کم کر کے پھر آیا
یک حملے میں سر کتنے قلم کر کے پھر آیا

دم لیتا تھا جب ایک جراروں کو بھگا کر — تب دوسرا گرتا تھا کمانداروں پہ جا کر
پھر آتا تھا جب وہ انہیں پیچھے ہٹا کر — جاتا تھا پیادوں پہ یہ گھوڑے کو اٹھا کر

اسواروں سے ہمت کی عناں چھوٹ گئی تھی
کیا ڈرتے کہ لشکر کی کمر ٹوٹ گئی تھی

عباسؑ صدا دیتے تھے ہاں اے مرے شبیرو ؎ قابو سے نکل جانے نہ دو پھر انھیں گھیرو
ڈرتے ہو عجب شان سے شاباش دلیرو ؎ سر کر دو لڑائی تو ادھر گھوڑوں کو پھیرو
اس جنگ کی خیمے میں بڑی دھوم پڑی ہے
ماں ڈیوڑھی پہ بھائی سے لگانے کو کھڑی ہے

عباسؑ علمدار تو کرتے تھے یہ تقریر ؎ روتے تھے کلیجے کو سنبھالے ہوئے شبیرؑ
فرماتے تھے کچھ مجھ کو بن آتی نہیں تدبیر ؎ میداں سے بلاؤں تو خفا ہوویں گی ہمشیر
کیا صاحب شمشیر جدا ہوتے ہیں مجھ سے
پالے ہوئے دو شیر جدا ہوتے ہیں مجھ سے

تھے مضطر و بیتاب ادھر حضرت شبیرؑ ؎ اور بیبیاں دروازوں پہ تھیں مضطر و دلگیر
سر کھولے تھی قبلے کی طرف شاہ کی ہمشیر ؎ ہاتھوں کو دھرے ہاتھوں پہ کرتی تھی یہ تقریر
یا رب کبھی اصغر و اکبر نہ جدا ہوں
یا رب مرے بچے مرے بھائی پہ فدا ہوں

تلواروں سے مجروح ہوں یا برچھیاں کھائیں ؎ ممکن نہیں جیتے جو وہ میدان سے آئیں
اس دم مرا دل دیتا ہے دونوں کو دعائیں ؎ لے آئے کوئی پھر کے مرے ہاتھوں کی بلائیں
ڈیوڑھی سے صدا ان کو سنانے کی نہیں ہیں
چاہیں گے بلاؤں سو بلانے کی نہیں ہیں

یہ ذکر تھا جو شور اٹھا دشت وغا سے ؎ وہ قتل ہوئے شیر الٰہی کے نواسے
کیا چاند جوانوں پہ برچھیاں ماری ہیں دغا سے ؎ وہ لوٹتے ہیں خاک پہ دو دن کے پیاسے
دیکھے انھیں کہہ دے کوئی حضرت کی بہن سے
چھوٹی سی زبانیں نکل آتی ہیں دہن سے

ان شیروں نے لشکر کے نموداروں کو مارا   کیا کیا پسر سعد کے شمشیر گزاروں کو مارا
پامال پیادے کئے اسواروں کو مارا   ساونتوں کو پسپا کیا جراروں کو مارا
آئے تھے حمایت کو حسینؑ ابن علیؑ کی
ان چھوٹے سے ہاتھوں سے بڑی تیغ زنی کی

ہاں اسلحہ کو دونوں کے اسے لوٹ کے دو   پنجے ان دونوں کے قبضوں سے چھڑاؤ
پٹکوں کی گرہ کاٹ کے ہتھیار نکالو   ان چھوٹے سے شخصوں کو سرہانے سے اٹھاؤ
اب کھینچے ہوئے تیغ دو دم آئیں گے شبیرؑ
سر تیغ سے ان لاشوں کو لے جائیں گے شبیرؑ

یہ سنتے ہی عباسؑ کو شبیرؑ پکارے   دوڑو کہ مرے بھانجے دنیا سے سدھارے
زینبؑ نے کہا شور ہے دریا کے کنارے   وہ گر مرے فرزندوں نے سر راہوں پہ وارے
الطاف و کرم دونوں پہ فرماتے ہیں شبیرؑ
لاشوں کو اٹھانے کے لیے جاتے ہیں شبیرؑ

فضہ گئی اور پلٹی میدان سے آئی   رو کر یہ خبر زینبؑ بیکس کو سنائی
حیدرؑ کے نواسوں نے تو جان اپنی گنوائی   اب ہوتی ہے لاشوں کے اٹھانے پہ لڑائی
باندھے ہیں صفیں شاہ کو آنے نہیں دیتے
معصوموں کے مُردے بھی اٹھانے نہیں دیتے

شبیرؑ بھی کھینچے ہوئے تلوار کھڑے ہیں   بپھرے ہوئے عباسؑ علمدار کھڑے ہیں
ہم شکل نبیؐ لڑنے کو تیار کھڑے ہیں   قاسمؑ بھی سنبھالے ہوئے ہتھیار کھڑے ہیں
یہ کہتے ہیں جس طرح سے ہوگے ابھی لیں گے
وہ کہتے ہیں سر دیں گے پر لاشوں کو نہ دیں گے

یہ سنتے ہی خیمے میں تلاطم ہوا اک بار   در پہ گئی تھرّاتی ہوئی زینبؑ ناچار
چلائی بہن صدقے ہو بھیا سید ابرار   پھر آؤ مجھے بیٹوں کی لاشیں نہیں درکار

زخمی ہوئے آپ تو مر جاؤں گی بھائی
سر پیٹتی خیمے سے نکل آؤں گی بھائی
تم کو علی اکبر کی قسم خیمے میں آؤ — لاشے جو اٹھانے نہیں دیتے تو اٹھاؤ
صدقے گئی بیٹے سے مجھے تم شکل دکھاؤ — میداں سے بھتیجوں کو مرے پھیر کے لاؤ
کس واسطے حضرت چلے آتے نہیں گھر میں
جو دیتے ہیں صدقہ اسے لاتے نہیں گھر میں
معلوم ہوا مارے گئے برچھیاں کھا کر — بچتے نہیں جو ماں سے لپٹ جائیں گے آکر
میں ان کو نہ رکھ چھوڑتی چھاتی سے لگا کر — آتے جو مرے پاس تو سوتے وہیں جا کر
غش میں ہوا نہیں سرشار نہ دیکھا تو نہ دیکھا
گر اصغری دیدار نہ دیکھا تو نہ دیکھا
میں بیٹوں کے دیدار کی طالب نہیں زنہار — صدقے کروں حضرت پہ جو سو ایسے ہوں دلدار
تم چار جواں اور ادھر لاکھ ستمگار — ہم شکل پیمبر سے کہو کھینچیں نہ تلوار
منہ سے کہیں بانو کے خجالت نہ ہو مجھ کو
خاتون قیامت سے ندامت نہ ہو مجھ کو
چلا کے یہ بانو علی اکبر کو پکاری — بے لاشے لیے رن سے نہ تم آئیو واری
جی بھر کے جو کرنے کی نہیں گریہ و زاری — مرجائیں گی صدمے سے پھوپھی جان تمہاری
پامال ہوں لاشیں یہ گوارا تمہیں کب ہے
ماں بیٹوں کا دیدار نہ دیکھے تو غضب ہے
شانوں کے جو لاشے سے کلیجہ تہ و بالا — منہ پیٹ کے گھبرا کے سکینہ نے نکالا
آنکھوں سے بہے اشک جگر دل کو سنبھالا — ملاں کو لیے آتے ہیں لاشے شہ والا
اک لاش کو وہ آپ جو عباس لیے ہیں
اک لاش کو آغوش میں عباس لیے ہیں

زینب کو لیے بیبیاں گھر میں گئیں باہم　　سر کھول دیے سب نے بچھا کر صفِ ماتم
داخل ہوئے لاشوں کو لیے سرورِ عالمؑ　　غل پڑ گیا جس دم کہ لاشے ہوئے بے دم
حیران تھی کچھ منہ سے نہ کہہ سکتی تھی زینب
سب روتے تھے ایک ایک کا منہ تکتی تھی زینب

کہتی تھی کہ مجھ کو نہیں کیسی ہے یہ فریاد　　تم سب کو ہے کس بات کا غم میں تو ہوئی شاد
اکبر سے پسر اصغر سے بیٹے جیتا رہے سجادؑ　　گھر میں نہ ہوئی تو نہ ہوئی ایک مری اولاد
سب مل کے عبث ہوش مرے کھوتے ہو لوگو
بھائی تو ہیں پھر خیمے میں کیوں روتے ہو لوگو

سر کھولے ہوئے ہیں کیوں سب بچے آ کے اداس　　چپ چپ نہ کرو بھائی کو آنے دو مرے پاس
اکبر سا پسر چھٹ گیا میں تو نہیں بے آس　　قاسم تو سلامت ہیں جو بیٹوں سے ہوئی یاس
منہ ڈھانپتے ہو کیوں یہ کوئی رونے کی جا ہے
ماموں پہ یہ صدقے ہوئے خوش ہونے کی جا ہے

کہنے کو کہا پر آنسو نکل آئے　　سب بیبیوں نے پیٹ کے سر اپنے جھکائے
لاشے وہیں لا کر شہِ بیکس نے لٹائے　　زینب کے قریں بیٹھ گئے سر کو جھکائے
تعظیم کو اٹھتے ہوئے گرنے لگی زینب
گھبرا کے پسرِ شہ سے بچھڑنے لگی زینب

رونے لگی زینب سے لپٹ کر شہِ دلگیر　　فرمایا کہ میں تجھ پہ فدا اے مری ہمشیر
لاشوں کو کرو پیار جو ہے خاطرِ شبیرؑ　　اک دم میں چلے جائیں گے یہ کشتۂ شمشیر
ان لاشوں کو لو گود میں اپنی کہ ہو ماں تم
پھر بیٹوں کا دیدار کہاں اور کہاں تم

مرثیہ (۳)

امام حسین علیہ السلام کا مدینے کا سفر ورودِ کربلا و واقعاتِ شہادت

جس دم یزید شام میں مسند نشیں ہوا — سب ملک روسیاہ کے زیرِ نگیں ہوا
شبیرؑ سے زیادہ اسے بغض و کیں ہوا — ایذائے اہلبیت کے درپے لعیں ہوا
کہتا تھا سلطنت کا تو ساماں درست ہے
سختی نہ ان پہ ہو تو ریاست یہ سست ہے

خط حاکمِ مدینہ کو لکھا بہ صد شد و مد — مضموں یہ تھا کہ تب ہے اطاعت تری سند
بیعت مری حسینؑ سے لے تو بہ صد کد — یہ فوج بھیجتا ہوں کرے گی تری مدد
بیعت کریں تو جلد ادھر بھیج دیجیو
راضی نہ ہوں تو کاٹ کے سر بھیج دیجیو

پہنچا اسے مدینے میں جب نامۂ یزید — پڑھ کر وہ خط بہت متردد ہوا ولید
دل میں کہا یہ ظلم تو ہے عقل سے بعید — میں فاطمہؑ کے لال کو کیونکر کروں شہید
دولتِ سلطنت بھی نہیں بے قصور ہے
ایسے گنہ کش پہ ستم کیا ضرور ہے

آخر کسی کو بھیج کے شہ کو کیا طلب — بھائی بھتیجے شاہ کے حاضر تھے جب سب
فرمایا اس سے جا کہ میں آؤں گا وقتِ شب — معلوم ہے مجھے جو بلانے کا ہے سبب
سب جانتے ہیں بیعتِ فاسق حرام ہے
اس کی طلب نہیں یہ اجل کا پیام ہے

گھبرا گئے یہ سن کے عزیز و رفیق و یار — قاسمؑ نے رکھ لی سامنے شمشیرِ آبدار
اکبرؑ نے بھی طلب کیا اسبابِ کارزار — تنے کمالِ غیظ میں عباسؑ نامدار

کہہ کر یہ بات صورتِ شیر اُٹھ کھڑے ہوئے
حاکم کے گھر نہ جائیں گے ہم بے ڈرے ہوئے

زینب کے مہ لقا بیٹوں کو بس دم رہی نہ تاب — جا کر حرم سرا میں کہا باصد اضطراب
حاکم کے گھر میں جاتے ہیں شاہِ فلک جناب — اماں ہمارے تیغچے لا دیجیے شتاب
بگڑے گی گر تو خون کے دریا بہائیں گے
کام آج بھی نہ آئے تو کس کام آئیں گے

سن کر سخن یہ ہو گیا زینب کا رنگ زرد — آنسو بھر آئے آنکھوں میں اٹھا جگر میں درد
بولی کلیجہ تھام کے اور بھر کے آہِ سرد — کیا واقعہ درپیش ہے آمادۂ نبرد!
ایسی مسلّی کے لال سے تقصیر کیا ہوئی
کیا جرم کیا گناہ ہوا کب خطا ہوئی

ہے ملک سے غرض نہ دولت حشمت و جاہ ہے — قبضے میں سب کے خدا ہے اور سب سپاہ ہے
لوگوں سے رابطہ ہے نہ غیروں سے راہ ہے — جائے نشست قبرِ رسالت پناہ ہے
ناحق یہ ظلم، حق سے نہیں لوگ ڈرتے ہیں
جنگل میں جس غریب پہ فاقے گزرتے ہیں

نانا ہیں جس کے سر پہ نہ حیدر ہیں نے حسنؑ — صدقے غریب بھائی پہ ہو جائے یہ بہن
زندہ ہے جب تلک تو جیتے ہیں یہ خستہ تن — رہنے ہو دشمنوں کی تو ہم چھوڑ دیں وطن
گر پل ملے کا چین نہ زہرا کی جائی کو
جنگل میں جا بسے گی بہن لے کے بھائی کو

بھائی کو میرے پاس بلاؤ کشمکش میں ہے حال — کیا بات ہے جو خاطرِ اقدس پہ ہے ملال
تنہا چلا نہ جائے کہیں فاطمہ کا لال — بھائی پہ کچھ بنے گی تو کھولوں گی سر کے بال
شاید دغا ہو جنگ کا ساماں کیے چلیں
حاکم کے گھر میں ساتھ مجھے بھی لیے چلیں

زینب یہ کہہ رہی تھیں کہ آئے امام دیں منہ دیکھ کے شہ کا رونے لگیں زینبِ حزیں
فرمایا شہ نے روتی ہو کیوں خوف کچھ نہیں حاکم کے گھر میں جائے گا حیدر کا جانشیں
وہ اور ہے بہن تمہیں جس کا خیال ہے
یاں مجھ پہ ہاتھ اٹھائے کوئی کیا مجال ہے

سمجھا چکے بہن کو جو حضرت بچشمِ تر باندھی شہِ نجف کے کمر بند سے کمر
ڈالا عبائے پاک محمد کو دوش پر لے کر عصا نبی کا چلے شاہِ بحر و بر
یوں ساتھ تھے عزیز شہِ کم سپاہ کے
جیسے ستارے چرخ پہ ہوں گرد ماہ کے

اس دم کمال حضرت زینب تھیں بے قرار بیت الشرف سے جاتی تھیں ڈیوڑھی پہ بار بار
عباس سے بلا کے کہا اے وفا شعار بھائی کو چھوڑیو نہ اکیلا بہن نثار
حاکم سے ہم سخن جو شہِ خوش خصال ہوں
تم اک طرف ہو ایک طرف میرے لال ہوں

یہ بات کہہ کے رونے لگی وہ جگر کباب چالیس شخص لے کے چلا ابنِ بوتراب
جو دیکھتا تھا شانِ امامِ فلک جناب کہتا تھا وہ کہ رات کو نکلا ہے آفتاب
رستے میں شب کو حسنِ نبی کا ظہور تھا
افلاک تک زمیں کے ستاروں کا نور تھا

حاکم کے در پہ پہنچے تو کہنے لگے امام تم سب رہو یہیں کہ نہیں واں تمہارا کام
پر جب کروں پکار کے حاکم سے میں کلام در توڑ آئیو کہ مدد کا ہے وہ مقام
گھبرائے اتنا کیوں ہو کہ میں بے قصور ہوں
نے تم ہو مجھ سے دور نہ میں تم سے دور ہوں

پاسِ ادب سے کہہ نہ سکے کچھ رفیق و یار جھکے یہ ہاتھ جوڑ کے عباسِ نامدار
دل کو غلام کے نہیں آئے گا یاں قرار سائے کی طرح ساتھ نہ چھوڑے گا جاں نثار

شاید وہ پہنچے یاں تلک آواز دُور کی
کھٹکیں یہ رہے گا یہ خدام حضور کی

سمجھا کے بھائی کو گئے حاکم کے پاس شاہ — اس نے کہا سعادت سے لی عدم کی راہ
پڑھیے خطِ یزید کو اے شاہِ دیں پناہ — پڑھ کر وہ خط امام نے کھینچی جگر سے آہ
فرمایا سر کٹے تو کٹے کچھ الم نہیں
وابستہ دیں ہیں ہاتھ سے عزت وہ ہم نہیں

ہم ہیں ستونِ دین و نشانِ رہِ بہشتیں — خالق نے اپنے راز کا ہم کو کیا امیں
واللہ ہم ہیں وارثِ سرورِ مرسلیں — روشن ہمارے نورِ امامت سے چہرے ہیں
گردش سے گو زمانے کی مظلوم آج ہیں
فضلِ خدا سے عرشِ معلیٰ کے تاج ہیں

یہ کہہ کے اٹھ کھڑے ہوئے شاہِ ذوالاحترام — قبرِ رسولؐ پہ اسی شب کو گئے امام
لپٹے مزارِ پاک سے اور یہ کیے کلام — رخصت کو حسینؑ آیا ہے یا سیدِ انام
تربت میں سے کے جلد بلا لیجیے سینے
اعدا نکالے دیتے ہیں مجھ کو مدینے

حضرت کی قبر چھوٹتی ہے مجھ سے نانا جان — میں چھپ رہوں جہاں نہیں ایسا کوئی مکاں
آمادہ گمرہوں میں ہیں سب زیرِ آسماں — فریاد ہے حسینؑ کو ملتی نہیں اماں
ناموس کو حضور کے کس جا بٹھاؤں میں
بچے ذرا ذرا سے کہاں لے کے جاؤں میں

واں سے وداع ہو کے گئے ماں کی قبر پر — دیکھا کہ بیٹھی روتی ہیں زینبؑ برہنہ سر
کہتی ہیں اپنے لال کی تم کو نہیں خبر — بھائی مرا مدینے سے ہے عازمِ سفر
ملتی نہیں پناہ شہِ دیں پناہ کو
سب چاہتے ہیں قتل کریں بے گناہ کو

اماں تمہاری بیٹیاں ہوتی ہیں بے وطن — کیوں کر بچائے بھائی کو آفت سے یہ بہن
جب سے اجاڑ ہوتا ہے پھولا پھلا چمن — دو دن سے بے قرار ہیں خاصۂ زمن
کچھ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ شب کو سوتے ہیں
تربت پہ ناناجان کی جا جا کے روتے ہیں

زینب کو روتا دیکھ کے روئے بہت امام — رخصت کا ماں کی قبر کو جھک کر کیا سلام
شب بھر تو گھر میں لٹتے رہے شاہِ خاص و عام — وقتِ سحر وطن سے چلے سیّدِ انام
رستے پہ شہر کے تو سواری کا شور تھا
اہلِ وطن کے نالہ و زاری کا شور تھا

نکلے تلک تو ساتھ تھا خلقت کا ازدحام — سب کو وداع کر کے روانہ ہوئے امام
اہلِ حرم کو ساتھ لیے باصد احترام — اس رکنِ دیں نے کعبہ میں جا کر کیا قیام
تھا قصدِ حج حبیبِ خدا کے حبیب کو
واں بھی ملا نہ چین حسینِ غریب کو

صحرائے کربلا میں ہوا جب ورودِ شاہ — اس رہبرِ زمانہ کی واں آ کے رک گئی راہ
منظور تھا جو دینِ نبی کا ہر اشتباہ — چاروں طرف سے قتل کو آنے لگی سپاہ
دریا تھا گرد موجزن افواجِ شام کا
تھا جوں حباب بیچ میں خیمہ امام کا

کرتے تھے استغاثہ امامِ فلک جناب — مردود تھے وہ سب پہ نہ دیتے تھے کچھ جواب
اس وقت بلوے کے شمرِ لعیں نے کیا خطاب — بس بس سخن کو طول نہ اب دیجئے جناب
تیغیں کھنچی ہوئی ہیں سرانجامِ جنگ ہے
باتوں کا ہے یہ وقت کہ ہنگامِ جنگ ہے

فرمایا شہ نے قتل کا ہے میرے گر خیال — مہلت طلب ہے آج کی شب فاطمہ کا لال
مردود نے کہا نہیں مقبول یہ سوال — اکبر بگڑ کے کہنے لگے او زبوں خصال

مہلت ملے مجوس و نصاریٰ کے واسطے
اور عزمِ قتلِ سیدِ والا کے واسطے

کچھ سوچ کر یہ کہنے لگا شمرِ رو سیاہ   دی مہلت آج آپ کو یا شاہِ دیں پناہ
خیمے میں آئے روتے ہوئے دین کے شاہ   دیکھا کہ حال حضرتِ زینب کا ہے تباہ
مل مل کے ہاتھ کہتی تھیں یہ بہن میں دکھی ہوں
پردیس میں حسینؑ سے بھائی سے چھٹتی ہوں

کرتا تھا سائیں سائیں وہ صحرائے لق و دق   تھے بیبیوں کے صورتِ مہتاب رنگ فق
دم گھٹتے تھے اندھیرے سے بچوں کا تھا قلق   آواز سے ننھوں کے ہوتے تھے سینے شق
مائیں زمیں سُلاتی تھیں منہ ڈھانپ ڈھانپ کے
سینوں سے لپٹے جاتے تھے وہ کانپ کانپ کے

پیاسے مسافروں کو جو شب خوں کا خوف تھا   خیمے کے گرد پھرتے تھے عباسِ باوفا
مانندِ شیر دیتے تھے ہر بار یہ صدا   بیدار ہوشیار جوانانِ مرتضیٰ
نزدیک صبحِ جنگ ہے کچھ رات اب نہیں
آن بھی جاگتے رہیں یہ غفلت کی شب نہیں

ناگاہ آسماں پہ ہوا صبح کا ظہور   پھیلی سفیدی ہو گئی ظلمت جہاں سے دور
کافور کی طرح سے اُڑا روئے ماہ کا نور   یادِ خدا میں زمزمہ کرنے لگے طیور
آثارِ صبح کے جو عیاں ہوتے جاتے تھے
حضرت نماز پڑھتے تھے اور روتے جاتے تھے

ہو کر روانہ گھوڑے پہ حضرت ہوئے سوار   حلقہ کیے تھے گرد عزیز و رفیق و یار
مانندِ گل شگفتہ تھا ہر ایک گلعذار   تھی فاطمہ کے باغ پہ وہ آخری بہار
مرنے کے شوق میں قدم آگے کو بڑھتے تھے
ہنس ہنس کے باتیں کرنے میں کیا پھول جھڑتے تھے

مولا کے ساتھ صحبت کھولی نہ تھی کمر — آتے تھے تیر دوڑ کے قربان جاتے تھے پسر
زخموں سے چور چور ہو کے گرتے تھے خاک پر — رکھتے تھے شہ کے پائے مبارک پہ اپنا سر
کیا خوش نصیب وہ تھے کہ جب دم نکلتے تھے
منہ اپنا اُن کے چہروں پہ شبیر ملتے تھے

قاسمؑ نے رن میں لاشوں پہ لاشہ گرا دیا — عباسؑ نے بھی خون کا دریا بہا دیا
اکبرؑ نے دم میں ناصبوں کو بھگا دیا — انداز ضرب شیر الٰہی دکھا دیا
تنہا جو رن کے بعد شہِ بحر و بر ہوئے
تیروں کے سامنے علی اصغر سپر ہوئے

اس وقت تھی امام پہ کیا بیکسی و یاس — لاشیں تھیں گرد اور نہ تھا کوئی آس پاس
فاقہ تھا تین روز کا شعلہ جگر کی پیاس — زخمی کئی ہزار اکیلا وہ حق شناس
اعدا اُدھر تو تیروں پہ تیر برساتے تھے
خیمے سے اہلِ بیت اُدھر نکلے آتے تھے

یہ ذکر تھا کہ ٹوٹ پڑی شہ پہ فوجِ شام — بازو پہ سینے پہ تیر کہ تن چھد گیا تمام
چھوٹی رکاب پاؤں سے اور ہاتھ سے لگام — تلوار فرق پر جو لگی جھک گئے امام
ہر بی بی در پہ خیمے کے غش کھا کے گرتی تھی
گھوڑے کے گرد فاطمہؑ سر کھولے پھرتی تھی

آخر گرا زمیں پہ زہراؑ کا نازنیں — عرشِ الٰہ کانپ گیا ہل گئی زمیں
آگے بڑھا چڑھاتے ہوئے شمر آستیں — زانو جو رکھا چھاتی پہ گردن پہ تیغ کیں
بے سر نماز میں پسرِ فاطمہؑ ہوا
سجدہ نہ ہو چکا تھا کہ بس خاتمہ ہوا

زینبؑ نے بڑھ کے فوج کی جانب جو کی نگاہ — دیکھا کہ ہے سناں پہ سرِ شاہِ دیں پناہ
ہے ہے حسینؑ کہہ کے گری وہ بہ درد و آہ — چلائی ہائے خانۂ زہراؑ ہوا تباہ

جسم سب کے چھپ اب تہ افلاک اُٹھ گئے
ہے ہے جہاں سے پنجتن پاک اُٹھ گئے

رن بانے کے گھوڑے سے محمد کی آل کو — پامال کیا شہید شہِ خوش خصال کو
جب بے کفن بھی نہ دیا زہرا کے لال کو — لوگو خبر کرو احمدِ ذوالجلال کو

دیکھیں بغور زخمِ تنِ پاش پاش کے
ٹکڑے اٹھائیں آن کے بیٹے کی لاش کے

لاشے کے گرد جمع تھیں اعدا ہر جانب سپاہ — سر پیٹتے تھے حرم میں نواسے کے مصطفیٰ
دامن تلک تھا چاک گریبان مرتضیٰ — ہے ہے حسین کہہ کے تڑپتے تھے مجتبیٰ

زہرا پچھاڑیں کھاتی تھیں دلبر کی لاش پر
برپا تھا حشر شاہِ مظفر کی لاش پر

مرثیہ (۴)

امام حسین علیہ السلام کا مکے سے سفر۔ واقعاتِ راہ۔ شہادت حضرت مسلمؑ

جب شاہ کو رخصت نہ ملی طوافِ حرم کی — اُس کعبۂ ایماں پہ گھٹا چھا گئی غم کی
فرمایا کہ لو راہ بس اب ملکِ عدم کی — بدلا ہے چلن فرقۂ شمشیر و اُمم کی
جس قبلہ نما قصد جدھر کرتے ہیں شبیرؑ
پھر پھر کے سوئے کعبہ نظر کرتے ہیں شبیرؑ

کہتے تھے بصد درد کہ اے کعبۂ داور — اب تجھ سے جدا ہوتا ہے فرزندِ پیمبرؐ
ملتی نہیں سیّد کو اماں وائے مقدر — جاتا ہوں سوئے گور سراسیمہ و مضطر
مُدت ہوئی اس گھر سے سبب دل کو یقیں ہے
قربانیِ شبیرؑ کا ہنگام قریں ہے

اے مسکن و مقام اب مرا کوچ یہاں سے — چھٹتا ہے گھر خالقِ اکبر کے مکاں سے
اس دشت میں مشتاقِ قضا جاتا ہوں یاں سے — ٹکڑے مجھے ہونا ہے جہاں تیغ و سناں سے
کچھ غم نہیں گر ہو کے بلا آئے بلا پر
راضی ہوں خداوندِ دو عالم کی رضا پر

اس راہ میں اب مجھ کو توقف کی نہیں تاب — رخصت ہے مری اے حجر و منبر و محراب
دل غم سے بھر آتا ہے اے زمزم و میزاب — دنیا پہ لعین ذبح کریں گے مجھے بے آب
اک جام دمِ تشنہ دہانی نہ ملے گا
چاہیں گے کٹوروں سے بھی تو پانی نہ ملے گا

اے کوہِ صفا دل ہے مکدر ترے غم سے — صد پارہ ہے سینے میں جگر سنگِ الم سے
افسوس کہ کچھ ہو نہ سکی سعی بھی ہم سے — قسمت لیے جاتی ہے بیابانوں میں حرم سے

سب لعل مرے گرد غریبی سے اُٹھیں گے
گرمی کے یہ دن بچوں پہ سختی سے کٹیں گے

پھر قبرِ محمد کی طرف بڑھ کے زیارت — کی عرض مسافر کی دہائی ہے یہ رخصت
کعبے میں بھی اولاد میسر ہوئی راحت — آمادہ ہیں باندھے ہیں کمر اہلِ ضلالت
مقتل ہوئے ہیں سب خطۂ حجاز میں آ کے
پائیں تو مجھے ذبح کریں گھر میں حرم کے

ملجا ہے نہ ملجا ہے نہ ماویٰ نہ مفر ہے — غربت کا تماشا ہے مصیبت کا سفر ہے
تلواریں ہیں جلادوں کی اور ایک مرا سر ہے — نکلا ہوں جہاں پاؤں وہاں خوف و خطر ہے
توڑیں انہیں گر جنگل میں بھی پائیں مری بُو کے
کانٹے بھی ہیں جنگل میں تو پیاسے ہیں لہو کے

نانا مجھے رہنے کا ٹھکانا نہیں ملتا — جنگل میں بھی بستی کا بسانا نہیں ملتا
آٹھ آٹھ پہر بچوں کو کھانا نہیں ملتا — پانی کہیں ملتا ہے تو دانا نہیں ملتا
مہلت نہیں اتنی کہ میں سائے میں کھڑا ہوں
حضرت سے جدا ہو کے تباہی میں پڑا ہوں

دنیا میں ہیں دو امن کے گھر پاسِ شہِ ابرار — اک خانۂ حق ایک درِ احمدِ مختار
بے خوف یہاں آ کے جو مجرم ہو گنہگار — کر سکتا ہے سلطاں نہ وزیر اس کو گرفتار
یہ خانۂ خالق ہے وہ حضرت کا مکاں ہے
میرے لیے امن نہ یہاں ہے نہ وہاں ہے

حاکم نے مدینے کے ادھر مجھ کو ستایا — میں سوئے حرم ٹھوکریں کھاتا ہوا آیا
جلادوں سے یاں بھی کوئی دم چین نہ پایا — میں دھوپ میں ہوں جب سے اٹھا آپ کا سایا
حج بھی نہ میسر ہوا مغموم چلا ہوں
احرام تلک باندھ کے محروم چلا ہوں

یہ کہہ کے روانہ ہوا وہ حسن امت باری گویا کہ بیاباں میں چلی باد بہاری
جنگل میں کھلا باغ یہ خوشبو ہوئی ساری فیاض نے صحرا کی بھی کی کار بہاری
مہکے جو وہ گیسو تو بیاباں کی بن آئی
نافے سے جنگل میں نسیم ختن آئی

سب کہتے تھے اے احمد مختار کے جانے کیوں خانۂ حق چھوڑ کے مولا ادھر آئے
فرماتے تھے شبیر کہ ہم رہتے نہ پائے لیکن کوئی مسلماں نہ مسلماں کو ستائے
سامانِ تیغ و تبر ہوئی تھی
تدبیر گرفتاری شبیر ہوئی تھی

گر دست ستم حج میں بڑھاتے وہ ستمگار چلتی حرم حضرت معبود میں تلوار
مجبور تھے خیمے میں بھی عباس سے خوش اطوار باندھے رہے تا صبح سر شام سے ہتھیار
بچتے رہے بے جنگ بھی افواج سے ڈٹ کے
نے مجھ سے نہ یہ قافلے منزل سے ہٹ کے

سوچا میں کہ یاں مجھ پہ اگر کچھ ہوئی بیداد عزت حرم کعبہ کی ہو جائے گی برباد
گر ساتھ نہ ہوتی اسد اللہ کی امداد دو شب میں تو سر بھی مرا کاٹتے جلاد
چھپنے کو نہ در آہ وہ حرمت نہ نکلتا
میں بچ کے بھی مقتل کے حرم سے نہ نکلتا

واقف تھی مکہ میں ہی باپ سے تھے مرا سر جس بلد میں نہ پانی ہو نہ دانہ ہو میسر
کچھ فکر نہیں بیٹھ رہیں کنج میں جا کر پر خون نہ مسلمانوں کا ہو یاں کی زمیں پر
معلوم ہے سب کو کہ یہ وہ پاک زمیں ہے
پتے کے ستانے کا جہاں حکم نہیں ہے

کس کو نہیں معلوم شہ چرخ تقدس مولد مرے بابا کا ہے یہ خانۂ اقدس
فرصت نہ ملی حج کی ہمیں ایسا ہوا ہے بس مقصود یہ مجھ سا بھی نہ ہوگا کوئی بیکس

تیغوں سے نہ تھی انہیں مہلت کوئی دم کی
واللہ مجھے پاس تھا حرمت کا حرم کی

فرماتے تھے حضرت نہیں خالق رکھے آباد	دنیا میں برومند ہو ایک ایک کی اولاد
کیا اپنی تباہی کہوں میں بے کس و ناشاد	سن لو گے مفصل جو سنو گے مری روداد
درپیش ہے وہ راہ کہ کچھ کہہ نہیں سکتا
بے کنج لحد اب میں کہیں رہ نہیں سکتا

ان سب سے یہ فرما کے چلے سید ابرار	روتے ہوئے بستی میں گئے اپنی وہ دیندار
پھرتے تھے وہی جنگل وہی صحرا وہی کہسار	بستی تھی نہ کوسوں نہ کہیں سایۂ اشجار
گرمی تھی کہ تھے سوکھے ہوئے نخل بھی بن کے
مرجھا گئے تھے پھول محمدؐ کے چمن کے

اس بن میں چلے جاتے تھے مولا تے خوش اطوار	ہرنی ہوئی اک دور سے ناگاہ نمودار
پہنچی جو قریب فرس سید ابرار	پاؤں کو زمیں پہ وہ ٹیکنے لگی کئی بار
پیدا تھا غم و درد و الم اس کی صدا سے
کچھ کہتی تھی گویا پسر خیر خدا سے

عباسؑ سے ارشاد کیا آپ نے مڑ کر	تم جانتے ہو مجھ سے جو یہ کہتی ہے مضطر
اس شیر نے کی عرض کہ اے نائب حیدرؑ	جانے کوئی کیا غیر دل و جان پیمبر
سمجھے یہ زباں وہ جو امام دو جہاں ہو
عقدہ یہ وہ کھولے جو سلیمان زماں ہو

فرمایا خدا دے نہ کسی کو غم اولاد	یاں آئی ہے فریاد کو یہ مضطر و ناشاد
کہتی ہے کہ اس دشت میں مجھ پہ ہوئی بیداد	مولا مرے بچے کو پکڑ لے گیا جلاد
بے کل ہوں طبیعت مری جینے سے بھری ہے
آقا مجھے یہ رات تڑپنے میں کٹی ہے

بن میں یہی اسے ڈھونڈتی پھرتی تھی بصد یاس | اک آہ بھرے صحرا نے کہا کچھ نہیں وسواس
جنگل میں ہے خود خضرؑ و مسیحاؑ و الیاسؑ | فریادی ہو جا کر پسرِ فاطمہؑ کے پاس

صحرا سے کہیں بادِ بہاری نہ نکل جائے
جا جلد کہ مولا کی سواری نہ نکل جائے

یہ سنتے ہی صیاد کے گھر پہ گئے سرور | ہرنی بھی گئی ساتھ سراسیمہ و مضطر
گھر سے وہ نکل آیا تو بولے شہِ صفدر | اس بچۂ آہو کو یہاں چھوڑ دے لا کر

حسرت اسے دودھ اس کو پلانے کی بڑی ہے
بچہ وہ اسی کا ہے یہ ہرنی جو کھڑی ہے

صیاد گیا شہ کی طرف دیکھ کے ششدر | دل میں کہا مقبول ہے یہ بندۂ داور
دوڑا گیا اور گود میں سے بچے کو اٹھا کر | لایا تو اسے چھوڑ دیا ماں کے برابر

منہ بچے کے چہرے سے ملانے لگی ہرنی
بوسے گلو کے دے کے دودھ اس کو پلانے لگی ہرنی

جب سیر ہوا دودھ سے مادر کے وہ بچہ | ہرنی نے اسے چھوڑ کے منہ شاہؑ کا دیکھا
صیاد سے فرمانے لگے سیدِ والا | دے بچۂ آہو مجھے اور لے عوض اس کا

جس چیز کی خواہش ہو ابھی تجھ کو منگا دوں
بچہ اسے دے دوں تجھے بخشش کی دعا دوں

منظور نظر ہے کہ نہ غمگیں ہو یہ حیواں | بولا وہ کہ بخشا اسے میں نے بدل و جاں
میں اور مرا گھر آپ کے الطاف پہ قرباں | ہرنی سے یہ فرمانے لگے سرورِ ذیشاں

بس اب مری جانب نہ بحسرت نگراں ہو
لے بچے کو اپنے تو طرفِ دشت رواں ہو

کیوں اہلِ عزا رحم کا حضرت کے سنا حال | حیواں پہ بھی کرتا تھا کرم فاطمہؑ کا لال
مارے گئے کس ظلم سے اس شاہ کے اطفال | نازک کئی بچے صفتِ گل ہوئے پامال

اکبرؑ تو جواں تھا اسے شمشیر سے مارا
اصغرؑ کی خطا کیا تھی جسے تیر سے مارا

کیسے وہ مسلماں تھے کہ کچھ رحم نہ آیا — بے شیرؑ کو مرتے ہوئے پانی نہ پلایا
حضرت نے تو رسی سے آہو کو چھڑایا — زنداں سے سکینہؑ کو کسی نے نہ چھڑایا
بسمل سی تڑپتی رہی وہ قیدِ محن میں
مر جانے پہ بھی ننھی سی گردن تھی رسن میں

اعجاز اسی طرح دکھاتے ہوئے شبیرؑ — جاتے تھے بصد شوق سوئے نیزہ و شمشیر
گر شام کو ٹھہرے تو سحر کو ہوئے رہ گیر — ہر دم یہ دعائیں تھیں کہ اے مالکِ تقدیر
کشتی مری طوفاں میں ہے ساحل نظر آئے
مشتاق ہے دل جس کا وہ منزل نظر آئے

خورشیدِ درخشانِ امامت ہے سفر میں — گردش اسے آئی ہے نظر دورِ قمر میں
احباب وطن پھرتے ہیں حضرتؑ کی نظر میں — صغراؑ کے بچھڑ جانے کا ہے درد جگر میں
تشویش سے منہ قافلے والوں کا بھی فق ہے
غربت میں عجب یوسفِ زہراؑ کو قلق ہے

وہ کوہ کے رستے اور پہاڑوں کی وہ راہیں — یہ دھوپ میں حدت تھی کہ جلتی تھیں نگاہیں
دشوار تھا پانی کسی چشمے کا جو چاہیں — اٹھتا تھا دھواں دل سے نکل جاتی تھیں آہیں
سنولا گئے تھے چاند سے منہ سیم بروں کے
ثابت تھا کہ خورشید برابر ہے سروں کے

غربت کی جفائیں یونہی سہتے ہوئے دن رات — طے راہِ خدا کرتے تھے شبیرؑ خوش اوقات
ہو جاتی تھی جس مردِ مسافر سے ملاقات — گھوڑے کی عناں روک کے فرماتے تھے یہ بات
ٹھہرا نہیں سکتا کہ سرِ راہ ہے بھائی
کوفے کی خبر سے بھی کچھ آگاہ ہے بھائی

وہ کہتا تھا کوفے میں عجب شور ہے مولا　　ہر سمت ہیں فتنے تو فساد اٹھتے ہیں ہر جا
قدر ان کا ہے کچھ جن کو مروت نہیں اصلا　　ہوتے ہیں ستم کوئی کسی کی نہیں سنتا
ٹوٹا ہے فلک ظلم کا شیعوں کے سروں پر
جب دیکھیے دوڑیں چلی آتی ہیں گھروں پر

اشراف ہیں جتنے وہ نکلتے نہیں گھر سے　　دروازے نہیں کھولتے لٹ جانے کے ڈر سے
ہو جاتی ہے جب شام تو رہتے ہیں سحر تک　　سب کرتے ہیں سجدے کہ بلا ٹل گئی سر سے
یہ ظلم یہ بیداد نہیں اور کسی پر
مولا یہ غضب ہی ہے محبان علی پر

گھبرا کے یہ اس شخص سے بولے شہ مظلوم　　بھائی مجھے مسلم کا بھی کچھ حال ہے معلوم
ایسا نہ ہو وہ جائیں ملاقات سے محروم　　اس نے کہا میں واں سے چلا تھا تو یہ تھی دھوم
بے قتل سواروں کو نہ آرام ملے گا
مسلم کا جو سر لائے تو انعام ملے گا

جب منزل حاجر سے بڑھے سبط پیمبر　　آئی یہ مفصل خبر مسلم بے پر
دنیا سے گیا آٹھویں تاریخ وہ صفدر　　فرزند مصیبت میں ہوئے ظلم سے بے سر
ماتم ہے کئی دن سے مسلمانوں کے گھر میں
خندق میں تو لاش اس کی ہے سر قلعے کے در میں

مرثیہ (۵)

امام علیہ السلام کا کربلا میں ورود حالاتِ سفر

جب کربلا میں داخلہ شاہِ دیں ہوا — دشتِ بلا نمونۂ خلدِ بریں ہوا
سر جھک گیا فلک کا یہ اوجِ زمیں ہوا — خورشید محوِ حُسنِ حسینِ حسیں ہوا
پایا فروغ نیرِ دیں کے ظہور سے
جنگل کو چاند لگ گئے چہرے کے نور سے

زہرا کے اختروں سے زمیں آسماں ہوئی — غازی جہاں چلے وہ زمیں کہکشاں ہوئی
سب ارضِ پاک غیرتِ باغِ جناں ہوئی — ایسا مکیں ملا کہ رفیع المکاں ہوئی
دامن جو پاک صاف تھا دشتِ مصاف کا
احرام باندھا کعبے نے اس کے طواف کا

ہاتف نے دی صدا کہ نئی شانِ کربلا — مختارِ کائنات ہے مہمانِ کربلا
پھولوں سے آج بھر گیا دامانِ کربلا — ہے اب فزوں بہشت سے بستانِ کربلا
خورشیدِ دیں کے فیض سے کیا کیا شرف ملے
روشن ہے جس سے وادیٔ شش روضۂ نجف ملے

یہ دشتِ ہولناک کہاں یہ چمن کہاں — جنگل کہاں بتول کے گلِ پیرہن کہاں
کنبہ کہاں نبی کا یہ جائے محن کہاں — قبریں کہاں شکستہ دلوں کی وطن کہاں
آئے ہیں ڈھونڈتے ہوئے اس ارضِ پاک کو
سچ ہے کہ خاک کھینچتی ہے اپنی خاک کو

غل تھا چمن چمن کہ بہار آئی اب قریب — باقی بجا چلی دیں تو یہ ہے موسم عجیب
بلبل یہ آشیاں سے جدا ہوکے عندلیب — آیا گلِ ریاضِ محمد خوشا نصیب

قربان زمیں کا جس پہ شہ انس و جن پھرے
دیکھو خدا کی شان کہ جنگل کے دن پھرے

خوشبو سے ان گلوں کی ہوا دشت بلکہ باغ | غنچے کھلے ہرے ہوئے بلبل کے دل کے داغ
پہنچا سر فلک پہ ہر اک کوہ کا دماغ | دریا نے بھی حبابوں کے روشن کیے چراغ
خورشید بن گئے جو تھے ارض پاک کے
تاروں کو گرد کر دیا ذرّوں نے خاک کے

پھیلی جو نکہت چمن شاہ بحر و بر | صحرا میں لہلہا گیا سبزہ بھی سر بسر
جلدی ہوا نے جا کے یہ دریا کو دی خبر | آیا تری کچھار میں مختار خشک و تر
جب تک وہ بحر فیض برائے وضو بڑھے
بڑھ کر قدم کو لے کہ تری آبرو بڑھے

ساحل پہ ہوں گے جلوہ نما اب امام دہر | دریا دلی کا ہوگا تری شور شہر شہر
یہ سُن کے بے قرار ہوئی علقمہ کی نہر | سر کو قدم پہ رکھنے کو دوڑی ہر ایک لہر
آمد سُنی جو سبط رسالت مآب کی
ساحل سے آنکھ لڑ گئی اک اک حباب کی

بولے فرس کو روک کے شاہ فلک وقار | منزل پہ ہم پہنچ گئے احسان کردگار
آگے نہ اب بڑھائے کوئی یاں سے راہوار | یہ وہ زمیں ہے جس کے لیے دل تھا بے قرار
قربان اس مقام سعادت نشان کے
پایا گہر مراد بڑی خاک چھان کے

اترو مسافرو کہ سفر ہو چکا تمام | کہ اب نہ ہوگا حشر تلک ہے یہیں مقام
مقتل یہی زمیں ہے یہی مشہد امام | اونٹوں سے بار اتار کے برپا کرو خیام
بستر لگاؤ شوق سے اس ارض پاک پر
چھڑکا گیا ہے آب بقا اس کی خاک پر

مثلِ زمینِ خلد مصفّا ہے یہ زمیں — ساتوں فلک سے اوج میں بالا ہے یہ زمیں
روئے زمیں پہ عرشِ معلّیٰ ہے یہ زمیں — فردوس کا کھنچا ہوا نقشہ ہے یہ زمیں
اس کے کہیں نہ ہوں گے پراگندہ نشر میں
بے سر اسی زمیں سے ہم اٹھیں گے حشر میں

تھا فکر میں خموش وہ عالم کا تاجدار — گڑوا رہے تھے خیموں کو عباسؑ ذی وقار
ناگاہ اُٹھا شمال کی جانب سے اک غبار — رایت سیاہ و سرخ نظر آئے تین چار
مڑ کر کہا حبیب نے کچھ رنگ اور ہے
بولا کوئی یہ شام کے لشکر کا طور ہے

بولے ملازموں سے یہ عباسؑ باوفا — دریافت تو کرو کہ ارادہ ہے ان کا کیا
آتے ہی سرکشی یہ طریقہ ہے کونسا — کہہ دو کہ اہلِ بیت کے خیمے کی ہے یہ جا
لازم رسولؐ زادوں کا احترام ہے
اترو کہیں الگ یہ ادب کا مقام ہے

اُس فوج کے رئیس نے بڑھ کر کیا کلام — حکمِ امیر ہے یہیں اتریں سپاہِ شام
چھوڑیں گے ہم اسے کہ جو راحت کا ہے مقام؟ — دریا سے ہٹ کے آپ بپا کیجیے خیام
لشکر کشی ہے بادشاہِ کائنات پر
کل مورچے سپاہ کے ہوں گے فرات پر

رجل کا جائزہ تھا وہاں ہم چلے تھے جب — گردے میں ہیں کوس کے لشکر پڑا ہے اب
دستوں کے روم و شام کی آمد ہے روز و شب — اس ارض پر نہ ہو جو سمائی تو کیا عجب
کیجیے مقام گر کوئی گوشہ جدا ملے
ممکن نہیں کہ نہر پہ خیمے کی جا ملے

ہم گھاٹ روکنے کے لیے آئے ہیں ادھر — ہے آج شب کو وارد شمر کی خبر
سنتے ہی یہ ترائی میں گونجا وہ شیرِ نر — تیوری چڑھا کے تیغ کے قبضے پہ کی نظر

کم تھا نہ جوہر اسد کردگار سے
نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم کچھار سے

بڑھتا تھا جھومتا ہوا جس دم وہ شیر نر گہ تھا کوئی فلک کے ادھر اور کوئی ادھر
تیغیں جو کھچ گئیں تو ہوا اور شور و شر گھبرائے اہل بیت شہنشاہ بحر و بر
آغوش میں پھوپھی کے سکینہ دہل گئی
غل پڑ گیا کہ گھاٹ پہ تلوار چل گئی

چلائی رو کے زینبؑ ناشاد و نامراد ہے ہے خبر تو لو کہ یہ کس سے ہوا فساد
غربت زدوں سے کیا سبب کینہ و عناد دیکھے کوئی کدھر ہیں شہنشاہ خوش نہاد
ہمشیر کو نشانہ امام امم کرو
ورد دعائیں اکبر مہرو پہ دم کرو

محمل سے منہ نکال کے فضہ نے یہ کہا بیٹھو کنارہ نہر ہے اے بنت مرتضیٰ
نیزے بڑھا بڑھا کے ہلاتے ہیں اشقیا قبضے پہ ہاتھ رکھے ہیں عباس باوفا
کیا جانے کس نے روک دیا ہے دلیر کو
سب دشت گونجتا ہے غضب ہے شیر کو

زینبؑ پکاریں پیٹ کے زانو بصد ملال ہے ہے غضب ہوا اگر آیا انہیں جلال
کہہ دے کوئی کہ اے اسد کبریا کے لال غربت پہ ابن فاطمہؑ کی تم کرو خیال
قربان ہو گئی نہ لڑائی کا نام لو
میں ہاتھ جوڑتی ہوں کہ غصے کو تھام لو

یہ بات کہہ کے رونے لگی خواہر امام عباسؑ ادھر غضب میں بڑھے سوئے فوج شام
کرسی سے جدا ہو کے پکارے شہ انام بھیا ہمارے سر کی قسم روک لو حسام
یکساں ہے بزم و جشن ہماری نگاہ میں
غیظ و غضب کو دخل نہ دو حق کی راہ میں

ہے گرچہ ان کی بے ادبی قابلِ سزا — پر تم پسر رحیم کے ہو بخش دو خطا
جنگل ہو یا ترائی ہو ہے ہر جگہ خدا — مظلوم کو غریب کو غصے سے کام کیا
کرتا ہے عاجزی وہی جو حق شناس ہے
ہم کو نبی کی شرم ہے مظہر کا پاس ہے

صدقے ترے جلال کے اے میرے آفتاب — یاد آ گیا مجھے اسد اللہ کا عتاب
تم سے مقابلے کی جہاں میں کسے ہے تاب — جعفرؑ ہو وہ بھی ہیں شجاعت میں بوتراب
یہ کیا ہیں تم تو سدِ سکندر کو توڑ دو
دو ہم کو چاہتے ہو تو دریا کو چھوڑ دو

بھیا پدر کے صبر پہ اس دم کرو خیال — ہم نے تو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ان کا حال
بلوہ تھا بعد رحلتِ محبوبِ ذوالجلال — یوں تک کہ باندھ کے گئے رسی سے بدخصال
کیا صبر و علم عقدہ کشائے جہاں میں تھا
گردن جھکی ہوئی تھی گلا ریسماں میں تھا

توڑا ہو ایک ہاتھ سے خیبر کا جس نے در — پھر کیں گھر میں اس کا اور کرے یوں وہ در بدر
تھرائیں جس کی ضرب سے روح الامین کے پر — رکھ دے وہ تیغ کھول کے اور ڈال دے سپر
کمزور دست و بازوئے خیبر کشا نہ تھا
سب قدرتیں وہی تھیں پہ حکمِ خدا نہ تھا

ارشاد کر گئے تھے جو کچھ سید الانام — باندھے رہا اسی پہ کمر وہ فلک مقام
مطلب نہ تھا پسر سے نہ تیغ و تبر سے کام — مظلوم ہو گئے تھے اطاعت تھی اس کا نام
اپنا امام ہم کو بھی جانو اسی طرح
تم بھی ہمارے کہنے کو مانو اسی طرح

آقا نے دی جو اپنے سرِ پاک کی قسم — بس تھرتھرا کے رہ گیا وہ صاحبِ کرم
پر تھی شکن جبیں پہ نہ ہوتا تھا غیظ کم — چپ ہو گئے قریب جب آئے شہِ امم

گردن جھکا دی ازرہِ ادب میں خلیل پڑے
قطرے لہو کے آنکھوں سے لیکن نکل پڑے

تیغ و سپر کو پھینک کے بولا وہ نامور   کہہ دیجیے ان سے کاٹ کے لے جائیں میرا سر
عالم خدا ہے عزمِ شہنشاہِ بحر و بر   اب کچھ کہوں زبان سے کیا تاب کیا جگر
میں ہوں غلام آپ کے ادنیٰ غلام کا
آتا ہے خیال تھا بابا کے نام کا

گردن میں ہاتھ ڈال کے حضرت نے یہ کہا   کیوں کانپتے ہو خوف سے بھائی یہ بات کیا
واب اٹھاؤ تیغ و سپر تم پہ میں فدا   دریا کو تم تو سمجھے اے میرے مہ لقا
وہ خیر ہو کہ دھاک ہے ساری خدائی میں
دیکھو کوئی تمہارے سوا ہے ترائی میں

اس قوم سے نہ رد و بدل چاہیے تمہیں   غصہ نہ برہمی نہ جدل چاہیے تمہیں
قربِ خدائے عز و جل چاہیے تمہیں   جو ہم کہیں اسی پہ عمل چاہیے تمہیں
بھائی جگہ مزار کی پہچانتا ہوں میں
جو ہو گا اس زمیں پہ سب جانتا ہوں میں

ہے منکشف امام پہ احوالِ بحر و بر   حق نے کیا ہے واقفِ اسرارِ خشک و تر
صدمہ ہے دل پہ کیا میں کہوں تم سے بے خبر   قبضہ تمہارا تا بہ قیامت ہے نہر پہ
دولت بٹے گی یاں اسی پروردگار کی
اچھا یہی جگہ ہے تمہارے مزار کی

ہونا ہے کیا ہزار کہیں ساکنانِ شام   بخشا ہے تم کو خالقِ اکبر نے یہ مقام
کہتے ہیں اس زمیں پہ ملک آ کے صبح و شام   یاں ہو گی قبر حضرت عباسِ نیک نام
دیندار گرد قبر کے بستی بسائیں گے
شہروں سے لوگ یاں کی زیارت کو آئیں گے

آؤ اب اپنی قبر کی جا ہم تمہیں دکھائیں — مقتل میں نخل بھی نہیں سایہ کہاں سے لائیں
قسمت میں یہ لکھا ہے کہ مقتل کی دھوپ کھائیں — چالیس روز تک کفن اور نہ غسل پائیں
میدان اور لاشِ حسینؑ غریب ہو
بھائی قریب ہو نہ ترائی قریب ہو

عباسؑ آبدیدہ ہوئے سن کے یہ کلام — بھائی کا ہاتھ ہاتھ میں لے کر چلے امام
فرمایا واں پہنچ کے جو تھا قتل کا مقام — دیکھو حسینؑ ہوگا یہیں قتل تشنہ کام
بھائی مقام خیمۂ آل عبا ہے وہ
باہر جو ہے نشیب سے تربت کی جا ہے وہ

رونے لگے پکار کے عباسؑ نامدار — شہ نے کہا کہ صبر کرو تم پہ میں نثار
سن پائے گی جو زینبؑ بیکس یہ حال زار — مر جائے گی تڑپ کے ابھی وہ جگر فگار
مجھ کو بہت خیال ہے زہراؑ کی جائی کا
مرنا کوئی بہن نہ سنے اپنے بھائی کا

قدموں پہ سر جھکا کے یہ بولا وہ نیک نام — ارشاد یہ تو کیجئے اے قبلۂ انام
پہلے مرے گا آپ سے یہ باوفا غلام! — رو کر کہا کہ ہاں یہیں ہوئے گا کام
مجبوری ہے کہ ہاتھوں سے بھائی کو کھوئیں گے
روؤ گے تم نہ ہم کو یہیں تم کو روئیں گے

مژدہ یہ سن کے شاد ہوا وہ اسیر غم — سجدہ کیا کہ بھائی سے پہلے مریں گے ہم
نیچی یہ آ کے گاڑ دیا شیر نے علم — برپا ہوئے خیام شہ آسماں حشم
ذرے نجوم بن گئے سارے زمین پر
اترے خدا کے عرش کے تارے زمین پر

خیمے میں جا چکے جو حرم با صد احترام — ڈیوڑھی پہ آ کے رکے ہوئے عباسؑ نیک نام
گھیری ادھر کمیں ادھر اتری سپاہ شام — بھائی کو لے کے خیمے میں داخل ہوئے امام

اُٹھا تھا دل جو سبطِ نبیؐ کی جدائی سے
زینبؑ لپٹ کے رونے لگیں چھوٹے بھائی سے

کہنے لگی یہ زوجۂ عباسؑ خوش بیان — چھٹتے ہیں ان کو کچھ نہیں رہتا کسی کا دھیان
ہر بات میں ہے شیرِ الٰہی کی آن بان — یہ جان کر بھلا کہیں بچتے ہیں اپنی جان
آتی ہے جنگ جب تو زرہ کھول دیتے ہیں
پر آخر حسینؑ کے صدقے میں جیتے ہیں

فرمایا شہ نے بھائی سے اب کھولیے کمر — زینبؑ نے لے لی ہاتھ سے شمشیر اور سپر
بیٹھے تھے ابھی کہ یہ اکبرؑ نے دی خبر — فوج آئی اور شام سے یا شاہِ بحر و بر
مجمع غضب سپاہ کا دریا کے پاس ہے
شہؑ نے کہا کہ ہونے دو تمہیں کیا ہراس ہے

آخر ہوا وہ دن تو ہوئی رات کی دھوم — آ پہنچے سب کے فوجِ گراں ابنِ سعدِ شوم
اک فکر سے سوا ہیں جوانانِ شام و روم — آفات کی ہے بھیڑ قیامت کا ہے ہجوم
کیا شمار حصر نہ تھا انتہا نہ تھی
دیکھا جو صبح کو کہیں بستر کی جا نہ تھی

آمد اسی طرح رہی لشکر کی روز و شب — نرغے میں آ گیا پسرِ سیدِ العرب
گرمی میں ساتویں سے ہوئی شدتِ تعب — پانی مسافروں پہ ہوا بند ہے غضب
مرجھا گیا چمن شہِ گردوں جناب کا
غنچوں سے جھڑنے لگا آب آب کا

غش تھے حرم کہ پیاس سے اطفال تھا وہیں — جز آبِ اشک پانی کا قطرہ کہیں نہیں
تھا دودھ خشک پیتی تھی بانوئے حزیں — دم توڑتا تھا حجرے میں اصغر سا نازنیں
خندق میں گرد خیمے کے آتش بھڑکتی تھی
باقر تڑپ رہا تھا سکینہ بلکتی تھی

روتے سے وہ پہاڑ سا دن جب ہوا تمام　　آئی سیاہ بلا کی طرح شام تیرہ فام
شب تھی مسافروں کے لیے موت کا پیام　　غل تھا کہ ایک رات کے مہماں ہیں امام
لو جناب فاطمہ کے نور عین سے
خالی سحر کو ہوگا زمانہ حسین سے

لکھوں سیاہی شب عاشور کا جو حال　　دفتر سیاہ ہوں شب ہجر کی مثال
چھایا ہوا تھا ابر غم و حسرت و ملال　　کھولے تھے اہل بیت محمد سروں کے بال
پیاسوں سے پوچھو رات وہ کیونکر بسر ہوئی
بس منتظر ہے کہ غضب کی سحر ہوئی

مرثیہ ۱۲

روزِ عاشور میدانِ کربلا میں نمازِ صبح کا منظر

دشمنانِ دین کے عزائم تیروں کی بوچھاڑ

طے کر چکا جو منزلِ شب کاروانِ صبح ہونے لگا اُفق سے ہویدا نشانِ صبح
گردوں سے کوچ کرنے لگے اختران صبح ہر سُو ہوئی بلند صدائے اذانِ صبح
پنہاں نظر سے روئے شبِ تار ہو گیا
عالم تمام مطلعِ انوار ہو گیا

تھی دشت کربلا کی زمیں رشکِ آسماں تھا دور دور تک شبِ مہتاب کا سماں
بکھرے ہوئے ستاروں کا فقدوں پہ تھا گماں نہرِ فرات بیچ میں تھی مثلِ کہکشاں
سرسبز جو درخت تھا وہ نخلِ طور تھا
صحرا کے ہر نہال کا سایہ بھی نور تھا

وہ سربلند خیمۂ زنگاری امام جس میں خدا کے عرش کے تاروں کا تھا مقام
کم تھا نہ اس کا خانۂ کعبہ سے احترام قدسی طواف کرنے کو آتے تھے صبح و شام
جلوہ تھا اس میں برجِ امامت کے ماہ کا
دربان تھا جبرئیل اسی بارگاہ کا

حاضر درِ حضور پہ وہ خاصگانِ رب ایک ایک جن میں فخرِ عجم زینتِ عرب
غربت زدہ گرسنہ و مظلوم و تشنہ لب سن کر سحر کا شور اٹھے بستروں سے سب
کہتے تھے ہائے جا کے کدھر جستجو کریں
پانی نہیں کہ قبلۂ عالم وضو کریں

نکلے حرم سے کر کے تیمم امامِ پاک سجادے سب نے لا کے بچھائے بروئے خاک
اکبر نے دی اذان جو بہ آوازِ دردناک آنسو بھر آئے ہو گئے دل غم سے چاک چاک

آگے سبھوں کے شاہِ حجازی کھڑے ہوئے
پیچھے صفیں جما کے نمازی کھڑے ہوئے

آراستہ صفیں تھیں کہ قرآں کھلا ہوا — بسم اللہ آگے جیسے ہیں قاعدہ مقتدا
اور مقتدی تھے سب عقبِ شاہِ کربلا — مصحف کی جس طرح سے ہوں سطریں جدا جدا
جیسا امام ویسی ہی ابرار فوج تھی
ہر صف خدا کے ابر کے دریا کی موج تھی

سیدھے کبھی الف کی طرح تھے وہ خوش خصال — جھک جھک جاتے تھے رکوع میں گاہے بشکلِ دال
خم ہوگئے سجود میں گر صورتِ ہلال — پیشانیوں سے صاف عیاں نورِ ذوالجلال
حق سے دعا قنوت میں کوثر کے جام کی
طاعت خدا کی تھی تو اطاعت امام کی

وہ چاند سے سفید عمامے رخوں پہ نور — دیکھے سے جن کے سیر کبھی ہو نہ چشمِ حور
دیندار و حق پرست و دل آگاہ و باشعور — گھر بار کے جہاد پہ راحت دلوں سے دور
لب پہ درود اشکوں سے آنکھیں بھری ہوئی
تلواریں سجدہ گاہوں سے آگے دھری ہوئی

حُبِ حسینؑ دل میں زبانوں پہ ذکرِ حق — نے لشکر کا کچھ خیال تھا نے مرگ کا قلق
دیندار ایسے پھر نہ ہوئے زیرِ نُہ طبق — حقا کہ سب صحیفۂ ایماں کے تھے ورق
کس آفتِ عظیم میں ثابت قدم رہے
آقا کا دم بھرا کیے جب تک کہ دم رہے

اللہ نے دل ان کے وفا سے بنائے تھے — اور جسم پاک خاکِ شفا سے بنائے تھے
سینے ضمیرِ صدق و صفا سے بنائے تھے — دستِ کرم سخا و عطا سے بنائے تھے
اور لکھ دیا تھا قادرِ ازل سرنوشت میں
پہنچیں گے یہ حسینؑ سے پہلے بہشت میں

یاں تھیں صفیں نمازِ جماعت کی اور اُدھر   باندھی تھی فوج کس نے صف آرائی پہ کمر
شکلِ ہلال چڑھی تھیں تلواریں جفا پہ   نیزے بھی تیز ہوتے تھے اور خنجر و تبر
غل تھا کہ آج خون کے دریا بہائیں گے
پیاسے نمازیوں کے گلے کاٹے جائیں گے

نیزوں کی نوکیں آج ہیں اور آلِ مصطفیٰ   تلواروں سے کریں گے قتل ہاں غم زدے
تیروں سے چھان ڈالیں گے سینہ حسین کا   خنجر ہے اور سیّدِ لب تشنہ کا گلا
مٹی تلک نہ دیں گے تنِ پاش پاش کو
گھوڑوں سے روند ڈالیں گے سیّد کی لاش کو

یہ ذکر تھا کہ شاہ نے پھیرا ادھر سلام   وہ آخری نمازِ جماعت ہوئی تمام
تسبیحِ فاطمہ ابھی پڑھتے تھے امام   بڑھ بڑھ کے جو لگانے لگے تیر اہلِ شام
اٹھے دستِ شہ یہ تو تھے یادِ الٰہ میں
یاں تک کہ آئے تیر سرور کی خیمہ گاہ میں

گرمی کے مارے گھر میں جو تھے اہلِ بیت سب   دیکھے جو تیر آتے تو حالت ہوئی عجب
چلائیں بیبیاں کہ کدھر جائیں سب ہے غضب   چھپنے کا کوئی امن کا گوشہ نہیں ہے اب
گھبرا کے ننھے بچوں کو سب نے اٹھا لیا
اصغر کو ماں نے چھاتی کے نیچے چھپا لیا

بچوں کو لے کے چھپنے لگے سب ادھر ادھر   چہروں کے رنگ اڑ گئے تھرا گئے جگر
گھبرا کے آئیں ڈیوڑھی پہ زینب برہنہ سر   چلاتی تھیں کوئی مرے بھائی کی لے خبر
شاید مسافروں پہ ستم بے سبب ہوا
کس پر چلے یہ تیر ارے کیا غضب ہوا

یاں اہلِ بیت میں یہ تلاطم تھا اور واں   مصروف ذکرِ حق تھے شہنشاہِ دو جہاں
اٹھ کر صفِ نماز سے عباسِ نوجواں   بس جا کھڑے ہوئے عقبِ شاہِ انس و جاں

بھائی بھی ساتھ تھے پناہ شہ بحر و بر بھی تھے
تلوار بھی حسین کی ساتھ اور سپر بھی تھے

مڑ کر اشارہ شاہ نے عباس سے کیا — پیچھے کھڑے ہو کس لیے کیوں کیا ہے ماجرا
دست ادب کو جوڑ کے اس شیر نے کہا — ہے خیریت حضور کریں طاعت خدا

خیمے میں شکر ہے حرم قبل چلتے ہیں
پیاسوں پہ تیر لشکر اعدا کے آتے ہیں

عباس سے یہ سن کے اٹھے قبلۂ امم — تسبیح جانماز پہ رکھ دی بچشم نم
رونق فزا ہوئے طرف خیمۂ حرم — ڈیوڑھی تک آئے ساتھ رفیقان ذی حشم

سب سے گلے ملوں سے رخصت کو چلتے ہیں
باندھو کمر جہاد پہ تم ہم بھی آتے ہیں

مرثیہ (۱۱)

میدانِ کربلا میں طلوعِ صبحِ عاشور

احباب و انصارِ امام کو اذنِ جہاد

گردوں پہ جب بیاضِ سحر کا ورق کھلا — یعنی کتابِ ذکرِ خدا کا سبق کھلا
بزمِ جہاں میں دفترِ نظم و نسق کھلا — ظلمت نہاں ہوئی در بابِ شفق کھلا
پہنچا فلک پہ ماہ کو غم انقلاب کا
صحنِ جہاں سے پھول کھلا آفتاب کا

ہونے لگے چراغِ نجومِ آسماں کے گُل — قرنا بجی سپاہِ عدو میں عجب اک غُل
برپا حسینیوں میں ہوا یاں اذاں کا غُل — پڑھنے لگے نماز شہنشاہِ جز و کُل
قدسی ہوئے نثار جماعت کی شان پر
نعرے نمازیوں کے گئے آسمان پر

سجدے میں یاں جھکے تھے ابھی عابدوں کے سر — فوجِ ستم میں ہو گئیں صف بندیاں اُدھر
دو چار تیر آ کے گرے جب قریب وہ — حضرت پہ آ کے روک لی عباسؑ نے سپر
کی عرض سرکشی پہ یہ سب اہلِ شام ہیں
فرمایا آپ نے یہ اجل کا پیام ہے

پھر بیٹھے جانماز پہ شاہِ فلک وقار — شانہ کیا محاسنِ اقدس میں چند بار
سر پہ رکھا عمامۂ محبوبِ کردگار — پہنی قبائے خسروِ عالم بہ افتخار
پہنا زرہ کو خلق میں رحمت کے واسطے
باندھی کمر شفاعتِ امت کے واسطے

رخصت کو اہلِ بیتِ نبی میں گئے امام — قدموں پہ لوٹنے لگیں سیدانیاں تمام
وہ شورِ الفراق کا وہ یاس کے کلام — بچے بھی سر پٹکتے تھے لے لے کے نامِ امام

روتے تھے یوں تو لپٹے ہوئے سب حسینؑ سے
لیکن کلیجے پھٹتے تھے زینبؑ کے بین سے
روتے تھے ماں کے پہلو میں زینبؑ کے نونہال — پر غم میں بھائی کے اُنہیں مطلق نہ تھا خیال
کہتے تھے فخر سے جو ماں کو وہ خوش خصال — کس شان سے مرنے جاتا ہے خیرالنسا کا لال
قربان جاؤں منہ نہ پھرانا لڑائی سے
ہشیار رہیو بعد خدا میرے بھائی سے
قاسم اُسے کوئی کہتی تھی اے میرے نوجواں — چھپ جائے گی اب آنکھوں سے مہر کی شان
اک شور تھا مادرِ علی اکبر کا یہ بیاں — دشوار ہوں یہ دن بھی بچھڑتے ہو میری جاں
رخصت کہاں سے آتے ہو زلفیں سنوار کے
چلمن بہار پہ ہے روتے اُتار کے
دیکھا گیا نہ شاہ سے سیدانیوں کا حال — بس الوداع کر کے چلا فاطمہؑ کا لال
باہر جو آئے روتے ہوئے شاہِ خوش خصال — دیکھا کہ فوج سب ہے مسلح بے جدال
جھک کر سلام نمازیوں نے باادب کیا
گھوڑا سوارِ دوشِ نبیؐ نے طلب کیا
آیا جب لشکرے شب دیز تیز گام — طاؤس و کبک سیکھتے تھے جلوۂ خرام
دامن قبا کا رکھ کے کمر میں بڑھے امام — عباسؑ نے رکاب کو تھاما باحترام
چھوئی قدم سے میں نے ہما عرش زمیں کو
جبریل جھاڑنے لگے شہپر سے زیں کو
بس اوج سے خدا پہ زمین و زماں جھکا — دریا رکا زمیں پہ چلا آسماں چلا
لے کر نشان عشق ولی کا نشاں چلا — دامن بھرے ہوئے علمِ زر فشاں چلا
اختر شمار بخشش سبطِ رسولؐ سے
تنکے نہ تھے زمیں پہ سونے کے پھول تھے

پہنچے جو اس شکوہ سے وہ فاتحانِ دیں
کانپا سپاہِ کفر کے آگے نشانِ دیں
اللہ رے جلوۂ قمرِ آسمانِ دیں
روشن تھا جس کے نور سے سب خاندانِ دیں
افروختہ تھا چہرۂ اقدس جناب کا
حرکت تھی ورزش کی تو جلال آفتاب کا

چلّوں میں جوڑنے لگے واں تیر اہلِ شر
سینے حسینیوں نے ادھر کر دیے سپر
لشکر سے چند گام بڑھے شاہِ بحر و بر
حجت تمام کی یہ نہ سمجھے وہ بد گہر
مطلق نہ تھی تمیز خطا و صواب میں
تیر آئے سرکشوں کی طرف سے جواب میں

عباس نے کہا کہ بجا ہے یہ ہیں شریر
مولا کہاں کلامِ نصیحت کہاں وہ تیر
خاموش ہیں ادب سے جوانانِ بے نظیر
موقع بس اب ہے جنگ کا اے آسماں سریر
کیا قدرتِ خدا ہے کہ روباہ شیر ہوں
جب ان سے چھین لے کوئی دریا تو زیر ہوں

بولے حبیب رزم کی بھی انتہا ہے اب
دیجے رضا جہاد کی یا شاہِ تشنہ لب
گزرے ہیں سات روز کہ ہے سب کو پیچ و تب
بچوں کو بھوک پیاس میں یہ تیسری ہے شب
کٹ جائیں پیاسے حلق ادا سر سے دَین ہو
اب سلسبیل پر کہیں پہنچیں تو چین ہو

فرمایا واں کثیر ہے لشکر یہاں قلیل
اچھا اگر ہو کرمِ خالقِ زمیں ہے کفیل
نزدیک اب ہے کوثر و تسنیم و سلسبیل
دے گا خدا مجاہدوں کو رتبۂ جلیل
ہاں اشتیاقِ خنجرِ قاتل ہمیں بھی ہے
وہ پیش عصر تک یہی منزل ہمیں بھی ہے

یہ سن کے شاد شاد ہوئے وہ راسخ اعتقاد
رخصت انھیں ملی کہ ملا گوہرِ مراد
تیغیں پکڑ پکڑ کے جو نکلے پئے جہاد
میداں سے اکھڑ گئے قدمِ لشکرِ عناد

کس آبرو سے فدیۂ راہِ خدا ہوئے
سر دے کے سب امام کے حق سے ادا ہوئے

نصف النہار تک تھا یہی شورِ کارزار   مرنے کو یہ چلا وہ تڑپ کر گرا مضمحل
رخصت اسے کیا تو اسے ہوئے نثار   جاتے تھے آپ لاشہ اٹھانے کو بار بار

ایک ایک نے سعادتِ عظمیٰ حصول کی
دم نکلے سب کے گود میں سبطِ رسولؐ کی

لٹنے لگا جو گلشن کی بضاعت دمِ زوال   کام آ گئے رن میں جعفر و مسلم کے نونہال
زینب کے نورِ عین بھی جب کر چکے جدال   حضرت کو داغ دے کے سدھارا حسنؑ کا لال

ستر دلیر قتل ہوئے حق کی راہ میں
دو تشنہ کام رہ گئے ساری سپاہ میں

مرثیہ: (۸)

سپاہِ شام میں جنگ کی تیاریاں

جنابِ حرؑ کا نعرۂ حق

نکلے حرم سرا سے امام فلک جناب — برج شرف سے جیسے نمایاں ہو آفتاب
گھوڑے پہ جلوہ گر ہوا سرورِ بُو تراب — در پہ بلکتی رہ گئی زینبؑ جگر کباب
آنکھوں کے سامنے سے سواری نکل گئی
گویا چمن سے بادِ بہاری نکل گئی

پہنچے نہ تھے امام ابھی تا بہ قتل گاہ — جاسوس نے یہ آ کے خبر دی میانِ راہ
قائم ہے لشکرِ شہنشاہِ دیں پناہ — آمادۂ نبرد ہے سب شام کی سپاہ
ناوک فگن کہیں ہیں کہیں نیزہ دار ہیں
میداں سے تا بہ نہر ہزاروں سوار ہیں

ذرّوں کی طرح فوج کا ممکن نہیں شمار — اس گھاٹ پہ فقط ہیں کماں دار دس ہزار
اس سے ادھر کو برچھیوں والوں کی ہے قطار — تیغوں کے جلو میں ہیں سواران ہرزہ کار
پانی سپاہِ شام سے پانا محال ہے
دریا تک نگاہ کا جانا محال ہے

اس دم سالارِ لشکرِ اعدا میں ہے عمر — مولا! کماں لشکر میں ہیں سب خیرہ سر
سردار فوج کے ہیں باندھے ہوئے کمر — تاکیدِ جنگ کرتا ہے ایک ایک کو عمر
اک نوجواں ہے جس اسے پہچانتا نہیں
سب مانتے ہیں پہ وہ جری مانتا نہیں

سردار ہے ہزار سواروں کا وہ دلیر — نعرہ آوراں فوج میں سب اس کے آگے زیر
بجلی سا گھوڑا ہے الگ وہ بسانِ شیر — ہر بار دیکھتا ہے ادھر منہ کو پھیر پھیر

آہوں کے ساتھ آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں
مانندِ بید عضوِ بدن تھرتھراتے ہیں

کہا کیا خطا شعاروں کو اس نے دیا جواب — ہے یہ یقیں کہ اس سے نہ بچھڑے رعب داب
تلواریں کھنچ گئی ہیں اُدھر سے فلک جناب — یاں کی بُرائی سننے کی اس کو نہیں ہے تاب
حد ہے اسے کسی کا بھی پاسِ ادب نہیں
آپس میں جنگ ہو تو کچھ اس کا عجب نہیں

سنتا تھا میں کہ یہ عمرِ سعد نے کہا — آمادہ ہے بہرِ جنگ محمد کا لاڈلا
شہرہ عرب میں تیری شجاعت کا ہے بڑا — جا بیچ راہِ حسین سے تو سوچتا ہے کیا
سرسبز ہونے دے نہ محمد کے باغ کو
جلدی بجھا مزارِ علی کے چراغ کو

قبضے پہ ہاتھ رکھ کے یہ بولا وہ نیک نام — معلوم کر ستمگر یہ میرا نہیں ہے کام
سیدِ عیال دار و غریب الوطن امام — فاقے سے تین روز کے ہیں دور سے تشنہ کام
واجب ہے احترام محمد کی آل کا
ہے کب قصور فاطمہ زہرا کے لال کا

پہلے سے تشنہ کام سے بے ہیبت میں لڑوں — مختار کار ساز کا داور سے میں لڑوں
کافر نہیں جو دین کے رہبر سے میں لڑوں — کھینچوں کس پہ تیغ پیمبر سے میں لڑوں؟
امت کو چاہیے مدد آلِ رسول کی
پاؤں گا کب اُجاڑ کے کھیتی بتول کی

فرمایا شہ نے اس کو خدا دے جزائے خیر — بیگانے سب ہیں تجھ کو کہ کب ہے وہ غیر
روٹھیں گے اس جری کو ہیں وحشی و طیر — کی ہے اس نے جنت میں باغِ ارم کی سیر
اعدا میں تو ہماری محبت کی بو نہیں
وہ ہے تو حر ہے اور کی یہ گفتگو نہیں

یہ کہہ کے قتل گاہ میں آئے امامِ دیں　　کہ حسن فروغِ حسن سے روشن ہوئی زمیں
غرقِ سلاحِ حرب جوانانِ سہ جبیں　　نعروں سے قاتلوں کے لرزتی تھی اوجِ کیں
تلواریں تول تول کے اعدا کو تکتے تھے
شعلے بھڑکتے تھے وہ دشمن پہ گیسو کھلتے تھے

چلایا ابنِ سعد جفا پیشہ و شریر　　ہاں ابنِ فاطمہؑ پہ چلیں ہر طرف سے تیر
کھینچے ہوئے کمانیں بڑھا لشکرِ کثیر　　چلایا حُر کہ قہرِ خدا سے ڈرو اے امیر
خوں کس کا ہو گا تیر یہ کس کو لگائے گا
کیا سینۂ نبیؐ کو نشانہ بنائے گا

اس نے کہا کہ ہاں یہی ہووے گا لاکلام　　ہم سے تجھے علاقہ ہے یا دشمنوں سے کام
حُر نے کہا کہ او ستم آرا زباں کو تھام　　سبطِ رسولؐ ہے مرا محسن مرا امام
تو دشمنِ نبیؐ ہے ترا کیا شریک ہوں
جن کی طرف خدا ہے انہیں کا شریک ہوں

بولا عمر یزید سے کرتا ہے انحراف　　بگڑی تھی بات واں بھی نہ ہو گی خطا معاف
اس نے کہا یہ باتیں ہیں سب عقل کے خلاف　　واللہ ہے حسینؑ کا دل آئینے سے صاف
ایسے نہیں کہ دوست کو اپنے خجل کریں
تو بھی اگر چلے تو خطائیں بحل کریں

اس نے کہا خلافِ شجاعت ہے یہ کلام　　تجھ کو برا کہیں گے شجاعانِ روم و شام
حُر نے کہا رہے گا ابد تک ہمارا نام　　عاقل ہیں جتنے مدح کریں گے وہی مدام
اس کثرتِ سپاہ پہ تو ڈر سے زرد ہے
تھوڑوں کا جو شریک ہو جا کر وہ مرد ہے

تجھ کو برا کہے تو کہے سب کم جہول　　مرنا قبول آگ میں جانا نہیں قبول
اب سر مرا ہے اور قدمِ نائبِ رسولؐ　　بے دیں کی بے یقیں کی اطاعت سے کیا حصول

کچھ مال سے غرض ہے نہ اب زر سے کام ہے
خوشنودیِ خدا و پیمبر سے کام ہے
مقتل سے یوں تو جاتا تھا سوئے جانب امام   روکے تو حر کو آ کے تا لشکر ستم
چمکا فرس ادھر کے جو با صد احتشام   طاؤس کی طرح سے اٹھا اسپ خوش قدم
ہاں ہاں کیا کیے پہ وہ سن سے نکل گیا
آئی صدا کہ چاند گہن سے نکل گیا

بارگاہ امام علیہ السلام میں جنابِ حُرؑ کی حاضری

جب آدھی راہ کر چکا وہ خستہ تن نمود　　بیٹے سے قسم کے لئے بولا وہ نکو سیر
یہ دستگیر خلق کا مجرم ہوں اے پسر　　ڈر کاٹ ڈال ہاتھ مرے تیغ کھینچ کر

دستِ خدا پدر ہے شہِ کائنات کا
ہاتھ آئے گا وسیلہ اسی میں نجات کا

رو کر کہا پسر نے ابھی سے یہ کیا عذر ور　　پہلے چلو تو ابنِ یداللہ کے حضور
آقا وہ تم سے خود ہیں نہ تم ہو ان سے دور　　تب کاٹیو یہ ہاتھ نہ بخشیں گے جب قصور

چل کر امام پاک کے دامن کو تھام لو
فردوس ہاتھ آئے وہ ہاتھوں سے کام لو

اس نے کہا پسر سے کہ غیرت ہے تو شعار　　رومال سے تو باندھ دے دستِ گنہگار
باندھے پسر نے دستِ پدر ہو کے بے قرار　　ہاتف نے دی صدا کہ ہوا اب یہ رستگار

بہرِ خدا مغفرت میں گنہگاروں کو ڈال دو
باندھے ہیں اس نے ہاتھ مرے مرشد کھول دو

واں سے چلا غلام ادھر سے بڑھے امام　　دیکھا جو حُر نے آتے ہیں شاہِ فلک مقام
گھوڑے سے کود کر یہ پکارا وہ نیک نام　　صدقے ترے کرم کے میں اے قبلۂ امام

مجرم ہوں بہت شہِ والا صفات سے
بندھے ہیں ہاتھ قطع کرو اپنے ہاتھ سے

پھیلا کے ہاتھ کہنے لگے شاہ دیں پناہ　　تم جا ملے ہو ہم سے روکی تھی ہماری راہ
ہے گو تو دوست ہم تو ہیں دشمن کے خیر خواہ　　تیری نہ کچھ خطا ہے نہ یہ قصور ہے بے گناہ

تجھ کو نہ بخش دیں یہ کسی سے مقدور ہے
روکا تھا ہم کو رات نے تو بے قصور ہے

یہ کہہ کے ہاتھ کھول دیے اس کے شاہ نے　　لپٹا لیا گلے سے رسالت پناہ نے
پونچھا غبار چہرے کا شیرِ الٰہ نے　　ذرّے کو مہر کر دیا زہرا کے ماہ نے
حُر کے قدم کی آ کے ملک خاک لے گئے
مہماں کو اپنے پنجتن پاک لے گئے

جب سب سے مل چکا تو یہ حُر نے کیا کلام　　امیدوارِ حرب کی رخصت کا ہے غلام
بہتر یہ اس سے کہ نکلتا ہے تشنہ کام　　اک دم تو گھر میں فاقہ کشوں کے کریں قیام
ہم پہلے داغِ خویش و برادر کے دیکھ لیں
تم ہم کو دیکھو ہم تجھے جی بھر کے دیکھ لیں

حُر نے کہا بہشت میں ہے آپ کا تو گھر　　ہوگا وہیں مقام کیا یاں سے جب سفر
خادم کو اب نہ روکیے یا شاہِ بحر و بر　　شہ نے کمر کو ہاتھوں سے تھاما جھکا کے سر
بچھڑے ہے ایسا دوست تو کیا دل کو کل پڑے
رخصت تو دی پر آنکھوں سے آنسو نکل پڑے

چڑھنے لگا فرس پہ جو با دیدۂ پُر آب　　عباسِ نامدار بڑھے تھامنے رکاب
کی عرض حُر نے تب کہ یہ کیا خلق جناب　　عباس نے کہا تری خدمت ہے با ثواب
شیدائے جاں نثارِ امامِ انام ہوں
تو جن کا میہماں ہے میں ان کا غلام ہوں

شہادت جنابِ حُرؑ

چڑھ کر سمند پر جو چلا وہ بصد حشم — پیچھے پیادہ روتے چلے سیدِ امم
گھبرایا حُر تو کہنے لگے شاہِ باکرم — مجھ کو مشایعت کو تو چلنے دے ہمدم
زہراؑ بھی تیرے ساتھ ہیں حیدرؑ بھی ساتھ ہیں
تنہا نہیں حسینؑ پیمبرؐ بھی ساتھ ہیں

حُر نے کہا کہ ہوتا ہے خادم گناہ گار — کیوں کر رہوں حضور پیادہ ہیں میں سوار
یہ سن کے واں سے روتے پھرے شاہِ نامدار — میداں میں حُر پہنچ گیا چمکا کے راہوار
بازارِ حرب گرم تھا جو سرد ہو گیا
دہشت سے ابنِ سعد کا منہ زرد ہو گیا

دیکھا سپاہ کاروں نے جب بڑھ کے حُر کا نور — غُل پڑ گیا یہ حُر ہے یا روشنیٔ طور
حُر نے کہا کہ عقل کا تم سب کے ہے قصور — حُر ہوں غلامِ شہ کا فرشتہ ہوں میں نہ حُور
ہے روشنی جو رُخ پہ فزوں مہر و ماہ سے
خلعت ملا ہے نور کا سرکارِ شاہ سے

وہ لُٹ رہا ہے خُلد جسے ہو طلب وہ جائے — ممکن نہیں کہ وقت پھر ایسا جہاں میں پائے
لے جائے جان بیچ کے جو جس کے ہاتھ آئے — ایسا سخی نہیں جو کسی سے وہ منہ پھرائے
ہے دوست پر حلال عدو پر حرام ہے
سرکار ابنِ فاطمہؑ کا فیضِ عام ہے

مجھ سے ہو راہِ راست تو رہبر کے پاس جاؤ — دنیا محل فریب کا ہے دام میں نہ آؤ
دوزخ کی راہ چھوڑ کے گھر خلد میں بناؤ — مجھ کے جو غفلتوں کے تو جل بجھ گئے بچاؤ
زہراؑ کا نورِ عین تمہارا کفیل ہے
پیاسو چلو کہ چشمۂ کوثر سبیل ہے

کعبے سے منہ پھرا کے نہ ہو سالکِ کنشت — لازم ہے عاقلوں کو کہ ہو ترکِ فعلِ زشت
سرسبز یاں نہ ہوگی کبھی عاقبت کی کشت — وعدہ کر رہے ہیں اُدھر خُلدِ بہشت
دینِ نبی میں آؤ نہ کافر کا ساتھ دو
دستِ خدا کے لال کے ہاتھوں میں ہاتھ دو

دیکھو مری طرف میں وہی ہوں جو تھا اُدھر — یاں نور تھا کہیں مرے چہرے پہ جلوہ گر!
یہ دبدبہ یہ سادگی یہ حشمت یہ کر و فر — مولا کی اک نگاہِ عنایت کا ہے اثر
پڑھتے ہوئے درود ملک ساتھ آئے ہیں
یہ سب شرف حسینؑ کے صدقے میں پائے ہیں

اس گفتگو سے حُر کی ہوئے اہلِ کیں خجل — کانپے بدن لرزنے لگے چھاتیوں میں دل
کتنے جواں تو رونے لگے ہو کے منفعل — چلّایا شمر آن کے ہر صف کے متصل
مارو اسے کچھ اس کے نہ ہونے کا غم نہیں
دشمن کا ہو جو دوست وہ دشمن سے کم نہیں

یہ سُن کے حُر پہ چلنے لگے تیر بے شمار — نیزے ہلا ہلا کے صفوں سے بڑھے سوار
تیغیں ہوئیں بلند چلے برچھیوں کے وار — لشکر میں مثلِ شیر آیا وہ نامدار
پہلے ہی جن کے وار چلے تھے سو چل گئے
دیکھی جو تیغ حُر کی چمک دم نکل گئے

چہرے چھپائے پشت دکھائی کو گول کے — پیچھے بہت بڑھے تھے جو تیغوں کو تول کے
بھاگے سوار پھر تو پیادوں کو رول کے — پہنچا وہ شیر بیچ میں اعدا کے غول کے
غل تھا کہ آج خاتمہ لشکر کا ہو گیا
اک اک قدم پہ ڈھیر تن و سر کا ہو گیا

دہشت سے سہم کر قدر انداز مر گئے — مُنہ پھر گئے کمانوں کے چلّے اُتر گئے
ترکش سے تیر گر کے زمیں پہ بکھر گئے — ہرگز ملا نہ گوشۂ راحت جدھر گئے

مانند سرکشوں نے جو کھولا خط کیا
تقدیر نے نشانۂ تیرِ قضا کیا

گھوڑا تھا وہ برق تھا کہ جو باگ اسے چلائے افلاک پر سمندِ نظر کی طرح سے جائے
اس کے قدم کی گرد کو مرغ بھی نہ پائے پیکِ خیال و وہم یہ سرعت کہاں سے لائے
جس غول پر گرا تو اٹھا اس شکوہ سے
پرواز کبک کرتا ہے جس طرح کوہ سے

بجلی سی تیغ شعلہ فشاں چار سو پھری میداں میں بھاگتی ہوئی فوجِ عدو پھری
دم میں ستمگروں کا سب کر لہو پھری سر کاٹ کر جدھر سے پھری سرخرو پھری
وار وہ تیغ قدرتِ حق سے عیاں ہوا
گویا ہلالِ عید شفق سے عیاں ہوا

غلطاں تھے تن زمیں پہ کٹا اور سر جدا زخمی ادھر پڑے تھے جدا اور ادھر جدا
گردن جدا تھی سینہ جدا اور دھڑ جدا شانے سے ہاتھ ہاتھ سے تیغ و سپر جدا
پستی پہ جب چمک کے بلندی سے آتی تھی
اور زمیں کے تلے تھرتھراتی تھی

مارا سپر پہ جب تو سپر سے نکل گئی دو کر کے خود کاسۂ سر سے نکل گئی
آئی ادھر سے گر تو ادھر سے نکل گئی سینے کو چاک کر کے کمر سے نکل گئی
ضربت سے چار آئینہ والے بھی دنگ تھے
کٹتے تھے وہ تیغ پہ جو بجلی کے رنگ تھے

تن بیکسوں زمیں پہ بے سر دکھا دیے اجزائے جسم خاک پہ ہر سو دکھا دیے
چشمِ غضب نے شیر کے تیور دکھا دیے ہاتھوں نے زور تیغ نے جوہر دکھا دیے
یوں جست کی سمند نے دشمن کو روند کر
بجلی فلک سے گرتی ہے جس طرح کوند کر

یوں تن سے سر گراتی تھی شمشیرِ آبدار　　جیسے رگِ سحاب کبھی ہو شرر گہر بار
دو ہو گیا وہ صاف کیا جس پہ ایک وار　　غلطاں سروں سے تھے کہیں پیدل کہیں سوار
ہر صف میں اس جری کی لڑائی کا زور تھا
ہر غول میں شقی کی دہائی کا شور تھا

چلائے تب حسینؑ کہ بس اے دلیر بس　　مقتل میں ہر طرف ہوئے لاشوں کے ڈھیر بس
اعدا دہائی دیتے ہیں گھوڑے کو پھیر بس　　امت ہے یہ نبیؐ کی بس اے ببر شیر بس
شاباش! حقِ دوستیِ پنجتن ہے یہ
غربت میں اب دکھا کر ہمارا چلن ہے یہ

یہ سن کے ہاتھ روک لیا اس جری نے جب　　گھیرا گھر کے ٹوٹ پڑے اس پہ لوگ سب
یاں غم سے بے قرار ہوئے شاہِ تشنہ لب　　تیغوں کے وار چلنے لگے حُر پہ بے غضب
کاری جو زخم تن پہ لگے اس دلیر کے
تکنے لگے حسینؑ کو منہ پھیر پھیر کے

سینے سے جب کہ ہو گئی برچھی ستم کی پار　　گھوڑے پہ ڈگمگانے لگا حُرِ نامدار
رکھ کر جگر پہ ہاتھ پکارا وہ دل فگار　　اے فاطمہؑ کے لال یہ خادم ہوا نثار
اب شفقتِ امامِ حجازی کا وقت ہے
آقا یہی غلام نوازی کا وقت ہے

جس دم سنی امامِ اُمم نے صدائے حُر　　چھاتی پہ ہاتھ مار کے بولے کہ ہائے حُر
رو کر کہا رفیقوں سے دیکھی وفائے حُر　　لے کے یہیں چلے کی زینب ہوائے حُر
کھینچی جو حُر نے آہ دلِ بے قرار سے
نکلی تڑپ کے فاطمہؑ زہرا مزار سے

دوڑے ادھر سے رن کی طرف سیدِ امم　　آئے نجف سے حیدرِ صفدر بچشمِ نم
آواز دی نبیؐ نے کہ ٹھہرو کہ آئے ہم　　اس وقت پہنچے شاہ کہ وہ توڑتا تھا دم

سر کاٹنے کی فکر میں جو تھے وہ ہٹ گئے
میداں سے اپنے دوڑ کے حضرت لپٹ گئے

زانو پہ رکھ لیا سرِ حُر اور یہ کہا   بھائی حسینؑ آیا ہے آ ہوش میں ذرا
آنکھیں قدم پہ مل کے یہ بولا وہ باوفا   مولا ہزار جان سے میں آپ پر فدا
جن کے لیے زمیں پہ فلک سر جھکاتے ہیں
وہ لوگ خلد سے مرے لینے کو آئے ہیں

زانو پہ سر ہے آپ کے یا شاہِ بحر و بر   محبوبِ کبریا ہیں ادھر شیرِ حق اُدھر
یہ کون بی بی ہیں مرے پہلو میں نوحہ گر   شہ نے کہا کہ روتی ہیں اماں برہنہ سر
تا حشر تک امامِ دو عالم کے ساتھ ہے
ماتم ترا حسینؑ کے ماتم کے ساتھ ہے

یہ سنتے سنتے غیر ہوا اس جری کا حال   زانو پہ شاہِ دیں کے کیا حُر نے انتقال
خیمے کے در پہ لاش کو لایا مشکل کا لال   سب بیبیوں نے کھول دیے اپنے سر کے بال
زینب یہ روئی شہ کے فدائی کے واسطے
جیسے بہن تڑپتی ہے بھائی کے واسطے

— — —

مرثیہ : (۹)

احبابِ انصارِ امام حسینؑ کے اوصاف اور حضرت حبیب ابنِ مظاہر کی شہادت کا بیان

کیا فوجِ حسینیؑ کے جوانانِ حسیں تھے — کیا زاہد و ابرار تھے کیا صاحبِ دیں تھے
آگاہ دل و اہلِ وفا اہلِ یقیں تھے — غنچہ دہن و مہر لقا ماہ جبیں تھے
ایک ایک کے مرقد پہ فدا ہوتی ہے زہراؑ
عاشور سے بس آج تلک روتی ہے زہراؑ

وہ عاشقِ صادق تھے وہ تھے مومنِ کامل — دی تھی انہیں خالق نے تمیزِ حق و باطل
کیا ہوش تھا کیا فہم تھی کیا عقل تھی کیا دل — کیا خوشی سے طے کر گئے وہ عشق کی منزل
محرابِ عبادت خمِ شمشیر کو سمجھے
جادہ وہ مسافر دمِ شمشیر کو سمجھے

دنیا کے نہ خواہاں تھے نہ تھی خواہشِ اجلال — تھے دوست فقیروں کے نہ تھی حبِ زر و مال
نے یادِ وطن تھی نہ انہیں الفتِ اطفال — شبیرؑ کے عاشق تھے زہے بختِ خوشا حال
مذکور یہ تھا جی سے گزر جائیں گے پہلے
اس بات پہ مرتے تھے کہ مر جائیں گے پہلے

کلمہ کوئی پڑھتا تھا کوئی ذکر کناں تھا تکبیر — قاری کوئی قرآں کا کوئی ماہرِ تفسیر
تھی پیشِ نظر گلشنِ فردوس کی تعمیر — تھا شوق کہ اب حوروں سے ہو دیں بغلگیر
لے پیاس کا صدمہ تھا نہ جانوں کی پڑی تھی
ایک ایک کی کوثر کی طرف آنکھ لڑی تھی

مقبولِ خدائے دو جہاں تھے وہ جوانمرد — مر جانے پہ سرگرم تھے اور زیست سے دل سرد
یک ایک جری دفترِ کونین میں تھا فرد — تابندہ تھے خورشید کی صورت رخ پر گرد

ایسے کسی تسبیح کو کب دانے ملے ہیں
کس شمع کو اس طرح کے پروانے ملے ہیں

مستِ مئے عرفاں تھے وہ سب عاقل و ذی ہوش   تھی غیر خدا سب کی انہیں یاد فراموش
دنیا سے بری بار علائق سے سبکدوش   دل یادِ الٰہی میں جو دیکھو تو خاموش
ہر دم سرِ تسلیم تھا خم راہِ خدا میں
بڑھتے چلے جاتے تھے قدم راہِ خدا میں

وہ صورتِ حسن اور وہ اثر دار دعائیں   وہ چاند سے رخ اور وہ نورانی عبائیں
وہ ان کی عباؤں کے تلے تنگ قبائیں   وہ دوش پہ شملے وہ عمامے وہ ردائیں
نے حور میں یہ حسن نہ انساں نہ پری میں
گویا ملک اترے تھے لباسِ بشری میں

ہمت سے توانا یہ ریاضت سے بدن زار   مرنے پہ کمر باندھے شہادت کے طلبگار
غربت، الم، فاقہ کشی، زردیِ رخسار   سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ عیاں پیاس کے آثار
تسبیحِ خدائے دو جہاں وردِ زباں تھی
بیداریِ شب نرگسی آنکھوں سے عیاں تھی

محبوبِ خدا صاحبِ دیں زاہد و ابرار   ایسے نہ پیمبرؐ کو ملے یاور و انصار
برسوں جو رہے چرخ میں یہ گنبدِ دوّار   پیدا نہ ہوں اس طرح کے احبابِ وفادار
حق ہم سے غلامی کے ادا ہو نہیں سکتے
کٹوائے سر ان لوگوں نے ہم رو نہیں سکتے

کیا کیا نہ اذیت تھی پہ تھے صابر و شاکر   مولا کی محبت تھی ہر اک بات میں ظاہر
سر دینے کو موجود فدا ہونے کو حاضر   اس بھوک میں ثابت قدم ایسے ہی یہ صابر
کھائے تبر و تیر یہ غم خواری کا حق تھا
وہ کر گئے غازی جو وفاداری کا حق تھا

مرقوم ہیں قرآں میں رتبے شہدا کے   یہ جاں ہوئے پردیس میں کیا رنج اٹھا کے
وہ چاہنے والے تھے امام دوسرا کے   طالب تھا خدا ان کا وہ طالب تھے خدا کے
دنیا میں یہ تحصیل سعادت کا صلہ تھا
آقا بھی انہیں سبط پیمبرؐ سا ملا تھا

حقا کہ عجب فوج تھی فوج شہ ابرار   جن لوگوں کا عباسؑ دلاور سا علمدار
ہم شکل پیمبرؐ سا جواں فوج کا سالار   مختار وہ مختار تھا جو خلق کا مختار
ایسا کسی سردار نے لشکر نہیں پایا
لشکر نے بھی اس طرح کا افسر نہیں پایا

چہرے تھے خدا نے یہ قدرت سے سنوارے   زیبندہ تھے اس چاند کو ایسے ہی ستارے
کس صبر سے آفت میں کئی روز گزارے   شبیرؑ کے شیدا تھے وہ اللہ کے پیارے
بڑھ بڑھ کے گلا رکھتے تھے شمشیر دو دم پر
سر کٹ کے جو گرتے تھے تو آقا کے قدم پر

کہتا تھا کوئی آج کا مرنا ہے سعادت   سرتا بہ قدم خوں میں بھرنا ہے سعادت
خنجر کے تلے حلق کو دھرنا ہے سعادت   سر سے رہ خالق میں گزرنا ہے سعادت
پانی میں وہ لذت نہ وہ کھانے میں مزہ ہے
جو آج کے دن حلق کٹانے میں مزہ ہے

تھے دہنی طرف جمع عزیز شہ ذی شاں   جن کے رخ روشن سے منور تھا وہ میداں
زہراؑ کے جگر بند محمدؐ کے دل و جاں   تلواروں کو تولے ہوئے سب جنگ کے خواہاں
میداں میں عجب رنگ میں مرنے پہ تلے تھے
حیدرؑ کے مرقع کے ورق رن میں کھلے تھے

اٹھارہ تھے فرزند پیمبرؐ کے یگانے   اک رشتے میں جس طرح ہوں تسبیح کے دانے
پالا تھا انہیں گود میں شاہ شہداؑ نے   عاشور کو ہاتھ ان پہ کیا صاف قضا نے

وہ فاطمہؑ کے نخل جو پھولے نہ پھلے تھے
مقتل میں ستمگاروں کی تیغوں کے تلے تھے
کچھ طفل تھے اور تازہ جواں تھے کئی خوش رو　　خوش ظاہر و خوش باطن و خوش قامت و خوشخو
وہ چاند سے رخ اور وہ گوندھے ہوئے گیسو　　تھی کوسوں تلک ان فاطمہؑ کے پھولوں کی خوشبو
مر جائیں گے جانتے ہیں قسم کھائے ہوئے تھے
پانی کا جو تھا قحط تو مرجھائے ہوئے تھے
کیا حضرت مسلمؑ کے یتیموں کا کہوں حال　　نُہ سالہ و دہ سالہ تھے وہ صاحبِ اقبال
منہ چاند سے اور لٹکے ہوئے گیسوؤں کے بال　　پوشاک سیاہ جسم میں اور دھوپ سے نڈھال
وہ چاند سے رخ گردِ یتیمی سے اٹے تھے
اور ماتمی کپڑوں کے گریبان پھٹے تھے
ماموں کے قریں زینبؑ دلگیر کے دلدار　　اک حیدرِ کرار تھا اک جعفرؑ طیار
انگڑائیاں لے لے کے یہی کہتے تھے ہر بار　　کچھ دھیان پہ چڑھتا نہیں یہ لشکرِ جرار
اک دم میں فنا ہوں گے جو لاکھوں ہیں تو کیا ہیں
روباہ ہیں وہ ہم پسرِ شیرِ خدا ہیں
اور تین تھے لختِ جگرِ شبرؑ ذی جاہ　　عبداللہ و زید حسنؑ و قاسمؑ نوشاہ
دولہا کے سن و سال کا کیا حال لکھوں آہ　　کل تیرہ برس کا تھا یہ تھا چودھویں کا ماہ
دن گنتی تھی ماں بیٹے کی شادی کی ہوس میں
دولہا بھی بنے مر بھی گئے تیرہ برس میں
عباسؑ سوا پانچ تھے فرزندِ یداللہ　　ششدر تھا جنہیں دیکھ کے سب لشکرِ گمراہ
ایک ایک دلاور تھا ہژبرِ صفِ جنگاہ　　شیروں کو دمِ حرب سمجھتے تھے وہ روباہ
غازی تھے بہادر تھے ولی ابنِ ولی تھے
سب قوتِ بازوئے حسینؑ ابنِ علیؑ تھے

عباسؑ علی حیدرؑ صفدر کا نشاں تھا — بس لشکرِ اسلام میں وہ شیرِ ژیاں تھا
لکھا ہے کہ بتیس برس کا وہ جواں تھا — چہرے سے جلالِ اسداللہؑ عیاں تھا
اعلیٰ نہ ہو کیوں ایسے علمدار کا رتبہ
خالق جسے دے جعفرؑ طیار کا رتبہ

کیا وصف جنابِ علی اکبرؑ کروں تحریر — حسنِ نبوی خلقِ حسنؑ غربتِ شبیرؑ
اٹھارہ برس کا تو سن اور صاحبِ توقیر — تھا شور کہ انساں ہے کہ ہے نور کی تصویر
شوکت ہے سراپا میں رسولؐ دوسرا کی
ایسے بھی بشر ہوتے ہیں قدرت ہے خدا کی

تھے بیچ میں اس غول کے شاہنشہِ عالم — گردوں پہ ستاروں میں تھا وہ نیرِ اعظم
دریائے کرم رحمتِ حق نورِ مجسم — فخرِ دو جہاں قبلۂ دیں سیدِ اکرم
غل تھا کہ عجب شوکت و شانِ شہِ دیں ہے
ذرّے سب اسی کے ہیں یہ خورشیدِ زمیں ہے

ناگاہ بجا فوجِ عدو میں طبلِ جنگ — کھلنے لگے ہر صف کے علم سیاہ رنگ
لشکر کے زرہ پوشوں نے گھوڑوں کے کسے تنگ — جا خالی نہ تھی فوجِ ستم میں کی زمیں تنگ
بے دینوں کے دل قبلۂ ایماں سے پھرے تھے
ہفتاد و دو تن لاکھ سواروں میں گھرے تھے

دریا تھا سمندر کی طرح لشکرِ کفار — جوں موج نظر آتی تھی تلوار پہ تلوار
کیا دخل نظر جائے جو اس پار سے اس پار — بے خوں میں ہوئے غرق جو اس کے تھا دُشوار
پانی تھے جگر پیاس سے اولادِ علیؑ کے
خشکی میں تباہی تھی سفینے پہ نبیؐ کے

تھے گھاٹ پہ دریا کے صف آرا قدر انداز — تاب سے کب عدو جنہیں دیکھ کے پرواز
پیغامِ اجل ان کے ہر اک تیر کی آواز — ایک ایک کا تھی قدر اندازی پہ تھا ناز

جوڑے ہوئے تیروں کو جمائے ہوئے صف کو
رخ سب کے جگر گوشۂ زہراؑ کی طرف کو

واں ہوتی تھی قتل شہِ مظلوم کی تدبیر — تھے یاں کے بھی تھوڑے سے جواں دست بہ شمشیر
غل خیمے میں تھا ہائے غضب گھر گئے شبیرؑ — بیتاب تھی سر کھولے ہوئے شاہ کی ہمشیر
گر پڑتی تھی غش کھا کے جو غل ہوتا تھا رن میں
چادر نہ سنبھلتی تھی یہ رعشہ تھا بدن میں

یاں تھا یہ تلاطم کہ چلے تیر اُدھر سے — عباسؑ بچانے لگے حضرت کو سپر سے
تلواریں نکلنے لگیں شیروں کی کمر سے — لڑنے کا لیا اذن شہِ جن و بشر سے
کہتے تھے کہ رن میں کہیں تلوار نہ چل جائے
دھڑکا تھا کہ ہم سے کوئی پہلے نہ نکل جائے

پہلے حُرِ غازی نے صفیں کیں تہ و بالا — پھر بھائی گیا رن میں ہلاتا ہوا بھالا
فرزند نے رہوار کو چمکا کے نکالا — تینوں جو ہوئے قتل تو روئے شہِ والا
کہرام تھا مہماں کے لیے اہلِ حرم میں
رونے کو بتولؑ آئی تھی میدانِ ستم میں

میداں میں مسلم پسرِ عوسجہ آیا — تلوار جو کھینچی تو ہزاروں کو بھگایا
جس دم وہ گرا شہ نے بصد رنج اٹھایا — چھاتی سے کئی مرتبہ زخمی کو لگایا
لاشے سے گلے مل کے جدا ہوتے تھے شبیرؑ
عورات میں غل ہوتا تھا جب روتے تھے شبیرؑ

ضرغامہ و وہب و انس و ملکِ دیندار — حجاز و زہیر و اسدی عامر و عمار
عمران و شبیب و عمر و شوذبِ ابرار — قربان حسینؑ ابنِ علیؑ ہو گئے اک بار
جس سمت یہ جاں باز تھے خالی وہ پڑا تھا
دو روز تلک دشتِ ستم خوں سے بھرا تھا

باقی جو رفیقِ شہِ دیں رہ گئے دو چار　　　حسرت سے انہیں دیکھتے تھے سیدِ ابرار
کی بڑھ کے حبیب ابنِ مظاہر نے یہ گفتار　　　یہ پیر غلام اب ہے اجازت کا طلبگار
بندے کو بھی مرنے کی رضا دیجیے آقا
فردوس کے رستے پہ لگا دیجیے آقا
اوروں نے تو سرور سے کے بڑا مرتبہ پایا　　　زیرِ دمِ شمشیر ہر اک خوں میں نہایا
چھاتی سے انہیں احمدِ مرسل نے لگایا　　　میں بھی اسی دولت کی ہوں امید میں آیا
وہ کیجیے کہ شرمندہ نہ ہوں آپ کے جد سے
جنت میں پہنچ جاؤں گا آقا کی مدد سے
حقا کہ سخی ابنِ سخی کا ہے یہ دربار　　　محروم یہاں سے کوئی جاتا نہیں زنہار
آقا مرا وہ ہے جو خدائی کا ہے مختار　　　حُر کو ابھی پہنچا دیا کس رتبے پہ اک بار
بے قدر ہوں افلاک جو نظروں سے گرا دے
جس ذرّے کو چاہے اسے خورشید بنا دے
پہنچا ہے ہر اک فیض کو حضرت کی بدولت　　　پاتا ہے کوئی حور کوئی حُلّۂ جنّت
رہنے کو مکاں خلد میں ہوتے ہیں عنایت　　　محبوبِ خدا بخشتے ہیں خلعتِ رحمت
اب دیر جو ہوتی ہے مرے دل کو قلق ہے
بچپن کا یہ خادم ہے کچھ اس کا بھی تو حق ہے
حضرت نے سنا دردِ دل اس دوست کا جس دم　　　اک آہ بھری سرد اور آنکھیں ہوئیں پُرنم
فرمایا کہ اے یارِ قدیم اے مرے ہمدم　　　اس وقت مجھے اپنی جدائی کا نہ دے غم
ہے کون رفیقوں میں بجز پاس ہمارے
اک چاہنے والا تو رہے پاس ہمارے
منظور نہیں مجھ کو کہ تو مجھ سے جدا ہو　　　باقی ہے جو کچھ زیست بسر ایک ہی جا ہو
یہ ساتھ غنیمت ہے ستم ہو کہ جفا ہو　　　تنہائی میں پھر مجھ پہ خدا جانے کہ کیا ہو

جو دوست ہے میرا اُسے پہچانتا ہوں میں
بھائی تجھے بھائی سے سوا جانتا ہوں میں

ہے عالم طفلی سے تجھے جس سے محبت   وہ آج ہے دنیا میں گرفتار مصیبت
ہے یاں سے قریں قبر شہنشاہ ولایت   جا بیٹھ نجف میں کہ ملے گی تجھے راحت

مشہور وہ دربار شہ عقدہ کشا ہے
دنیا میں غریبوں کے لیے امن کی جا ہے

رویا یہ سخن سن کے حبیب جگر افگار   گر کر قدم شاہ پہ یہ کی عرض بہ تکرار
قربان ترے اے خلف حیدرؑ کرار   اس وقت کہاں جائے یہ بچپن کا نمک خوار

فردوس میں جانا مجھے منظور ہے آقا
جنت تو ہے نزدیک نجف دور ہے آقا

ہرچند کہ ہے عالم پیری سے نقاہت   باقی ہے مگر جسم میں ایماں کی حرارت
جب دیکھتا ہوں آپ کو آجاتی ہے طاقت   بھرتا ہے جوانوں کی طرح جوش شجاعت

بے سر دیے مولا مجھے آرام کہاں ہے
گو پیر ہوں دل مرا مرنے پہ جواں ہے

جب شہ نے سنی ابن مظاہر کی یہ تقریر   بچپن کا خیال آیا تو رونے لگے شبیرؑ
فرمایا کہ مجبور ہوں جو خواہش تقدیر   دکھلاتا ہے احباب کی فرقت فلک پیر

چلتا ہے تو پھر یار موافق نہیں ملتا
سب ملتے ہیں پر عاشق صادق نہیں ملتا

خاطر شکنی دوست کی مجھ کو نہیں منظور   کچھ بن نہ پڑا روک چکے اپنے بہ مقدور
منظور نظر یہ تھا کہ آنکھوں سے ہوں دور   تقدیر کی تحریر سے شبیرؑ ہے مجبور

گو پیچھے رہے جاتے ہیں پھر آئیں گے ہم بھی
منزل پہ سر شام پہنچ جائیں گے ہم بھی

اتنے میں رجز پڑھ کے پکارا وہ خوش انجام   اے قوم حبیب ابن مظاہر ہے مرا نام
ہشیار کہ اب میاں سے کھنچی ہے یہ صمصام   وار اس کا ہے دشمن کے لیے موت کا پیغام
یہ تیغ نہیں وہ جو دم ضرب رُکے گی
میں تم سے رکوں گا نہ مری ضرب رُکے گی

یہ سُن کے پکارا عمر سعد جفاکار   آتا ہے بڑا سبطِ پیمبرؐ کا مددگار
اس پیر کو مہلت نہ دیا چاہیے زنہار   بڑھ کر کہا غازی نے کہ او ظالم غدّار
میں تیری طرح دشمن شبیرؑ نہیں ہوں
ہوں پیر تو عشق پہ بے پیر نہیں ہوں

گو ہاتھوں میں رعشہ ہے او ظالم گمراہ   گر کوہ کو چاہوں تو اکھاڑوں صفتِ کاہ
ان ہاتھوں کی قوت سے ابھی تو نہیں آگاہ   ہے قدر شناس ان کا جگر بند یداللہ
پیری ہے جو ہے پشت خمیدہ تو بجا ہے
جس خاک میں جانا ہے ادھر سر بھی جھکا ہے

میں وہ ہوں کہ جو فخر کروں ہے وہ سزاوار   دیکھا ہے محمدؐ کا انہیں آنکھوں نے دیدار
چوما کیا اکثر قدمِ حیدرِ کرار   زہراؑ کی نوازش رہی شبیرؑ نے کیا پیار
بچپن سے مجھے عشقِ امامِ دو جہاں ہے
اب ساتھ ہے شبیرؑ کا اور سیرِ جناں ہے

پیری سے سب روشن کہ چراغ سحری ہوں   دنیا سے کوئی دم میں عدم کا سفری ہوں
آقا مرا شاہد ہے کہ عصیاں سے بری ہوں   دیندار ہوں غازی ہوں مجاہد ہوں جری ہوں
بے خوف چلا جاتا ہوں میں شیر کے منہ پر
دعویٰ ہے تو آؤ مری شمشیر کے منہ پر

مشہور ہے دنیا میں کہ یک پیری و صد عیب   جرأت میں کسی کا نہ شباب اور نہ مرا شیب
ہر دم ہے عنایات خدائے مدد غیب   شک اس میں نہیں بندۂ شبیرؑ ہوں لاریب

تلواروں سے سو ٹکڑے اگر ہو کے گروں گا
اس قبلۂ دیں سے نہ جدا ہوں نہ پھروں گا

آقا مرا وہ ہے جو امامِ ازلی ہے — مظلوم ہے سیّد ہے ولی ابنِ ولی ہے
ہر جنگ میں اکثر مری تلوار چلی ہے — اُس شیر کے پنجے میں پلا ہوں جو علیؑ ہے
تلوار نہ ہو دے گی تو ہاتھوں سے لڑوں گا
ہر طرح سے مر کر اسی میداں میں گروں گا

مینہ تیروں کا برسے تو کبھی منہ کو نہ موڑوں — نیزوں کا ہر اک بند ابھی ہاتھوں سے توڑوں
ہاتھ آؤ تو ٹکرا کے سر ایک ایک کا پھوڑوں — جیتا شہِ مظلوم کے دشمن کو نہ چھوڑوں
کچھ ڈھال کی حاجت نہیں مشتاقِ اجل کو
دانتوں سے چبا جاؤں گا تلوار کے پھل کو

ہے کانپتے ہاتھوں میں مرے زورِ خداداد — ہے جنگ اسد اللہ کا انداز مجھے یاد
پکڑوں جو کلائی کو تو ضیغم کرے فریاد — پھر جاتا ہے پنجے سے مرے پنجۂ فولاد
کھا سکتے نہیں دیو دلیروں کا طمانچہ
ہے ضرب مرے ہاتھ کی شیروں کا طمانچہ

شبیرؑ سے بیکس پہ یہ لشکر کی چڑھائی — اے ظالمو کرتے ہو یہ کس گھر کی صفائی
کرتے ہو غضب اس کے نواسے سے بُرائی — پیدا ہوئی ہے جس کے لیے ساری خدائی
فرزندِ پیمبرؐ پہ جفا کرتے ہو یارو
گھر لٹتا ہے زہراؑ کا یہ کیا کرتے ہو یارو

بدعت نہ کرو ہاتھ نہ سیّد پہ اٹھاؤ — ہلتی ہے زمیں عرشِ خدا کو نہ ہلاؤ
کعبہ ہے یہ بنیاد نہ اس گھر کی مٹاؤ — شمعِ حرمِ لم یزلی کو نہ بجھاؤ
کون اس کے سوا وارثِ محمدؐ کا نگیں ہے
شبیرؑ سا آقا کوئی دنیا میں نہیں ہے

سمجھانے لگا اُن کے تب ایک ستمگر — ہر چند بہادر ہے تو اے رستمِ لشکر
تیرے زن و فرزند بھی ہوویں گے مضطر — لازم ہے وہ تدبیر کر برباد نہ ہو گھر

گو لختِ دلِ صاحبِ معراج ہے شبیرؑ
حاصل تجھے کیا ہوگا کہ محتاج ہے شبیرؑ
کیوں آپ کو تیروں کا بناتا ہے نشانہ   ساتھ اس کا نہ دے جس سے ہے برگشتہ زمانہ
قبضے میں نہ دولت نہ ریاست نہ خزانہ   دو روز سے پانی نہ میسر ہے نہ دانہ
لازم ہے کنارہ پسرِ شیرِ خدا سے
ہو اس کا ملازم جو سپر بھر دے طلا سے
تھرا گیا یہ سن کے حبیبِ جگر افگار   چلا کے کہا دور ہو او ظالم غدار
فرزند نہ کام آئیں گے مرقد میں نہ گھربار   نے ملک سے مطلب ہے نہ دولت سے سروکار
شبیرؑ کے کام آؤں تو دل شاد ہو میرا
وہ گھر تو لٹے اور گھر آباد ہو میرا!
ممکن ہے کہ سردار پھر اس طرح کا پاؤں؟   فاسق کی طرف دولتِ دیں چھوڑ کے جاؤں!
خاکِ قدمِ شاہ کو آنکھوں سے اٹھاؤں   گر کوہِ طلا ہووے تو ٹھوکر نہ لگاؤں
کیا دے گا کوئی جو مجھے آقا نے دیا ہے
شبیرؑ سے فردوس میں گھر لے لیا ہے
یہ کہتے ہی جولاں کیا شبدیز سبک تاز   اُڑ کر صفِ اعدا پہ گیا صورتِ شہباز
رنگِ رخِ افواجِ ستم کر گیا پرواز   گھوڑا تھا مگر شیر کا تھا جست میں انداز
اک دم میں گیا پار سواروں کے پروں سے
مڑ کر ادھر آیا تو گرے خود سروں سے
چمکی عجب انداز سے اس شیر کی تلوار   گویا سرِ اعدا پہ گری برقِ شرربار
ڈھالوں سے بدن اپنے چھپاتے تھے سیہ کار   اس دستِ زبردست کا رکتا تھا کوئی وار
کچھ بس نہ تھا خود و زرہ سے تن و سر کو
سینے سے گزر جاتی تھی دو کر کے سپر کو

کانپے ہوئے پھل برچھیوں کے رن میں پڑے تھے — سہمے ہوئے گوشوں میں کماندار کھڑے تھے
چھایا تھا ہراس ان پہ ہمیشہ جو لڑے تھے — آنکھیں وہ چراتے تھے بہادر جو بڑے تھے
دہشت سے زرہ پوشوں نے جی چھوڑ دیا تھا
اس تیغ نے تیغوں کا بھی منہ موڑ دیا تھا

تھے برچھیوں والوں کے پرے سب سر بے پا — برچھی تھی کہیں ہاتھ کہیں اور کہیں پنجا
تھا ہر طرف موجزن اک خوں کا دریا — بہتے تھے حبابوں کی طرح سے سرِ اعدا
دہشت سے تلاطم تھا ہر اک فوجِ عدو میں
مچھلی سے تڑپتے تھے زرہ پوش لہو میں

چلّاتے تھے اعدا کوئی بنتی نہیں تدبیر — دم بند ہیں ماریں کسے تلوار کسے تیر
جس وقت علم ہو کے چمکتی ہے یہ شمشیر — پھر جاتی ہے آنکھوں کے تلے موت کی تصویر
کیا ہوتا ہے ڈھالوں کی جو بدلی سی جھکی ہے
بجلی بھی کہیں ابر کے پٹکے سے رکی ہے

بے کار تھے جلادوں کے نیزے دمِ پیکار — تلوار سے ملتی نہ تھی مہلت کہ چلے وار
حلقہ کیے اس شیر کے درپے تھے کماندار — چلّے سے مگر جس نے ملایا لبِ سوفار
شہباز سا سر پر فرسِ تیز قدم تھا
نکلا ہی نہ تھا تیر کماں سے کہ قلم تھا

پیری میں جو دکھلائی جوانوں کی شجاعت — تھرّانے لگے عضو بدن گھٹ گئی طاقت
دم چڑھ گیا گرمی سے ہوئی پیاس کی شدت — دل سے کہا اب عالمِ فانی سے ہے رخصت
نے لشکرِ اعدا کو نہ شمشیر کو دیکھا
کس یاس سے مڑ کر رخِ شبیر کو دیکھا

پھرنا تھا کہ بس پڑنے لگی تیروں کی بوچھاڑ — دیکھا جو ادھر پشت پہ نیزے کا لگا وار
چاہا اسے ماریں کہ لگی فرق پہ تلوار — اور ظلم کی برچھی بھی کلیجے کے ہوئی پار

کہتے تھے تن و جاں شہِ دلگیر کے صدقے
ہر زخم پہ نعرہ تھا کہ شبیرؑ کے صدقے

چھاتی میں چھدی تیروں سے اور فرق دوپارہ   رگ رگ ہو گئی پھر نہ رہا ضبط کا یارا
شیرازۂ اجزائے بدن کھل گیا سارا   گرتے ہوئے گھوڑے سے یہ آقا کو پکارا
یاں آپ کا آنا مری بخشش کی سند ہے
اے شیرِ الٰہی کے پسر وقتِ مدد ہے

ناگاہ صفیں چیر کے آئے شہِ ذیشاں   دیکھا کہ وہ مظلوم کوئی دم کا ہے مہماں
لاشے سے لپٹ کر یہ پکارے بصد افغاں   اے دوست مرے تیری محبت کے میں قرباں
دکھلا دو مجھے زخم کہاں کھائے ہیں بھائی
چھاتی سے لپٹ جاؤ کہ ہم آئے ہیں بھائی

اس عالمِ پیری میں نہ منہ جنگ سے موڑا   کس طرح نہ رووں ترا احساں نہیں تھوڑا
میرے لیے تو نے زن و فرزند کو چھوڑا   فرقت نے تری آہ کمر کو مری توڑا
تنہا کوئی لاکھوں سے لڑائی نہیں کرتا
وہ تو نے کیا مجھ سے کہ بھائی نہیں کرتا

آقا کی صدا سن کے اسے ہوش جو آیا   گردن کے تلے زانوئے شبیرؑ کو پایا
آنکھوں سے کفِ پائے مبارک کو لگایا   اکبرؑ کی طرف جوڑ کے ہاتھوں کو سنایا
کچھ اپنے نمکخوار پہ احساں نہیں کرتے
حضرت یہ اٹھا کے مجھے قرباں نہیں کرتے

للہ مرے واسطے آنسو نہ بہاؤ   شہزادۂ عالم ہے کام اس گھڑی لاؤ
محبوبِ خدا آئے ہیں خادم کو اٹھاؤ   حیدرؑ یہ کھڑے ہیں مجھے قدموں پہ گراؤ
بوئے حسنؑ سبز قبا آتی ہے مجھ کو
فریاد کی زہراؑ کے صدا آتی ہے مجھ کو

یہ کہتے ہی بس گلشنِ دنیا سے سدھارے   نکل رہی ہو جو شعلوں پہ زباں پیاس کے مارے
بانو کو بلا کر شہِ مظلوم پکارے   چھوڑا ہمیں اے یار وفادار ہمارے
ہم رہ گئے تم ہم سے دغا کر گئے بھائی
صدقے ابھی ہوتے تھے ابھی مر گئے بھائی
ہے ہے مرے عاشق مرے شیدا مرے یاور   ہے ہے مرے سلماں مرے مقداد و اباذر
ہے ہے مرے رستم مرے ضیغم مرے صفدر   ہے ہے مرے عمار مرے مالکِ اشتر
تا زیست ترے ہجر میں فریاد کروں گا
خنجر کے تلے بھی میں تجھے یاد کروں گا

مرثیہ (۱۰)

جنگ و شہادت حضرت قاسم علیہ السلام

جب ہوئے عازمِ گلگشت شہادت قاسمؑ — جھک کے مجرا کیا شہ کو ہوئے رخصت قاسمؑ
چڑھ کے تازی پہ بصد شوکت و صولت قاسمؑ — فوجِ اعدا پہ چلے شیر کی صورت قاسمؑ
غل پڑا جنگ کو فرزندِ حسنؑ آتا ہے
لاکھوں سے لڑنے کو اک تشنہ دہن آتا ہے

خوف کی جا ہے کہ جانباز و دلاور ہے وہ — نورِ چشمِ پسرِ فاتحِ خیبر ہے وہ
نونہالِ چمنِ حضرتِ شبرؑ ہے وہ — حرب میں شیرِ الٰہی کے برابر ہے وہ
اب کوئی آن میں جوں ماہ عیاں ہووے گا
آج زورِ اسد اللہ عیاں ہووے گا

اس کے پوتے کی یہ آمد ہے جوانو ہشیار — اس کے دادا کے لیے عرش سے اتری تلوار
ضربِ حیدرؑ کی محمدؐ نے ثنا کی سو بار — غیرِ فرار کا دلبند ہے ہوگا کرار
جیتا بچنے کا نہیں سامنے جو آئے گا
آج اس فوج کا بس خاتمہ ہو جائے گا

ایک بلا کر کوئی رو برو جا سکتا ہے؟ — کوئی شیر دل سے بھلا آنکھ ملا سکتا ہے!
تاب تلوار کی ان کے کوئی لا سکتا ہے؟ — کوئی ضربِ اسد اللہ اٹھا سکتا ہے؟
سب پہ غالب جو ہوا اس پہ بھی یہ غالب ہیں
جگر و جانِ علیؑ ابنِ ابی طالب ہیں

ابھی دو لڑکوں کے تم دیکھ چکے ہو جوہر — دونوں بچے تھے چڑھا کوئی نہ ان کے منہ پر
نہ رہا دل کسی کا بیچ ان کے نہ سپر — بھوکے پیاسوں سے یہ تنگ آگیا تھا سب لشکر

کب شجاعت سے انہیں رن میں کسی نے مارا
سچ جو پوچھو تو انہیں تشنہ لبی نے مارا

اب تو قاسمؑ سا دلاور پئے جنگ آتا ہے | بحر مواج شہادت کا نہنگ آتا ہے
مستعد مرنے پہ ہے جینے سے تنگ آتا ہے | کچھ نہیں آنے میں اب جی کے درنگ آتا ہے
وہ نواسے اسداللہ کے تھے یہ پوتا ہے
دل لرزتا ہے کہ اب دیکھئے کیا ہوتا ہے

ذکر یہ کرتے تھے اعدا کہ اٹھی دور سے گرد | دشمنوں کے ہوئے نظارے سے جبیں گل زرد
پیچھے جا کر لپیں انبوہ سوارانِ نامرد | غل یہی تھا کہ وہ آپہنچا یہ میدانِ نبرد
پھر تو شاہ نے سہرے کو اٹھایا رن میں
جلوۂ نورِ الٰہی نظر آیا رن میں

سب پکارے یہ خدا قدرتِ یزداں ہے یہ | فلکِ عز و شرف کا مہِ تاباں ہے یہ
زینتِ لشکرِ ابنِ شہِ مرداں ہے یہ | چمنِ فاطمہؑ کا سروِ خراماں ہے یہ
رانڈ اب دخترِ سلطانِ زمن ہووے گی
بے چراغ اب لحدِ پاکِ حسنؑ ہووے گی

کوئی کہتا تھا عجب رشکِ چمن ہے واللہ | پا سے تا فرق یہ تصویرِ حسنؑ ہے واللہ
یہی دامادِ شہنشاہِ زمن ہے واللہ | ہونٹ سوکھے ہوئے ہیں تشنہ دہن ہے واللہ
غم میں شادی کی حلاوت نہیں جانی اس نے
تین دن گزرے کہ پایا نہیں پانی اس نے

ایک کہتا تھا کہ حیرت کی یہ جا ہے واللہ | شب کو سنتے ہیں ہوا تھا اسی مظلوم کا بیاہ
آج مرنے کو یہ آیا ہے مسلمانو آہ | کس طرح ماں نے اجازت اسے مرنے کی دی آہ
ایسے فرزند کو مرنے کو جو بھیجا اُس نے
کیا جگر ہے کہ سنبھالا ہے کلیجا اُس نے

ایسے دلیر کو کوئی جنگ کی دیتا ہے رضا ایسے فرزند کو کس طرح کہا مرنے کو جا
زنِ بیوہ کا جگر بند ہے یہ ماہ لقا جینے دے گا نہ اُسے داغ جواں بیٹے کا
بے یقیں رن میں وہ سر کھولے چلی آئے گی
اس کو اک زخم لگے گا تو وہ مر جائے گی

عمر سعد ستمگر نے جو یہ ذکر سُنا یعنی قاسمؑ کی ہر اک فوج میں کرتا ہے ثنا
کوئی ایسا نہیں ہووے جو حیا سے وفا بڑھ کے آپ اس نے یہ دولہا سے بصد عجز کہا
آج ہی شب کو ہوا بیاہ تمہارا قاسمؑ
کرو رحم اپنی جوانی پہ خدارا قاسمؑ

اس لیے عرض یہ کرتا ہوں میں اے بندہ نواز مجھ کو تھا آپ کے والد کی بھی خدمت میں نیاز
دوست رکھتا تھا بہت مجھ کو وہ سلطانِ حجاز تم پہ کیوں کر کروں دستِ ستم و جور دراز
قتل تم ہو نہ کہیں ہے یہی وسواس مجھے
بخدا روحِ حسنؑ کا ہے بہت پاس مجھے

آ کے مل جاؤ مری فوج میں خلعت و زر آپ کے حکم کے تابع ہے سارا لشکر
شہ کی الفت کے سبب یہ نہ ہو منظور اگر اپنے عموں کو سمجھاؤ کہ تا رفع ہو شر
ہم خوشی تم کو کریں تم بھی خورسند کرو
جاؤ شبیرؑ کو بیعت پہ رضامند کرو

پسرِ سعد کا قاسمؑ نے سُنا جب یہ کلام مارے غصے کے لگا کانپنے سارا اندام
پڑھ کے لاحول کہا اس سے کہ اے ابنِ لئام بیعتِ فاسق و فاجر کہیں کرتا ہے امام
بے حیا ہے تو حمیت تجھے واللہ نہیں
حیف شبیرؑ کے رتبے سے تو آگاہ نہیں

ہے یہ سرور پسرِ فاتحِ صفین و حنین جس کا مرکب تھا سدا کتفِ رسولِ ثقلین
حامیِ دیں بنی فاطمہؑ کا نور العین کبھی بے دیں کی بیعت نہیں کرنے کا حسینؑ

حیف کچھ غور ذرا دل میں نہیں کرتا ہے
شیر بھی بیعت روباہ کہیں کرتا ہے

اور مجھے دیتا ہے ناحق طمع زر ظالم — کہ ہے کیا اور ہے کیا تیرا یہ لشکر ظالم
مجھ پہ آتا ہے تجھے رحم ہوا آخر ظالم — اور باندھے ہے کمر شاہ کے خوں پر ظالم
فاطمہ روئے گی اس بات کا دھیان نہیں
درد میرا ہے محمدؐ کا تجھے پاس نہیں

سوچ تو دل میں یہ کس پر تو جفا کرتا ہے — اب بھی نادم ہو ستمگار یہ کیا کرتا ہے
احمدؐ و حیدرؑ و زہراؑ کو خفا کرتا ہے — دیکھ واللہ میں کہتا ہوں برا کرتا ہے
ان کو مارا تو شہ عقدہ کشا کو مارا
گر انہیں مارا تو محبوب خدا کو مارا

اور بھی ہے کوئی اس شہ کے سوا سبط نبیؐ — جس کو کاندھے پہ چڑھاتے تھے رسول عربیؐ
تین دن سے لئے اس دشت میں ہے تشنہ لبی — پانی تو پیتا ہے یہ کونسی ہے بے ادبی
وہ تو ہیں دین کے حق صبر ہی فرماتے ہیں
ننھے بچوں کو مگر پیاس سے غش آتے ہیں

یہ سخن سن کے ابن سعد ستمگر نے کہا — پانی بے بیعت حاکم تو نہیں ملنے کا
کہا قاسمؑ نے کہ بس سامنے سے دفع ہو جا — جو بہادر ہیں تری فوج میں ان سب کو بلا
صبح کے پیاسوں کی ہزاروں سے لڑائی دیکھیں
آج قاسمؑ کے بھی ہاتھوں کی صفائی دیکھیں

کہہ کے یہ طیش میں قاسمؑ نے علم کی تلوار — جا ملے فوج سے گھوڑے کو بڑھا کر اک بار
چمکی وہ برق شرر بار بہ فرق کفار — سر بے تن تو تن بے سر کا ہوا اک انبار
دم میں وہ تیغ ہزاروں کو فنا کرتی تھی
رشک ہر وار پہ شمشیر قضا کرتی تھی

جا کے جس غول پہ شمشیر علم کرتا تھا　　شیر نیزوں کے نیستاں کو قلم کرتا تھا
لشکرِ شام کو ہر حملے میں کم کرتا تھا　　جیتا بچ جاتا تھا جو آگے سے رم کرتا تھا
غرق آہن میں جو تھے وہ بھی نہ پاس آتے تھے
ایک ضربت سے تو دس خوف سے مر جاتے تھے

گر سوئے میمنہ غازی نے اٹھایا گھوڑا　　اک نمودار کو ان میں سے نہ جیتا چھوڑا
باگ کو میسرہ والوں کی طرف جب موڑا　　کیا انبوہ کو مسمار صفوں کو توڑا
داد ہر وار پہ شاہِ دوسرا دیتے تھے
بارک اللہ کی ہر بار صدا دیتے تھے

سن کے نوشاہ صدائے شہِ تفتیدہ جگر　　دور سے کرتے تھے تسلیم ادب سے جھک کر
اور لب خشک دکھا کہتے تھے با دیدۂ تر　　العطش العطش اے مالکِ حوضِ کوثر
جنگ سر کر دوں میسر ہو جو تھوڑا پانی
پیاس حضرت کیے دیتی ہے کلیجا پانی

شاہ فرماتے تھے ناچار ہوں قاسمؑ میں کروں کیا　　ابن زہراؑ ترے سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ فدا
پانی کا قحط ہے دشت میں اے ماہ لقا　　تین دن سے نہیں اصغرؑ کو ملا اک قطرا
سہ لو جو رنج ہو یاں اے مرے جانی قاسمؑ
جا کے کوثر ہی پہ اب پیجیو پانی قاسمؑ

آئی باتوں میں لعینوں نے جو فرصت پائی　　پشتِ قاسمؑ کی طرف فوج سمٹ کر آئی
گھر گیا لاکھوں میں شبیرؑ کا وہ شیدائی　　ستم و ظلم کی اس ماہ پہ بدلی چھائی
حال تغییر ہوا تشنہ دہن دولھا کا
ہو گیا تیروں سے غربال بدن دولھا کا

کٹ کے چہرے پہ ہر اک پیچ عمامے کا گرا　　خوں میں تر ہو گیا مقیش کا سہرا سارا
جوں کتاں ٹکڑے ہوئی تیغوں سے اس مہ کی قبا　　تن جدا زخمی ہوا چہرہ جدا ماتھا جدا

دیر تک سنبھلے رہے خانۂ زیں پر قاسمؑ
برچھی کھا کر گرے گھوڑے سے زمیں پر قاسمؑ

نوبت فتح بجانے لگے سب بے ایمان   شور تھا قتل ہوا قاسمؑ نوشاہ جوان
بن بھتیجے کے ہوئے آج شہ تشنہ دہاں   کریں رنڈسالہ کا بیٹی کے لیے اب ساماں
ہم نے داماد شہ تشنہ جگر کو مارا
برچھیوں سے زن بیوہ کے پسر کو مارا

پہنچی جب خیمۂ ناموس نبیؐ میں یہ صدا   دفعتہً رنگ رخ اہل حرم زرد ہوا
ماں نے دولھا کی بھتیجے کو پکڑ کر یہ کہا   گیا میدان میں مجھ رانڈ کا بیٹا مارا
وہی فتح کا جو میداں میں بجا ہے لوگو
کوس رحلت کی یہ قاسمؑ کے صدا ہے لوگو

پڑ گیا خیمۂ ناموس نبیؐ میں کہرام   سر برہنہ چلے داماد کے لاشے پہ امام
پہنچے دولھا کے سرہانے جو بحال ناکام   دیکھیں کیا نوشہ ہے خاک پہ وہ گل اندام
تھام کر دل کو پکارے مرے پیارے قاسمؑ
اٹھو ہم آئے ہیں لاشے پہ تمہارے قاسمؑ

عرض کی کھول کے نوشاہ نے چشم پر نور   میں سرافراز ہوا لائے جو تشریف حضور
اٹھے تعظیم کو کس طرح یہ بندہ مجبور   گھوڑوں کی ٹاپوں سے ہے سارا بدن چکنا چور
پہلے تو جسم مرا تیروں سے غربال کیا
گر پڑا خاک پہ گھوڑے سے تو پامال کیا

سن کے یہ سید بیکس کا جگر کانپ گیا   خاک پر بیٹھ کے نوشاہ کو گودی میں لیا
عرض کی قاسم نوشاہ نے رو کر کہ چچا   میرے پہلو میں کھڑے ہیں حسنؑ سبز قبا
اور ہے اک بی بی وہ اس درد سے یاں روتی ہے
جس طرح سے کوئی فرزند کو ماں روتی ہے

گود میں چھوٹی سی ہے لاش کھلا ہے سر پلک   بال بکھرے ہوئے ہیں سر کے گریباں ہے چاک
دلہا بیوہ سے بہت ہے حزن و ملول و غمناک   سر پہ ہر مرتبہ کہتی ہے اڑا دشت کی خاک
اب نہیں صبر میں دیتی ہوں دہائی خالق
اہلِ شر لوٹتے ہیں میری کمائی خالق

کبھی منہ چومتی ہیں گود میں لے کر مرا سر   کبھی کہتی ہیں میں قربان ترے سہرے پر
واری اس دشت میں مارے گئے دولہا بن کر   کچھ دلہن کی بھی ہے اے لال ذرا تم کو خبر
ہائے پردیس میں قسمت نے اُسے لوٹا ہے
میری کبریٰؑ پہ مصیبت کا فلک ٹوٹا ہے

سن کے قاسمؑ کا بیاں یہ شہِ والا نے کہا   اے مری جان وہ ہے دخترِ محبوبِ خدا
کس طرح پیٹ کے سر روتیں نہ اماں زہراؑ   رانڈ پوتی ہوئی مارا گیا پیارا پوتا
چاہیے رونے کی کہ بیکس بھی ہو ناشاد بھی ہو
تم تو ماں کے مری پوتے بھی ہو داماد بھی ہو

یہ سخن سنتے ہی نوشاہ نے لی خلد کی راہ   لاش کو ڈال کے گھوڑے پہ چلے خیمے کو شاہ
درِ خیمہ پہ جو پہنچے یہ احوالِ تباہ   کہا چلا کے یہ زینبؑ سے بصد نالہ و آہ
لاش گھوڑے سے اتروانے کو آؤ بہنا
فاطمہ کبریٰ کو رنڈسالہ پنہاؤ بہنا

سُن کے یہ چیخی سرِ خیمے سے زینبؑ دوڑی   پوچھا کیوں روتے ہو کیا قہر ہوا ہے بھائی
بولے شہ لاش میں لایا ہوں بنے قاسمؑ کی   دولہا مارا گیا اک شب کی دلہن رانڈ ہوئی
لاش لے جاؤ تم اب مرنے کو میں جاؤں گا
اپنا مُنہ فاطمہ کبریٰ کو نہ دکھلاؤں گا

سُن کے یہ زینبؑ بیکس کا عجب حال ہوا   ہائے قاسمؑ کہا اور ہاتھوں سے سر پیٹ لیا
بولی پھر بھائی سے اے سبطِ رسولؐ دوسرا   آپ کا خیمے میں اس دم ہے مناسب چلنا

مادرِ قاسمؑ مقتول کو پُرسا دیجے
رانڈ بیٹھی کو ذرا چل کے دلاسا دیجے
گئے روتے ہوئے ناچار شہِ جن و بشر — لاش داماد کی مسند پہ شادی رو کر
دیکھ بیٹے کو پچھاڑیں لگی کھانے مادر — خاک پر بانو گری تھام کے ہاتھوں سے جگر
شرم سے مُنہ بھی نہ رونے کو دلہن ڈھانپتی تھی
بید کی طرح سے سر تا بہ قدم کانپتی تھی
کھینچ کر نعرۂ حسرت یہ بولی ایک شب کی دلہن — دل کی حالت کہوں کس سے میں گرفتارِ محن
آتشِ غم سے پھنکا جاتا ہے مجھ رانڈ کا تن — پہنوں رنڈسالا میں ہے ہے نہ ملے ان کو کفن
بیٹے کو کسی جنگل میں بٹھا دو مجھ کو
ایک کالی کفنی لا کے پنہا دو مجھ کو
بیاہ کا جوڑا تو پہنے ہوئے دیکھا مجھ کو — رات کے جاگے تھے بس سو چکے صاحب اٹھو
لاش سے دولھا کی پھر کہنے لگی رو رو کر — اب پہنتی ہوں میں رنڈسالے کا جوڑا دیکھو
والیِ حق میں مرے تم کچھ نہیں فرماتے ہو
سارے کپڑے نئی دُلہن کو پہنواتے ہو
کہہ کے یہ اوڑھنی سر سے اتاری رو کر — اور اڑھایا اُسے دولہا کے تنِ زخمی پر
کہتی تھی پیٹ کے سر ہائے مرے بیکس بر — دے گا کاہے کو کفن تم کو کوئی بداختر
یہ نشانی میں تمہیں سوختہ تن دیتی ہوں
اپنے سر کی تمہیں چادر کا کفن دیتی ہوں
سُن کے یہ بین پڑی پیٹنے کی خیمے میں دھوم — چھاتیاں پیٹتی تھیں زینبؑ و امِ کلثومؑ
آئے تب روتے ہوئے خیمے میں شاہِ مظلوم — لے گئے لاشہ تو شاہ بحالِ مغموم
کھول کر بالوں کو ماں دولھا کی چلانے لگی
گریۂ فاطمہؑ زہراؑ کی صدا آنے لگی

زبس خامہ کی اب تو یہی حالت تمام انیسؔ　　روئے سے مجلس ماتم میں ہے کہرام انیسؔ

ہوا مدّاحوں میں سرور کے ترا نام انیسؔ　　کر دعا حق سے یہ رو رو کر سحر و شام انیسؔ

جیتے جی بس اسی غم میں مجھے دن رات کٹے

ابن زہرا ہی کی مدّاحی میں اوقات کٹے

مرثیہ: (۱۱)

جنگ و شہادت حضرت عباسؑ علمدار

عباسِ علیؑ قبلۂ اربابِ وفا ہے   خورشیدِ سپہرِ کرم و لطف و عطا ہے
ثابت قدم جادۂ تسلیم و رضا ہے   شمشیرِ خدا ہے خلفِ شیرِ خدا ہے
کس شوق سے صدقے ہوا فرزندِ نبیؐ کے
قربان علمدار حسینؑ ابنِ علیؑ کے

سقائے حرم نام ہے اس شیرِ ژیاں کا   دل غم سے بھر آئے نہ کیوں پیر و جواں کا
یہ چاہ تھی کوثر کی یہ شاق تھا جناں کا   قطرہ نہ بہشتی نے پیا آبِ رواں کا
تھے پیاس سے لب خشک پہ دریائے سخا تھا
وہ کر گیا دنیا میں جو کچھ حقِ وفا تھا

اللہ رے اقبال نسب عزت و توقیر   ارشاد کریں قوتِ بازو جسے شبیرؑ
سرتا بہ قدم حیدرِ کرار کی تصویر   ہر گام وفا حامیِ دیں صاحبِ شمشیر
پیدا ہے شجاعت رخِ گلفام سے اس کے
شیروں کے جگر کانپتے ہیں نام سے اُس کے

کیا حسن ہے کیا رعب ہے کیا شیرِ جواں ہے   کیا زور ہے کیا دبدبہ کیا شوکت و شاں ہے
صناعیِ حق اس کے سراپے سے عیاں ہے   ہر عضو کی خوبی پہ لطافت نگراں ہے
غیرت ہے بپا حشر یہ داروں کے مکاں میں
ذکرِ قد و قامت سے قیامت ہے جہاں میں

اللہ نے بخشی ہے عجب نام کو تاثیر   شیعوں کی پناہ اور عدو کے لیے شمشیر
وہ مشکلِ لاحل جو نہ حل ہو کسی تدبیر   یا حضرت عباسؑ کہا پھر نہیں تاخیر

اعجاز و کرامات اسے کہیے تو بجا ہے
بے دست ہے اور مثلِ علیؑ عقدہ کشا ہے

عین اس کا وہ چشمہ ہے کہ فیضِ اُس کا ہے عام — یہ مسلم کا آغاز ہے اور شرع کا انجام
بائے برکت اور الف اوّلِ اسلام — ہے سینِ سعادت پہ اسی نام کا فرجام
یہ اسمِ مقدس تو سعیدِ ازلی ہے
اعلیٰ ہو نہ کیوں کر کہ شریک اس کا علیؑ ہے

شیرانِ جہاں اس کے تصور سے ہیں روباہ — رتبہ ہے بلند ایسا کہ افلاک ہیں کوتاہ
زور ایسا کہ ہے کوہِ گراں مثلِ پرِ کاہ — رعب ایسا کہ ہوتا ہے یقیں اسد اللہ
حسن ایسا کہ خورشید کا منہ زرد ہوا ہے
یوسف کا بھی بازار یہاں سرد ہوا ہے

سادات ہے اور شیرِ الٰہی کا پسر ہے — جرار ہے ہنگامِ وغا لاکھ پہ در ہے
تیغ اس کی کلیدِ درِ اقبال و ظفر ہے — اور آپ شہِ دیں کی حفاظت کی سپر ہے
یاور ہو تو ایسا ہو جو صفدر ہو تو ایسا
عاشق ہو تو ایسا ہو برادر ہو تو ایسا

جس طرح محمدؐ پہ فدا رہتے تھے حیدرؑ — ان کو بھی اسی طرح سے تھا عشقِ برادر
حضرت کو بھی پیارے تھے یہ بیٹوں کے برابر — جوں سایہ نہ قدموں سے جدا ہوتے تھے دم بھر
فرماتے تھے جان و تنِ شبیر ہے عباسؑ
قوت ہے مری اور مری شمشیر ہے عباسؑ

فرماتے تھے حضرت تو انہیں قوتِ بازو — اور کہتے تھے یہ ہوں میں غلامِ شہِ خوش خو
حیدرؑ سے مشابہ تھا سراپا جو وہ گل رو — جب دیکھتے تھے شاہ تو بھر لاتے تھے آنسو
کہتے تھے نشانی ہے یہ احمدؐ کے وصی کی
یہ میرے رفیق میں ہے تصویر علیؑ کی

کرتے تھے شہِ دیں پہ فدا جانِ گرامی — اللہ نے کی ان پہ محبت کی تمامی
سروِ چمنِ دیں کے ہوئے عشق میں نامی — گردن میں تھا قمری کی طرح طوقِ غلامی
پروانۂ شمعِ رخِ شاہِ شہدا تھے
بلبل کی طرح سے گلِ زہراؑ پہ فدا تھے

جس دن سے مدینے سے چلے سیدِ ابرار — عباسؑ نے کھولے نہ کبھی کمر سے ہتھیار
راتوں کو بھی مانندِ قمر رہتے تھے بیدار — اور خیمے کے چوگرد پھرا کرتے تھے ہشیار
عاشق تھے زبس دوشِ محمد کے مکیں کے
اس پردے میں ہوتے تھے تصدق شہِ دیں کے

فرماتے تھے یہ بارگہِ شاہِ اُمم ہے — کیا رتبے میں کچھ خانۂ کعبہ سے یہ کم ہے؟
اس گھر کا ادب فرض ہے جب تک کہ دم ہے — گرداوریِ خیمہ نہیں طوفِ حرم ہے
یہ احمدِ مختار کے پیاروں کا مکاں ہے
یہ عرشِ علیٰ کے ستاروں کا مکاں ہے

جب منزلِ ماریہ پہ پہنچے شہِ ابرار — اور حُرِ دلاور سے ہوئی راہ میں تکرار
باگ اُس نے جو پکڑی تھی تو پیدل تھا علمدار — اک ہاتھ میں تھی مشک رکاب ایک میں تلوار
فرماتے تھے یہ غیظ تھا عباسِ علیؑ کو
حضرت کے قریب آنے نہ دیتے تھے کسی کو

شہ کہتے تھے شفقت سے چڑھو گھوڑے پہ بھائی — پیدل ہوئے کس واسطے کیا جی میں ہے آئی
کہتے تھے گوارا نہیں حضرت سے جدائی — ان قدموں سے ملتے چلے آنکھوں کو فدائی
آقا ہو جب راکبِ دوشِ نبوی ہو
کیونکر نہ جلو میں مجھے چلنے کی خوشی ہو

میدانِ شہادت میں جو وارد ہوئے سرور — واں گھاٹ پہ اترا ہوا تھا شام کا لشکر
برپا ہوئے ریتی پہ خیامِ شہِ صفدر — پانی نہ کئی دن ہوا پیاسوں کو میسر

عباسؑ کو پانی کے نہ ملنے کا الم تھا
بھائی کی بھی تھی فکر سکینہؑ کا بھی غم تھا

جب روزِ دہم رن میں صف آرا ہوا لشکر　　عباسؑ علیؑ نے بھی پرا فوج کا باندھا
پیغام یہ شمر نے پسرِ سعد کو بھیجا　　لشکر سے جدا ہو کے ادھر چند قدم آ
ہمراہ کسی کو نہ وہاں لاؤں گا میں بھی
کچھ کہنا ہے تنہا ترے پاس آؤں گا میں بھی

سن کر یہ سخن شاہ کا وہ فوج سے نکلا　　ساتھ اس کے غلام ایک تھا اور ایک تھا بیٹا
تنہا چلے پاس اس کے ادھر سے شہِ والا　　فرمایا مرے پاس کوئی آئے نہ اصلا
پر بھائی کی تنہائی سے گھبراتے تھے عباسؑ
سائے کی طرح پیچھے چلے آتے تھے عباسؑ

اکبرؑ بھی تھے ہمراہِ شہنشاہِ خوش اوقات　　مڑ کر کہا حضرت نے کہ کیوں آتے ہو تم ساتھ
تب جوڑ کے ہاتھوں کو یہ اکبرؑ نے کہی بات　　اس کا بھی پسر ساتھ ہے اے قبلۂ حاجات
ہم ساتھ نہ کیوں کر ہوں کہ حضرت کے خلف ہیں
باطل کی طرف وہ ہے تو ہم حق کی طرف ہیں

عباسؑ سے فرمانے لگے سبطِ پیمبرؐ　　تم ٹھہرو یہیں میں ابھی آتا ہوں برادر
کی عرض علمدار نے تب قدموں پہ گر کر　　اس کا بھی تو ہے ساتھ غلام اے شہِ صفدر
کس طرح چلوں میں یہ ہوا تھا وہ نہ ہوئے
حضرت کا غلام آپ کے ہمراہ نہ ہوئے

الفت پہ علمدار کی روئے شہِ ابرار　　فرمایا کہ تنہائی مری تجھ پہ ہے دشوار
اس وقت کہاں ہوئے گا تو اے مرے غمخوار　　جب ذبح کرے گا مجھے خنجرِ جفاکار
یہ جسم مرا ظلم کے تیروں سے چھنے گا
تلواریں چلیں گی تو سپر کون بنے گا

فرمائے یہ پیشِ عمرِ سعد گئے شاہ — سمجھایا بہت اس کو پہ سمجھا نہ وہ گمراہ
حجت ہوئی اتمام پھرے سیّدِ ذی جاہ — تیر آنے لگے لشکرِ کفار سے ناگاہ
روکیں سپریں چہروں پہ انصار جری نے
اور سینہ سپر کر دیا عباسؑ علیؑ نے

بازار اجل گرم تھا چلنے لگی تلوار — مارے گئے مولا کے رفیقانِ وفادار
پھر شہ کے پیارے ہوئے سر دینے پہ تیار — چھینے نہ تلواروں سے زہراؑ کا وہ گلزار
بے جاں ہوا دولھا بھی جو میدانِ ستم میں
اک حشر تھا کبریٰ کے رنڈاپے کا حرم میں

روتے تھے کھڑے خیمے کے در پر شہِ ابرار — اور بیٹھا تھا شبیرؑ کے قدموں سے علمدار
تھی عرض یہی اے خلفِ احمدِ مختار — ہے اب تو غلام آپ سے رخصت کا طلبگار
سب فوج گئی جانبِ کوثر مرے مولا
اب دیکھئے خادم کے بھی جوہر مرے مولا

شہ کہتے تھے مجھ پر ہے عیاں تیری شجاعت — لیکن یہ نہ ہوگا یہ نہ ہوگا کسی صورت
اللہ رے سردار و علمدار کی الفت — وہ روکتے تھے اور یہ کرتے تھے سماجت
تھا شہ کا یہ مطلب کہ نہ بھائی سے جدا ہوں
اور ان کو تمنا تھی کہ آقا پہ فدا ہوں

پٹاتے تھے بھائی سے انہیں سبطِ پیمبرؐ — یہ چومتے ہوئے ہاتھوں کو گرتے تھے قدم پر
فرماتے تھے شہ ہم کو رلاؤ نہ برادر — تو جاؤ نہ روکیں گے جو مرضی ہے سو بہتر
قاسمؑ کی طرح داغ تمہارا بھی سہیں گے
اب منہ سے بجز شکرِ خدا کچھ نہ کہیں گے

کہنے کو کہا یہ پہ ہوا صدمۂ جاں کاہ — فرمایا تڑپ کر کہ کمر ٹوٹ گئی آہ
ڈاڑھی پہ گرے چھینٹے اگر حرمِ شاہ — غل سن کے یہ بولے پسرِ سعد کے ہمراہ

سنگوا تو خبر خیمۂ شاہِ شہدا کی
یہ غل ہے کہ ہلتی ہے زمیں کرب و بلا کی

دو بھانجے اور ایک بھتیجا ہوا بے سر — اس طرح مگر روئے نہیں سبطِ پیمبرؐ
کیا درد ہے اس وقت کہ بیتاب ہیں سرور — آہوں کی صدایاں چلی آتی ہے مکرر
رونے میں کئی بار دمِ سرد بھرا ہے
کوئی تو کہو فریاد میں کیا درد بھرا ہے

ہنس کر پسرِ سعد ستمگار یہ بولا — فاقہ تھا کئی دن سے کوئی مر گیا ہوگا
سب بچوں میں شبیرؑ سکینہ کے ہیں شیدا — سنتا ہوں کہ تھا پیاس سے ہونٹوں پہ دم اس کا
دنیا سے وہ مظلوم سفر کر گئی ہوگی
رونے کا یہ غل ہے تو وہی مر گئی ہوگی

تب کہنے لگا شمرِ لعیں یہ نہیں زنہار — ہے صابر و شاکر پسرِ احمدِ مختار
آتی ہے صدا ہائے برادر کی جو ہر بار — ہوتا ہے جدا سبطِ پیمبرؐ سے علمدار
بے وجہ نہیں خیمے میں رونے کا یہ غل ہے
معشوق سے عاشق کے جدا ہونے کا غل ہے

اک لڑکی جو کہتی ہے بصد نالہ و افغاں — فریاد ہے میں پیاس سے مرتی ہوں چچا جاں
بھر لا دو مری مشک کو دریا سے میں قرباں — بیٹی شہِ بیکس کی سکینہؑ ہے وہ ناداں
عباسؑ پہ گر کوہِ ستم آج گرے گا
بے مشک بھرے نہر سے خالی نہ پھرے گا

یہ ذکر تھا جو فوج میں غل ہو گیا اک بار — گھوڑے کو اڑاتا ہوا آتا ہے علمدار
کاندھے پہ تو ہے مشک و علم ہاتھ میں تلوار — آمد میں ہے اک دبدبۂ حیدرِ کرار
جب تیغ کھنچی تہلکہ لشکر میں پڑے گا
کس کا یہ کلیجہ ہے کہ جو اس سے لڑے گا

بولا کوئی کیا صاحبِ حشمت ہے یہ غازی — فوجِ شہِ ابرار کی زینت ہے یہ غازی
لختِ جگرِ شاہِ ولایت ہے یہ غازی — سردفترِ اربابِ شجاعت ہے یہ غازی
آفاق میں یہ جاہ و حشم کس کے لیے ہے
لائق یہ علم کے ہے علم اس کے لیے ہے

جعفر کی طرح ولولۂ تیغ زنی ہے — ہم شوکتِ حمزہ یہ شجاعت کا دھنی ہے
جوں شیرِ خدا قوتِ خیبر شکنی ہے — غیرتِ شبیرؑ ہے خلقِ حسنؑ ہے
اجلالِ محمدؐ رخِ زیبا سے عیاں ہے
سب شانِ بزرگوں کی سراپا سے عیاں ہے

تب شمر سے بولا عمرِ سعدِ بداختر — عباسؑ کے تو رعب سے تھراتا ہے لشکر
نزدیک ہے اٹھ جائیں قدم فوج کے یکسر — اس غازی سے کر صلح کہ ہے جنگ سے بہتر
تلوار چلی گر تو خدا جانیے کیا ہو
کچھ فکر کر ایسی کہ یہ بھائی سے جدا ہو

اس شمر نے کی سعد کے بیٹے سے یہ تکرار — حاکم ہے ترے حکم سے مجھ کو نہیں انکار
ظاہر ہے وفاداریِ عباسِ علمدار — یہ بات نہ مانے گا نہ مانے گا وہ زنہار
خوں اس کا پسینے پہ شہِ دیں کے گرے گا
ہو جائے گا ٹکڑے پہ نہ بھائی سے پھرے گا

ہیں اہلِ وفا لختِ دلِ حیدرِ صفدر — دنیا کا نہ لالچ ہے انہیں نہ طمعِ زر
ان کے نہ ڈگیں پاؤں اگر تن سے کٹے سر — یہ سیفِ الٰہی ہیں وفا ان کا ہے جوہر
سادات ہیں زیرِ نظرِ شاہِ نجف ہیں
یہ جس کے طرفدار ہیں بس اس کی طرف ہیں

یہ کہہ کے وہ مکار چلا سوئے علمدار — اور غیظ سے یاں سرخ ہوا روئے علمدار
غصے سے کھڑے ہو گئے سب موئے علمدار — بل کھانے لگے گیسوئے خوشبوئے علمدار

ابرو پہ تو بل آ گئے شمشیر کی صورت
دیکھا طرفِ شمرِ لعیں تیر کی صورت

شعلے کی طرح کانپ گیا ڈر کے وہ ناری　　پیچھے بھی ہٹا اور بڑھا بھی کئی باری
دہشت میں یہ تقریر زباں سے ہوئی جاری　　حاکم نے مجھے بھیجا ہے اے عاشقِ باری
غصے کی نہ باتیں نہ لڑائی کے سخن ہیں
سن لیجیے حضرت کی بھلائی کے سخن ہیں

فرمایا علمدار نے کہ کیا ہے وہ پیغام　　تب دستِ ادب جوڑ کے بولا یہ وہ خودکام
کرتے ہیں عبث آپ لڑائی کا سرانجام　　حضرت کے تو ہے نام کی عاشق سپہِ شام
مشتاقِ ملاقات کے سب چھوٹے بڑے ہیں
واں ہاتھوں میں نذریں لیے سردار کھڑے ہیں

چلیے مرے ہمراہ ادھر کو تو ہے بہتر　　واں آپ کی خاطر ہے علمداریِ لشکر
سالاری ہے یاں لاکھ جوانوں کی مقرر　　نکلا ہوا ہے کشتیوں میں خلعتِ پُرزر
جاگیر بھی ہاتھ آئے گی راحت بھی ملے گی
دولت بھی مدینے کی حکومت بھی ملے گی

کیوں آپ اٹھاتے ہیں ادھر پیاس کی ایذا　　افسوس کرے ایسا جواں فاقے پہ فاقا
واں پانی بھی موجود ہے کھانا بھی مہیا　　حاکم تمہیں لشکر کے تمہیں مالکِ دریا
زنہار نہیں بغض و حسد اور کسی سے
ہم کو تو عداوت ہے حسینؑ ابنِ علیؑ سے

عباسؑ نے جس دم یہ سنی شمر کی تقریر　　معلوم ہوا یہ کہ کلیجے پہ لگا تیر
سرتا بہ قدم کانپ گیا عاشقِ شبیرؑ　　فرمایا زباں بند کر اے ظالمِ بے پیر
میں عاشقِ شبیرؑ ہوں میں اہلِ وفا ہوں
سر تن سے جدا ہو پہ نہ بھائی سے جدا ہوں

اس تفرقہ سازی کا مزا تجھ کو دکھا دوں　　بے شرم کو شمشیر کے شعلے سے جلا دوں
جوں حرفِ غلط دفترِ عالم سے مٹا دوں!　　اک حملے میں کیوں شام کے لشکر کو بھگا دوں؟
واقف نہیں کیا رتبہ سے اولادِ علیؑ کے
ظالم مرے مُنہ پہ یہ سخن بے ادبی کے

تو کیا ہے جفاکار تری فوج ہے کیا مال　　لوں باگ جو گھوڑے کی تو کر دوں ابھی پامال
اک جان وہ غالب جہاں میں اور فاطمہؑ کا لال　　آقا سے جدائی پسِ مردن بھی ہے اشکال
مر کر بھی شہِ دیں میں مری جان رہے گی
بھائی پہ مری روح بھی قربان رہے گی

ملاش ہو مرا نام ہے مجھے شمعِ امامت　　بے سر ہوں وہ اور جسموں میں سرداری کا خلعت
ہو بادشہِ یثرب و بطحا کی شہادت　　تب مجھ کو ملے شہرِ مدینہ کی حکومت
تحقیر ہے یہ منصب و جاگیر نہیں ہے
پھر خاک ہے دنیا میں جو شبیرؑ نہیں ہے

خلعت ترا کیا چیز ہے او ظالم بے پیر　　یاں حُلّۂ فردوس ہے اور دامنِ شبیرؑ
مختار ہیں کوثر کے ہمارے ہے یہ توقیر　　منصب ہے غلامیِ شہ اور خلد ہے جاگیر
کچھ حشمتِ ظاہر کی ہمیں چاہ نہیں ہے
واں دولتِ دنیا ہے تو یاں دولتِ دیں ہے

مجھ کو تو نہ ہے بھوک نہ ہے تشنہ دہانی　　غم یہ ہے کہ پیاسا ہے یدُ اللہ کا جانی
اب دمِ شمشیر کی جب ہو گی روانی　　پی لیویں گے ہم بازوؤں کے زور سے پانی
دریا کی طرف تیغ پکڑ کر جو جھکیں گے
جوں سیل ہزاروں کے نہ روکے سے رکیں گے

جس وقت کہ شمشیر کو غازی نے اٹھایا　　بجلی سا تڑپ کر صفِ اعدا میں در آیا
جس جس پہ پڑا تیغِ علمدار کا سایا　　آ کر ملک الموت نے بے سر اُسے پایا

وہ فرق پہ چمکی کہ اجل سر پہ کھڑی تھی
دریا کا کسے ہوش تھا جانوں کی پڑی تھی

تلنے ہوئے نیزوں کو سواران جفا کار   جوڑے ہوئے تیروں کو کمانوں میں کماں دار
تلواریں لئے ہاتھوں میں کھینچے ہوئے خونخوار   صف برچھیوں والوں کی بھی خونریزی کو تیار
غل تھا کہ علمدار حسینؑ آنے نہ پائے
سقائے حرم نہر تلک جانے نہ پائے

عباسؑ پکارے کہ ہم آتے ہیں خبردار   رہوار کی اب باگ اٹھاتے ہیں خبردار
جنگ اسد اللہ دکھاتے ہیں خبردار   پانی کے لیے نہر پہ جاتے ہیں خبردار
ہاں دیکھیں ذرا تیغ شرر دم کو تو روکو
دریا کو تو روکا ہے ذرا ہم کو تو روکو

پانی تھی عجب ہاتھ نے غازی کے صفائی   بس صاف تھی وہ جو کہ تہ تیغ صف آئی
اعدا کو نظر ضربت شاہ نجف آئی   جوں سیل فنا پھر نہ رکی جس طرف آئی
شعلہ تھی، شرارہ تھی، قیامت تھی، بلا تھی
شمشیر تھی یا برق تھی یا قہر خدا تھی

جوں موج گریزاں ہوئی فوج ستم آرا   اعدا نے کیا گھاٹ سے دریا کے کنارا
وہ ڈوب مرے جن کو نہ تھا جنگ کا یارا   سرداروں کو جن جن کے علمدار نے مارا
اک دم میں نہ پیدل نہ سواروں کا پرا تھا
خالی تھیں صفیں دست ستم خوں سے بھرا تھا

سقائے سکینہؑ کو جو دریا نظر آیا   جوں شیر ترائی سے وہ پانی میں در آیا
سمجھی یہ ہر اک ماہی دریا قمر آیا   یا شمس فلک بام فلک سے اتر آیا
ہر لہر تھی چمکا پہ ندی لہروں میں جھلک تھی
دریا کے حبابوں میں ستاروں کی چمک تھی

اللہ رے عکسِ رخِ عباسؑ کا سایا — دریا میں طلا آن کے اک حسن کا دریا
حیرانی سے پانی ہوا آئینے کا تختہ — قطرہ ہر اک اس بحر کا تھا گوہر یکتا
پر تشنگیِ شاہ سے مغموم تھے عباسؑ
تھے نہر میں اور پانی سے محروم تھے عباسؑ

چھوڑ آئے تھے بن پانی سکینہؑ کو جو بیتاب — خود پیاسے رہے اور کیا مشک کو سیراب
دریا سے چلا جس گھڑی وہ گوہرِ نایاب — گرد آ گئی پھر فوجِ ستم صورتِ گرداب
نے تیر نہ شمشیر کے پھل نے اُسے روکا
اعدا سے نہ رکتا پہ اجل نے اُسے روکا

کیا کیا نہ لڑے مشک کو کیا کیا نہ بچایا — گر چھاتی تلے زیرِ سپر گاہ چھپایا
جھک کر کبھی دامانِ زرہ اس پہ اڑھایا — وہ تیر لگا سینے پہ جو مشک پہ آیا
پانی کے لیے خون میں تر ہو گئے عباسؑ
تلوار جب آئی تو سپر ہو گئے عباسؑ

حضرتِ علمِ شاہ بھی مشکیزے کا بھی دھیان — دونوں کو بچانا بھی لڑائی کا بھی سامان
یہ ایک ادھر لاکھ اُدھر دشمنِ ایمان — تشنہ بھی گرسنہ بھی کئی دن سے وہ ذیشان
مجروح تھا سر تیروں سے چھاتی تک چھدی تھی
اس پر بھی وہی زور وہی صف شکنی تھی

مشکیزے کو لے نکلا تھا لڑ بھڑ کے وہ مہرو — ہر گھاٹ پہ بیٹھے چلے آتے تھے جفاجو
تلواروں کے وار اس پہ کیے پا کے جو قابو — ہیہات کہ شانوں سے قلم ہو گئے بازو
ہمت کے سبب سنبھلے رہے خانۂ زیں پر
جب مشک چھدی گر پڑے عباسؑ زمیں پر

پانی جو بہا مشک سے آنسو ہوئے جاری — چلا کے کہا ہائے سکینہؑ کتی باری
رن میں دُہلِ فتح بجانے لگے ناری — سن کر کہا حضرت نے کمر ٹوٹی ہماری

بھائی کا جو صدمہ دلِ مضطر نے اٹھایا
غش کھا کے گرے تھے مگر اکبرؑ نے اٹھایا

دریا کی طرف پہنچے روتے چلے سرور — تھا ورد زباں ہائے اخی ہائے برادر
جاتے تھے کہ باپ کی تھامے ہوئے اکبرؑ — رکتی ہیں عجب حال سے پہنچے شہِ صفدر
ہر گام پہ گرتے تھے یہ زور درد گھٹا تھا
عمامہ نہ تھا سر پہ گریبان پھٹا تھا

ناگاہ علمدار کا لاشہ نظر آیا — اک بھائی کو اک بھائی تڑپتا نظر آیا
آلودۂ خوں چہرۂ زیبا نظر آیا — چلائے کہ بھیا مجھے یہ کیا نظر آیا
عاشق مرے تو ہو گیا شبیرؑ کے صدقے
شبیرؑ تری خوں بھری تصویر کے صدقے

یہ کہہ کے گرے لاش پہ اور روئے لپٹ کر — چومے کبھی شانے کبھی منہ رکھ دیا منہ پہ
عباسؑ نے کھولے نہ مگر دیدۂ انور — سرہانے پہ تب رکھ کے یہ کہنے لگے سرور
کیا شرم ہے کیوں آنکھیں نہیں کھولتے بھائی
ہم روتے ہیں تم منہ سے نہیں بولتے بھائی

آہستہ سے کہنے لگا وہ شہ کا فدائی — ہمراہ سکینہؑ تو نہیں آپ کے آئی
اللہ دوسرے اس شرم سے ہے آنکھ چرائی — کچھ خیر کی باتوں سے کہ ڈرتا ہوں بھائی
شرمندہ ہے رکھو میں ان آنکھوں پہ فدا ہوں
نے ساتھ سکینہؑ ہے نہ میں تم سے خفا ہوں

یہ سنتے ہی عباسؑ نے آنکھوں کو کیا وا — شہ کو پسرِ فاطمہؑ کس پیار سے دیکھا
پھر شہ سے کہا منہ سے علم کرکے اشارا — اس اپنی امانت کو اٹھا لیجیے آقا
رخصت ہے ہماری کہ کوئی دم میں مریں گے
اب حشر کے دن پھر اسے کاندھے پہ دھریں گے

اکبرؑ کے حوالے اسے کیجے تو ہے بہتر   لائق ہے علمداری کے ہمشکلِ پیمبرؑ
عباسؑ سے کہنے لگے شبیرؑ یہ رو کر   اب مجھ کو علم چاہیئے دنیا میں نہ لشکر
سر کٹ کے سرِ نیزہ علم ہوئیں گے بھائیؑ
دنیا میں علم ہوگا نہ ہم ہوئیں گے بھائی

رونے لگے یہ کہہ کے شہِ یثرب و بطحا   جو آئی یہ آواز کہ ہے ہے مرے بابا
کیا دیکھتے ہیں پھیر کے منہ کو شہِ والا   سر پیٹتے چلا آتا ہے عباسؑ کا بیٹا
لب خشک ہیں رُخ گردِ یتیمی سے اٹا ہے
دُر چھنتا ہے، کرتے کا گریبان پھٹا ہے

اس بچے کو گھبرا کے یہ شبیرؑ پکارے   کیوں چھوڑ کے مادر کو چلے آئے ہو پیارے
عباسؑ نے کی عرض کریں صدقے تمہارے   پھر دیکھ لیں آنے دو اسے پاس ہمارے
روتا تھا یہ جب گود میں مادر کے دیا تھا
چلتے ہوئے میں نے اسے کم پیار کیا تھا

سر پیٹتا ہاتھوں سے وہ معصوم جو پہنچا   عباسؑ علیؑ کے تنِ مجروح سے لپٹا
ہر چند چھڑاتے تھے اُسے سیدِ والا   لیکن نہ جدا ہوتا تھا بابا سے وہ بچا
کہتا تھا پسر صدقے یہ کیا حال ہے بابا
گھر میں چلو اماں کا بُرا حال ہے بابا

ہاتھوں میں اٹھا لیتا ہوں میں روکے لاشہ   اور آپ کو تھامے چلیں گے شاہِ خوش اوقات
ریتی سے ذرا اٹھیے تو اے قبلۂ حاجات   عباسؑ نے تب بیٹے سے رو کر یہ کہی بات
پانی نہ ملا گھر میں نہ میں جاؤں گا بیٹا
منہ اپنا سکینہؑ کو نہ دکھلاؤں گا بیٹا

یہ کہہ کے عجب درد سے عباسؑ نے کی آہ   جاں ہو گئی تن سے سفری آہ کے ہمراہ
بیٹا تو لگا پیٹنے اور رونے لگے شاہ   ہمشکلِ پیمبرؑ نے کیا نالۂ جاں کاہ

معروفِ بکا روحِ شہِ عقدہ کشا تھی
لاشے کے قریں گریۂ زہراؑ کی صدا تھی

خاموش انیسؔ اب کہ نہیں طاقتِ گفتار　　کر عرض کہ یا حضرتِ عباسؑ علمدار
آقا تو مرا آپ سا ہو جس کا مددگار　　اور ہوئے غلام ایسی مصیبت میں گرفتار

خادم کا بڑا مطلب ہے وہ اب جلد عطا ہو
تم عقدہ کشا ہو پسرِ عقدہ کشا ہو

مرثیہ (۱۲)

ذکرِ شہادت حضرت عباسؑ

اس وقت تھا عجب شہِ دیں پر ہجوم یاس ڈھلنا وہ دوپہر کا وہ آندھی وہ گرد وہ پیاس
لاشے پڑے ہوئے تھے عزیزوں کے آس پاس رو رو کے تک رہے تھے شہِ حق شناس
اٹھتا تھا درد دل تو قدم تھرتھراتے تھے
فرماتے یا علی تو دل بیٹھ جاتے تھے

ھل من مبارز کی جو اعدا میں تھی پکار عباس کو دیکھتے تھے انکھیوں سے بار بار
ڈیوڑھی پہ تھا یہ شور کہ یا شاہِ نامدار دوڑو چلی جہاں سے سکینہ جگر فگار
ہے ہے یہ کیسی آگ لگی ہے زمانے کو
قطرہ نہیں ہے پانی کا منہ میں بجھانے کو

گردن جھکائے بیٹھے تھے تشنہ و بے جگر لب برگِ گل سے خشک تھے رخ آنسوؤں سے تر
صدمے سے ہاتھ ملتے تھے عباس نامور پانی تھا غم سے اکبرِ ذی جاہ کا جگر
تلخ ان کو زیست تھی انہیں سر بارِ دوش تھا
دونوں دلاوروں کو شجاعت کا جوش تھا

بڑھ کر چچا سے کہتے تھے اکبر یہ دم بدم رخصت کو عرض کرتے ہیں ابّا جاں سے ہم
فرماتے تھے اشارے میں عباس ذی حشم کہیو نہ کچھ تمہیں سرِ شبیرؑ کی قسم
پہلے غلام ہوگا جو خدمت گزار ہے
مر لے یہ جاں نثار تو پھر اختیار ہے

یہ کہہ کے رکھ دیا قدمِ شاہ پر جو سر حضرت سمجھ گئے کہ اب ان کا بھی ہے سفر
صدمے سے قلب ہل گیا تھرا گیا جگر طاقت نے تن سے کوچ کیا جھک گئی کمر

کیا بجے جس پہ ظلم کا یوں آسماں گرے
دل تھام کے زمیں پہ امامِ زماں گرے

بھائی کے سر کو بھائی نے پٹکا کے یہ کہا　　بتلاؤ کیا ارادہ ہے اے میرے مہ لقا
دستِ ادب کو جوڑ کے بولا وہ باوفا　　پیاسی سکینہ مرتی ہے یا شاہِ کربلا
گو ڈٹے ہیں تن عدو یونہی اس خوش صفات پر
گر اذن ہو تو پانی کو جاؤں فرات پر

بولے یہ بہا کے اشک امامِ فلک جناب　　یہ موت کا پیام ہے بچوں کا اضطراب
صابر ہر ایک بچہ ہے فرزندِ بوتراب　　اچھا یہ ہے صلاح تو کیجے تلاشِ آب
مشتاق آپ دیر سے جنگ و جدل کے ہیں
پانی کہاں کا سب یہ بہانے اجل کے ہیں

یہ کہہ کے اس طرح ہوئے شبیرِ نوحہ گر　　روئے جواں پسر پہ جیسے کہ روتا پدر
رخصت کی اہلِ بیت کو بھی ہو گئی خبر　　گھبرا کے آئی بال سکینہ قریبِ در
چلائی عمو جان ادھر آ کے جائیے
دیدار آخری مجھے دکھلا کے جائیے

یاں چڑھ چکے تھے گھوڑے پہ عباسِ حق شناس　　آئے صدا بھتیجی کی سنتے ہی در کے پاس
بولی یہ مشک دے کے سکینہ بہ درد و یاس　　قربان ہو جاں بجھا دو ہماری پیاس
پھکتا ہے دل عطش سے کلیجہ کباب ہے
سقائی کیجیے کہ یہ کارِ ثواب ہے

عباس نے کہا کہ مرا فخر ہے یہ کام　　یاں تمہارے باپ کا ادنیٰ ہے یہ غلام ۱
دی تم نے آبرو مجھے اے دخترِ امام　　اب ہو گیا جہاں میں بہشتی ہمارا نام
کہتی ہیں بچیاں دوش پہ گر مشکِ آب ہو
تم بھی دعا کرو کہ چچا کامیاب ہو

کہہ کر یہ بات باگ اُٹھائی سمند کی — صورت بدل گئی فرسِ سربلند کی
چھل بل ہرن کی تیز پری تھی پرند کی — سرعت بلائیں لیتی تھی ہر جوڑ بند کی
بجلی چمک کے چھپ گئی پارا تڑپ گیا
جنگل میں یوں اُٹھا کہ چکارا تڑپ گیا

گھوڑے کی یہ شکوہ وہ شوکت سوار کی — تصویر تھی ہوا پہ شہِ ذوالفقار کی
وہ نور وہ چمک علمِ زرنگار کی — خوشبو مہک رہی تھی نسیمِ بہار کی
پنجہ نہ تھا نشان ثریا مآب کا
تھا مشرقِ جبرئیل پہ تاج آفتاب کا

پہنچا جو اس جلال سے وہ آفتابِ دیں — دیکھا سپاہ کو صفتِ شیرِ خشمگیں
گاڑا جو دبدبے سے قدم ہل گئی زمیں — ہٹ ہٹ کے مورچوں سے چلے پیادہ اہلِ کیں
غازی ہے صف شکن ہے جری ہے دلیر ہے
ہشیار تھا ترائی سے بچے وہ شیر ہے

بڑھ کر رجز علی ولی کا پسر پڑھا — گویا شکار کھیلنے کو شیرِ نر بڑھا
دریائے قہرِ خالقِ جن و بشر بڑھا — بحرِ نبرد و مالکِ فتح و ظفر بڑھا
تڑپا جو رخش برق نگاہوں سے گر گئی
آمد خدا کے شیر کی نظروں میں پھر گئی

نکلی ادھر غلاف سے وہ برقِ شعلہ ریز — چمکے میں ذوالفقار تھی جس کی زبان تیز
چمکے شرر بھڑکنے لگی آتشِ ستیز — گھبرا اجل نے بند ہوئے راہِ گریز
آیا خدا کا قہر پھر اک بد سپاہ پر
بجلی محیط ہو گئی ساری سپاہ پر

بجلی گری تڑپ کے سمیٹے بلا گئی — کٹتے ہوا میں فلک میں ان کو ملا گئی
بھڑکی دلوں میں آگ وہ پانی پلا گئی — جوہر دکھا کے فوج کو ہیرا کھلا گئی

دعویٰ تھا حُسن کا جسے یوسف جمال کا
یوں تیغ نے عوض لیا شبیر کے لال کا

اٹھی جہاں سپاہ میں آئی جدا ہوئی
پنجہ جو بچ گیا تو کلائی جدا ہوئی
صف کی جدا پرے کی صفائی جدا ہوئی
پیری جگر میں خوں میں نہائی جدا ہوئی
دم توڑتے پیاسے کوئی پوچھا ذرا نہ تھی
نکلی جو خوں میں تیر کے پھر آشنا نہ تھی

گھیرا جو ایک بیک غضب کردگار نے
گھوڑے بھگائے فوجِ ضلالت شعار نے
کھینچا سرا آسماں پہ زمیں کے غبار نے
سر پہ اڑائی خاک سپاہ سیاہ روزگار نے
مُنہ چھپ گیا یہ گرد پڑی روئے مہر پر
حلقہ کا بل بندھا تھا محیطِ سپہر پر

دریا کی فوج گھاٹ سے جب ہٹ گئی تمام
ساحل تک آ گئے حضرتِ عباسِ نیک نام
نعرہ کیا ترائی کو شیروں کا سب مقام
وہ نعرۂ شور کیا کہا اے ساکنانِ شام
تم سب کی کیا بساط ہے دامن کی گرد ہو
ہاں اب یہیں ہٹاؤ تو جب ہیں کہ مرد ہو

وہ علم اللہ تھا کہ نہ تھی دم لینے کی تاب
ریتی پہ کیا سپاہ کی مٹی ہوئی خراب
لاکھوں میں اب تو تھے کوئی اس تیغ کا جواب
یوں خاک میں ملاتے ہیں فرزندِ بوتراب
افسوس ابنِ سعد ستمگار رہ گیا
پر خیمہ کچھ غبار تو دل کا نکل گیا

یہ بات کہہ کے ڈال دیا نہر میں سمند
غازی نے علم اٹھا کے بڑھا اسپِ سربلند
چمکا جو عکس روئے علمدارِ ارجمند
پانی کی آب و تاب ہوئی چاند سے دوچند
دریا کے دل میں تھی جو کدورت وہ دھو گئی
آنکھوں میں مچھلیوں کے چکاچوند ہو گئی

چھاتی تک اس نے پانی کو دیکھا جو ایک بار — گھوڑے کا دل بھی صفتِ موج بے قرار
حسرت سے منہ پھرا کے ترائی سے تھے سوار — بولے یہ باگ موڑ کے عباس نامدار
تڑپے ہے اس زمیں پہ بہت تشنہ کام ہے
ہم پر تو بے حسین یہ پانی حرام ہے

گردن ہلا کے کہنے لگا اسپ تشنہ کام — بے شاہ تشنہ لب مجھے بھی پانی ہے یہ حرام
اس قوم میں نہیں کوئی ہمدرد وفا کا نام — آقا بھی حسین کے بچے ہیں تشنہ کام
صاحب پہ ہے کہ ذکر وفا چار سو رہے
تر خشک لب رہیں تو رہیں آبرو رہے

بیکس کا حال سن کے لگا دل پہ تیر غم — روئے لہو کے اشکوں سے عباس باکرم
مشکیزہ بھر کے دوش پہ رکھا بچشم نم — نکلا پلٹ کے نہر سے شبدیز خوش قدم
بڑھتے ہی لشکرِ ظلم کی فوجوں میں گھر گیا
سقا نبی کی آل کا فوجوں میں گھر گیا

کہتا تھا گرز تول کے ایک ایک پہلوان — رکھ دو یہ مشک اے اسد اللہ کے نشاں
بڑھ کر جواب دیتے تھے عباس نوجواں — چہرہ بگاڑ دوں گا سنبھالے موذیاں
کیا تاب جو مشک کو کوئی لے جب تک یہ ہاتھ ہے
اے بے حیا تو مری جان اس کے ساتھ ہے

کھینچی یہ کہہ کے تیغ دو دستی علم کیے — دو زانو فوج کے سر بستہ خون قلم کیے
لے صفوں پہ صورت شمشیر زن ہے — تیغ دو دم سے بند لعینوں کے دم کیے
سن سن کے تیغ چلنے میں کڑیاں بھی کٹ گئیں
آدھی صفیں تو بھاگ گئیں آدھی الٹ گئیں

ابھار جنگ بیک ہوئی تیروں کا ہے غضب — تیغیں چلیں غضب کے شریروں کا ہے غضب
یہ شکل دو جہاں کے امیروں کا ہے غضب — بھیجے جو پانی پیاس صغیروں کا ہے غضب

نیزے سے تھے اور چار طرف سے پہلو دلیر کے
تیروں نے چھان ڈالا تھا سینے کو شیر کے

زخمی تھے پر زمیں کو دبوچے ہوئے تھے بار بار — چہرے پہ زخم کھا کے جھپٹتے تھے بار بار
بڑھ بڑھ کے غول فوج کے ہٹتے تھے بار بار — سر تن سے پانچ سات کے کٹتے تھے بار بار
دکھلا رہے تھے رنگ علی کی لڑائی کا
اعدا کے خون سے لال تھا سبزہ ترائی کا

کھاتے تھے تن پہ زخم کچھ اپنا نہ تھا الم — منظور تھا کہ مشک بچے وہ صاحب کرم
بہتا تھا خون رگوں سے تھکتے نہ تھے قدم — قوت کو ضعف، ضعف کو قوت تھی دم بدم
اعدا ہدف بناتے تھے کینے سے مشک کو
یہ بچاؤ کرتے تھے سینے سے مشک کو

تلوار ہاتھ میں تھی علم شاہ دوش پر — پانی پہ تھی نگاہ مشک رکھی گاہ دوش پر
اک تیغ تیز چل گئی ناگاہ دوش پر — تلوار کیا پہاڑ گرا آ کے دوش پر
صدمہ ادھر تو مشک کا جان حزیں کو تھا
دیکھا جو پھر کے دست مبارک زمیں پہ تھا

شانے سے یوں ابل کے گرا خون الاماں — تھرا کے جھومنے لگے عباس نوجواں
بجلی کی طرح ہاتھ تو ریتی پہ تھا تپاں — لیکن جدا ہوتی تھیں تڑپنے سے انگلیاں
بے دست ہو گئی تھی جو اس صفدری کے ساتھ
تلوار بھی تڑپتی تھی دستِ جری کے ساتھ

داہنا تھا ہاتھ تیغ اسی تک تھی یہ ستم — اب تھاما بائیں ہاتھ میں مشکیزہ و علم
تلواریں دو چلیں جو کمیں گاہ سے بہم — الجھا ہوا وہ ہاتھ بھی بس ہو گیا قلم
کس سے ہٹائیں فوج کو کس سے وغا کریں
چلاتا اب کہ حضرت عباس کیا کریں

ڈر سے قریب تو آ نہ سکا کوئی نابکار پر تیر سب لگانے لگے باندھ کر قطار
اک تیر لگ کے مشک پہ گزرا جگر کے پار پانی کے ساتھ سینے سے چھوٹی لہو کی دھار

ہے ہے سکینہ کہہ کے فلک پر نگاہ کی
پانی پہ سر پٹک کے بہشتی نے آہ کی

گرز ستم سے شق ہوا ناگاہ سر جناب تھراتے ہونٹ چھٹ گئی ہاتھوں سے مشک آب
فرمایا ہائے دیں گے سکینہ کو کیا جواب گھوڑے سے تھرتھرا کے گرے شکل آفتاب

تڑپے اٹھے کراہ کے خاموش ہو گئے
منہ رکھ کے خالی مشک پہ بے ہوش ہو گئے

ان کا تو یاں ہے کوچ سنو واں کی اب خبر ڈیوڑھی کے پاس بیٹھے ہیں حضرت برہنہ سر
لپٹا ہوا ہے چھاتی سے عباسؑ کا پسر بیٹھی ہے سر جھکائے سکینہ قریب در

زینبؑ کھڑی ہے ڈیوڑھی پہ اور دل پہ ہاتھ ہے
بکھرائے بال زوجۂ عباسؑ ساتھ ہے

زینبؑ سے عرض کرتی ہے رو کر وہ دل فگار ہے ہے یہ شور حشر ہے کیا ہے میں نثار
کچھ دم الجھ رہا ہے نہیں قلب کو قرار گھٹتی ہے کانپتے ہیں ہوا سر سے بار بار

خیر اب نہیں ہے خیر کے انداز اور ہیں
بی بی یہ سب ہمارے بد نصیب کے طور ہیں

کس سے کہوں کہ دوڑ کے لائے کوئی خبر پردہ اٹھا کے اب میں نکلتی ہوں ننگے سر
یہ ذکر تھا کہ فتح کے باجے بجے ادھر دوڑے زمیں سے اٹھ کے شہنشاہ بحر و بر

ماتم میں نوجواں کے دل اندوہناک تھا
تلوار ہاتھ میں تھی گریبان چاک تھا

رستے میں ڈگمگاتے تھے جب شہ کے قدم اکبرؑ سنبھال لیتے تھے بابا کو دم بدم
فرماتے تھے تڑپ کے پسر سے شہ امم جو حال ہو بجا ہے کہ بھائی کا ہے الم

بازو پکڑ کے دلبر زہرا کو لے چلو
بیٹا چچا کی لاش پہ بابا کو لے چلو

اس شکل سے ترائی میں پہنچے جناب دیں — رو کر یہ شہ سے کہنے لگے اکبر حسیں
بابا یہی ہے لاشِ علمدار مہ جبیں — گھوڑا کہیں ہے تیغ کہیں ہے علم کہیں
سکتے ہوئے ہیں مشک پہ منہ پھاڑ دیکھئے
شانے کٹے ہیں شانِ علمدار دیکھئے

چلائے گر کے لاش پہ شبیرِ نامدار — بھیا تمہاری نرگسی آنکھوں کے میں نثار
اس نزع میں بھی تھا تمہیں بھائی کا انتظار — آنکھیں پھرا کے ڈھونڈتے ہو ہم کو بار بار
شاید زباں ہے بند جو اب کھولتے نہیں
روتے ہوئے ہم آئے تو اب بولتے نہیں

مر جائے گا حسین برادر جواب دو — اے میرے نوجواں مرے صفدر جواب دو
اب جاں بلب ہے سبطِ پیمبر جواب دو — اے نورِ چشمِ ساقیٔ کوثر جواب دو
لکنت زبانِ خشک کو ہے تشنہ کام ہیں
بھیا تمہارے سر کی قسم ہم تمام ہیں

سن لو تمہیں دیا ہے سکینہ نے کچھ پیام — پیاسا نہ ہو کہ یاں چلی آئے وہ تشنہ کام
جنبش ہوئی لبوں کو بھتیجی کا سن کے نام — کی عرض اب غلام کی رخصت ہے یا امام
قدموں پہ آنکھیں ملنے کو دل بے قرار تھا
مولا کے دیکھنے کا فقط انتظار تھا

منہ رکھ کے منہ پہ کہنے لگے شاہِ خوش خصال — کیوں چپ ہوئے کچھ اللہ کہو اپنے دل کا حال
اٹھ کے رکھے ہو ہونٹوں پہ صدقے علی کے لال — بھیا مدد کو آئے ہیں اب خیر ذوالجلال
سانس کیوں ہے بند کونسی ایذا گزرتی ہے
کیوں دم بدم کراہتے ہو کیا گزرتی ہے

یہ بات سن کے نزع میں عباس تھرتھرائے تڑپے لہو کے گھونٹ لبِ مشک پہ سرک آئے
دو بار سر جھکا کے پکارے کہ ہائے ہائے پھر غش میں شہ حسین کے قدموں کے پاس آئے
ہچکی کے ساتھ موت کا خنجر بھی چل گیا
سر پاؤں پہ دھرا اور دم نکل گیا

مرثیہ (۳۱)

شہادت علی اکبر علیہ السلام

دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر راحت کوئی آرام جگر سے نہیں بہتر
نعمت کوئی پاکیزہ ثمر سے نہیں بہتر نکہت کوئی بوئے گل تر سے نہیں بہتر
صدموں میں علاج دل مجروح یہی ہے
ریحاں ہے یہی راح یہی روح یہی ہے

ماں باپ کا دل غنچۂ خنداں ہے اسی سے وہ گل ہے کہ گھر رشک گلستاں ہے اسی سے
سب راحت و آرام کا ساماں ہے اسی سے آبادی کاشانۂ انساں ہے اسی سے
کس طرح کھلے دل کہ جگر بند نہیں ہے
گھر قبر سے بدتر ہے جو فرزند نہیں ہے

یہ وہ ہے عصا پیر جواں رہتا ہے جس سے یہ وہ ہے نگیں نام و نشاں رہتا ہے جس سے
وہ شمع ہے پُرنور مکاں رہتا ہے جس سے وہ قند ہے تری رشتۂ جاں رہتا ہے جس سے
کھوتے نہیں یہ لال زر و مال کے بدلے
سر بھی نثار دیتے ہیں اس لال کے بدلے

دولت یہی شوکت یہی اجلال یہی ہے ثروت یہی حشمت یہی اقبال یہی ہے
سرمایہ یہی نعمت یہی مال یہی ہے گوہر یہی یاقوت یہی لعل یہی ہے
دلبند جو پہلو میں تو غم پاس نہیں ہے
کچھ پاس نہیں گر یہ رستم پاس نہیں ہے

ماں باپ کی آسائش و راحت ہے پسر سے تلخی میں بھی جینے کی حلاوت ہے پسر سے
خوں جسم میں آنکھوں میں بصارت ہے پسر سے ایام ضعیفی میں بھی طاقت ہے پسر سے

آرام جگر قوتِ دل راحتِ جاں ہے
پیری میں یہ طاقت ہے کہ فرزند جواں ہے
وہ شے ہے خوشی در پہ کھڑی رہتی ہے جس کے   وہ چین ہے راحت کی گھڑی رہتی ہے جس سے
وہ مال ہے امید بڑی رہتی ہے جس سے   وہ دُر ہے یہ دُرجان لڑی رہتی ہے جس سے
آرام جگر تاب و تواں ساتھ ہے اس کے
پھرتا ہے جدھر رشتۂ جاں ساتھ ہے اس کے
مالک سے جو بے گھر کے اُجڑ جانے کو پوچھو   گھر والوں سے اس تفرقہ پڑ جانے کو پوچھو
ماں باپ سے قسمت کے بگڑ جانے کو پوچھو   یعقوبؑ سے یوسفؑ کے بچھڑ جانے کو پوچھو
اللہ دکھائے نہ الم نورِ نظر کا
بہہ جاتا ہے آنکھوں سے لہو قلب و جگر کا
اب رخصتِ اکبرؑ ہے شہِ تشنہ دہاں سے   فرزند بچھڑتا ہے امامِ دو جہاں سے
پیری میں بچھڑتا ہے عجب تازہ جواں سے   کس فصل میں در پیش ہے فرقت تن و جاں سے
آتی ہے اجل گود کا پالا نہیں جاتا
صابر سے کلیجے کو سنبھالا نہیں جاتا
فرماتے ہیں فرزند سے آنکھوں کو جھکا کر   دیکھ آؤ ذرا مادرِ ناشاد کو جا کر
کہتا ہے وہ ناشاد جواں اشک بہا کر   اب جائیں گے خیمے میں سناں سینے پہ کھا کر
مُنہ نیزہ و شمشیر سے موڑا نہیں جاتا
سب چھوڑیں مگر آپ کو چھوڑا نہیں جاتا
مولا یہ غلام اب متمنی ہے رضا کا   مشتاق ہے یہ خشک گلا آبِ بقا کا
شہرہ ہے علمدارِ دلاور کی وفا کا   کچھ کام تو خادم سے بھی ہو راہِ خدا کا
اس خلق کا فقرہ ہو تو خورشید وہی ہے
کہ آج مرے زندہ ہے جب امید وہی ہے

لذت ہے گلا جو حیدرؑ کے سینے میں نہیں ہے
نام اس کا شجاعت کے نگینے میں نہیں ہے

مل مرا وہ ہے کہ درد بھی سینے میں نہیں ہے
مرنے میں جو لذت ہے وہ جینے میں نہیں ہے

سر دینے کی لذت کوئی سرداروں سے پوچھے
زخموں کا مزہ حیدر کے نمک خواروں سے پوچھے

کیا ہی قسمت نے چھڑایا ہمیں سب سے
جو اب ہوا ہے نجل شاہ عرب سے

سر دینے لگے دم میں ارادہ تھا یہ شب سے
تڑپا کیے اور کچھ نہ کہا پاس ادب سے

دشمن پہ نہ ایسے الم و غم ہوں جہاں میں
قاسم تو ہوں فردوس میں اور ہم اس جہاں میں

سنے صبر میں حضرت سا کوئی ہے نہ رضا میں
گھر آپ کے صدقے کیا سب راہ خدا میں

یہ وصف کس کا ہے کہ رو دے نہ عزا میں
کیجیے مری امداد بھی اس رنج و بلا میں

گر بعد خدا کے ہیں تو ماں باپ ہیں مولا
دیجیے مجھے رخصت کہ سخی آپ ہیں مولا

یہ کہہ کے جو قدموں پہ گرا وہ مہ انور
سر چھاتی سے لپٹا کے یہ کہنے لگے سرور

ہیں مانع تحصیل سعادت نہیں دلبر
جو تم سے بن آئے وہ کرو اے علی اکبر

یہ سنتے ہی دنیا سے گزر جائے گی زینبؑ
رونا مجھے اس کا ہے کہ مر جائے گی زینبؑ

بسم اللہ اگر عزم ہے تو خیمے میں جاؤ
ماں سے بھی پھوپھی سے بھی رضا جنگ کی لاؤ

رو کر انہیں غم میں شوق سے پھر برچھیاں کھاؤ
آب دم شمشیر سے یہ پیاس بجھاؤ

دیر اب کہیں دنیا سے گزرنے میں نہ ہووے
ہاں جلد کہ عرصہ مرے مرنے میں نہ ہووے

یہ سن کے گیا خیمے میں وہ صاحب توقیر
الفت سے پھری گرد پسر مادر دلگیر

لپٹا کے گلے کہنے لگی شاہ کی ہمشیر
سنولا گئی ہے دھوپ میں یہ چاند سی تصویر

دو دن سے اس آفت میں نہیں سوئے ہو بیٹا
آنکھوں پہ ورم کیسا ہے کیا روئے ہو بیٹا!
حضرت کی تو ہے خیر کہو اے مرے دلبر　　اشک آنکھوں سے ٹپکا کے یہ بولا وہ دلاور
اب خیر کہاں کٹ گیا سب شاہ کا لشکر　　نے آپ کے بیٹے نہ بھتیجے نہ برادر
تم نے جو بچایا تھا جنہیں وہ بھی بچھڑے ہیں
مظلوم پدر لاکھوں سواروں میں گھرے ہیں

اک ہم ہیں کہ بابا کی مدد کر نہیں سکتے　　اظہار بھلا فردی جدا کر نہیں سکتے
فوجوں کے پہا دیتے ہیں کد کر نہیں سکتے　　بے حکم کوئی وار بھی رد کر نہیں سکتے
دربار میں مرنے کی باری نہیں آتی
سب مرتے ہیں اور موت ہماری نہیں آتی

یہ کہہ کے پھوپھی پاس گئے اکبر دلگیر　　ہاتھوں کو بھی جوڑا کہ بحل کیجئے تقصیر
منہ دیکھ کے مادر کا یہ کی پاس سے تقریر　　اماں آپ بھی بخشیں تو ملے عزت و توقیر
اس عرض سے تن میں مرے جان آئے گی اماں
وہ ٹھنڈک کی یہ پیاس ابھی بجھ جائے گی اماں

زینب نے کہا میں ہوں رضامند و ثناخواں　　تقصیر تری کچھ نہیں اے اکبر ذی شاں
ماں بولی میں ان سے کہ مرے ہو جو تم قرباں　　وہ دودھ بھی بخشا تمہیں ماں نے بدل و جاں
آگے ترے دنیا سے سفر کر نہ گئی میں
یہ ذکر سنا ہائے غضب مر نہ گئی میں

یہ سن کے تڑپنے لگی زینب ناشاد　　ہے ہے علی اکبر کی ہوئی رانڈوں میں فریاد
جس وقت چلا خیمے سے وہ غیرت شمشاد　　غل تھا کہ ہوئی فاطمہ کی اب پھلی برباد
یوں گرد حرم روتے تھے اس سرو رواں کے
جس طرح کہ ماتم ہو جنازے پہ جواں کے

پہنچے جو قریں شہ کے تو کی عرض کہ حضرت　　اقبال سے مولا کے ملی جنگ کی رخصت
فرمایا کہ دیتی ہے چہرے کی بشاشت　　مسعود و مبارک سفر گلشن جنت
مرضی ہو تو یہ پیر بھی رہے ساتھ تمہارا
لے جائیں گے ہم تھامے ہوئے ہاتھ تمہارا

اکبر نے کہا آپ سلامت رہیں آقا　　دنیا کا شرف دولت دیں عزت عقبیٰ
کوثر کی نہ طوبیٰ کی ہوس ہے نہ جنت کی تمنا　　ہاں میں فقط آب دم شمشیر کا پیاسا
قرباں مجھے کیجیے یہ تمنائے دلی ہے
میراث خلیل آپ کے گھر میں ملی ہے

فرمایا کہ اے پسر عاقل و دانا　　ہے ذات خدا قادر و قیوم و توانا
جو آیا ہے اک دن اسے درپیش ہے جانا　　آگے کوئی پیچھے کوئی ہوتا ہے روانا
وقفہ کہیں دن کا ہے تو عرصہ کہیں شب کا
جب مل کے ہوئی منزل تو مکاں ایک ہے سب کا

تھی صبح کہ احباب مسافر ہوئے سارے　　دن دوپہر آیا تھا کہ عباس سدھارے
اب جاتے ہو تم بعد زوال اے مرے پیارے　　عرصہ نہیں کچھ آتے ہیں ہم بعد تمہارے
تم اور نہ بھائی نہ بھتیجا نہ پسر ہے
رہتے ہیں ہم اس پر کہ ضعیفی کا سفر ہے

ہر طرح گزر جائے گی اے اکبر ذی جاہ　　پر الفت اولاد سے عاجز ہے بشر آہ
کچھ جان چلی جاتی ہے تن سے ترے ہمراہ　　غش آتا ہے گرتے ہیں سنبھالو ہمیں للہ
جس پاس پسر ہو وہ جواں بخت ہے بیٹا
یہ ہجر تو کچھ موت سے بھی سخت ہے بیٹا

رخصت ہوئے جب شہ سے علی اکبر ذیشاں　　گھوڑے پہ چڑھے آپ کھلا دل پہ قرآں
وہ رخش کی چھل بل وہ ضیائے رخ تاباں　　اک برق چمکتی ہوئی پہنچی سوئے میداں

[illegible] خورشید [illegible] آئی
[illegible] زمین [illegible] آئی

وہ [illegible] شمشیر [illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible] حضرت [illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

جس صف پہ چلی خون میں غلطاں کیا اس کو　　مجمع تھا جدھر دم میں پریشاں کیا اس کو
جو آگے بڑھا قتل سے بے جاں کیا اس کو　　بخشش جسے جاں بندۂ احساں کیا اس کو
بے سر تھا ازل سے تھی خطا اصل میں جس کی
مارا اُسے دیندار نہ تھا نسل میں جس کی

کیا ہاتھ تھا کیا تیغ تھی کیا دست عالی　　دم بھر میں نمودار صفیں ہوتی تھیں خالی
جب ہجوم کے ڈھالوں کی گھٹا آتی تھی کالی　　بجلی سی چمک جاتی تھی شمشیر ہلالی
ملتا تھا نشاں رن میں صفوں کا نہ پروں کا
تھا شور کہ مینہ تیغ برستا ہے سروں کا

کیا حرب تھی قربان جگر گوشۂ شبیر　　نکلا جو کماں سے تو قلم ہو کے گرا تیر
آیا جو کماں لے کے کہیں سے کوئی بے پیر　　گوشہ تھا نہ چلّا تھا نہ حلقہ تھا نہ زہ گیر
جو وار تھا صفدر کا صفائی سے جدا تھا
قبضے سے کماں ہاتھ کلائی سے جدا تھا

یا شیر خدا کہہ کے جب اعدا میں در آئے　　انبار تن و سر کے وہ دو دستہ نظر آئے
یوں غیظ و غضب میں ادھر آئے اُدھر آئے　　جیسے صف آہو کی طرف شیر نر آئے
جانوں کو بچاتے تھے پیادے بھی نہ ہٹ کر
گر پڑتے تھے گھوڑے سے بھی سواروں پہ اُلٹ کر

کٹ کٹ کے ہر اک ضرب میں گر جاتے تھے سر پر　　بجلی پہ نہ چلتی تھی کوئی پھول سپر پر
پھر جاتی تھی گردن پہ کبھی گاہ جگر پر　　مرکز کی طرح تھی کبھی دشمن کی کمر پر
نکلی جو کمر سے تو چلی خانۂ زیں پر
زیں سے تھی جو مرکب میں تو مرکب سے زمیں پر

بادل کی طرح شام کی جب فوج گھر آئی　　پھر تیغ نے بجلی صف اعدا پہ گرائی
دعویٰ تھا مگر بھول گئے ہرزہ سرائی　　چلاتے تھے بھاگو کہ وہ خونخوار پھر آئی

ہر بار ہے موجود تو ہر بار نہیں ہے
یہ مرگِ مفاجات ہے تکرار نہیں ہے

جس وقت وفا کا نہ رہا ایک بھی یارا خیمے سے نکل کر پسرِ سعد پکارا
وہ لاکھوں نے بھی مل کے نہ اک تشنہ کو مارا اب چادریں اوڑھو کہ مٹا نام تمہارا
بس ہار دیا فوج نے عزت گئی سب کی
بے آب ہوئی آج سے تلوار عرب کی

یہ سنتے ہی غیظ اک ہی غدار کو آیا میداں میں اڑاتا ہوا راہوار کو آیا
کس غیظ سے تولے ہوئے تلوار کو آیا وابستہ ید اللہ سے پیکار کو آیا
کاندھے پہ سپر لب پہ سخن بے ادبی کے
ظالم کو عداوت تھی گھرانے سے نبیؐ کے

رستم کی طرح اپنے تن و توش پہ چسپیدہ خورشید پہ غالب کبھی ہوتا نہیں ذرہ
بدکار جہاں حسنِ لیاقت سے معرّا گردن تھی ازل سے تہِ شمشیر تبرا
پڑھ کر ہو رستہ وہ سیہ رُو ہو گزر جائے
صورت وہ کہ عفریت جسے دیکھ کے ڈر جائے

کافر نے رجز پڑھ کے تکاور کو نکالا اکبرؑ بھی بڑھے چلنے لگا بھالے پہ بھالا
اژدر سے زبانوں کو نکالے تہ و بالا گردن کو اڑاتے ہوئے تھا اصلے سے کالا
بجلی تھی سناں پر جو سناں دشتِ وغا میں
چنگاریاں اڑتی نظر آتی تھیں ہوا میں

نیزے ہیں کماں سے کے بڑھا سرکشِ بے پیر سر پہ تھا عقاب علی اکبرؑ صفتِ تیر
پنجہ تھا کہ شہباز بہ مرغانِ صدا گیر غل تھا کہ نہ بچ جائے جگرگوشۂ شبیرؑ
یا دیکھتی تھی فوج فرس کی تگ و دو کو
یا پنجۂ خورشید میں دیکھا مہِ نو کو

ہے طول امل نیزۂ خطی کا ملانا
کرتی ہے کمال تیغ صباحت کا نشانا
ہے گرز فقط بار گراں دوش پہ لانا
بس ہے کہ گلو تیغ کے ماننے ہے زمانا
ایسا کوئی منصف ہے عرب میں نہ عجم میں
جب کھنچ گئی تلوار تو ہے فیصلہ دم میں

تلوار سے کانپا کیے کفار سب سب
دنیا سے جہنم کو گئے عنتر و مرحب
سرتابقدم عمر بھی تھا بسمل مرکب
ظلمت نہ رہی کفر کی وہ قتل ہوا جب
نصرت تھی جو ہمدم تیغ علی حق سے دل کی
اللہ نے کی آپ ثنا ضرب علی کی

سرسبز کیا گلشن اسلام اسی نے
کعبے سے جدا کردیے اصنام اسی نے
شاہوں کو دیے موت کے پیغام اسی نے
قبضے میں کیا روم سے تا شام اسی نے
کانپا کیے خاقان جہاں حرب سے اس کی
جاری ہوا سکے کا چلن ضرب سے اس کی

آفاق میں ہے دبدبہ شاہی کا اسی سے
آغاز ہے ملکوں کی تباہی کا اسی سے
اقبال چمکتا ہے سپاہی کا اسی سے
بیٹھا ہے عمل شیر الٰہی کا اسی سے
یاد ان کو نہ بھولی کبھی دم تیغ علی کی
جبریل بھی کھاتے ہیں قسم تیغ علی کی

جب تیزی شمشیر لبان اس کو دکھائی
ٹھنڈا تو ہوا تھا پہ صلابت بھی کچھ آئی
تلوار علم کرکے جو ڈھال اس نے اٹھائی
معلوم ہوا جیسے گھٹا کوہ پہ چھائی
خورشید ہوا زرد اڑی گرد جو رن کی
گھوڑے کی ٹاپ سے زمیں ہل گئی رن کی

ارمان ڈھالوں کا وہ تلواروں کی جھنکار
آفت کی لڑائی تھی قیامت کا ہر اک وار
مرحب تھا ادھر اور ادھر حیدر کرار
تلوار پہ تلوار تھی وار پہ تھا وار

بجلی سے فزوں تھی تڑپ آتش نفسوں کی
ہمدوش تک آ جاتی تھیں ٹاپیں فرسوں کی

غصے میں جو سفاک نے کی رخش کو مہمیز — شہزادے کے گھوڑے کے قریب آ گیا شبدیز
یاں تھام لی اکبرؑ نے عنانِ فرس تیز — جھکا تھا وہ گھوڑا کہ چلی تیغ شرر ریز
ہوش اڑ گئے اس بانیِ بیداد و ستم کے
سر کٹ کے گرا فاصلے پہ چالیس قدم کے

مصروف تھے لڑنے میں ادھر اکبرؑ دلگیر — بیتاب تھے قبلے کو ہوئے یوں حضرت شبیرؑ
تھراتے تھے ہاتھ اور زباں پر تھی یہ تقریر — یہ سب تری تائید ہے اے مالکِ تقدیر
بے کس ترے بندے پہ عجب وقت پڑا ہے
یا رب یہ پسر تیسرے فاقے سے لڑا ہے

یہ کہہ کے علی اکبرؑ مہ رو کو پکارے — اے صفدر مرے شیر مرے پیاس کے مارے
ٹھہرو کہ پدر چوم لے ہاتھوں کو تمہارے — خالی ہے علمدار کی جا اے مرے پیارے
جعفرؑ اسی کس بل سے اسی ڈھب سے لڑے تھے
خیبر میں علیؑ بھی یوں ہی مرحب سے لڑے تھے

بالیدہ ہوا شہ کی صدا سن کے وہ جرار — مجرا کیا رہوار سے جھک جھک کے کئی بار
کی عرض شہادت کی دعا کا ہوں طلبگار — اب پیاس نے مارا مجھے یا سیدِ ابرار
گرمی سے غش آتا ہے جھکا جاتا ہے سر بھی
ہتھیار بھی سب گرم ہیں جلتا ہے جگر بھی

تسلیم کی اور اسپ صبا دم کو اڑا کر — پھر ڈوب گیا فوج میں وہ شیر دلاور
یاں بیٹھ گئے تھام کے دل سبطِ پیمبرؑ — واں شام کے بادل میں گھرا وہ مہِ انور
تیروں کی جو بوچھار ہوئی چھن گیا سینہ
سوفار ہوئے اتنے کہ زرہ بن گیا سینہ

ٹکڑے ہوئے تیغوں سے بہت کر دیے   مجروح نے اک نعرہ اس فوج کے مارے
صحرا میں کبھی تھے کبھی دریا کے کنارے   پھر دیکھ گئے باپ کو پھر رن کو سدھارے
مرے نہ پدر قتل ہو لخت جگر ایسا
باپ ایسا ہو صابر تو جری ہو پسر ایسا

روتے تھے کہ پیشانیِ اکبر پہ لگا تیر   سب بھولے سے ہجری محمد مختار کی تصویر
کھلا ہے کہیں میں تھا کوئی ظالم بے پیر   برچھی جو لگی سینے میں حالت ہوئی تغییر
اللہ ری شجاعت کہ نہ ابرو پہ بل آیا
پھل اس نے جو کھینچا تو کلیجہ نکل آیا

تھا جو نکلا علی اکبر کا ادھر دم   نکلی وہ خیمے سے ادھر زینب پر غم
سر ننگے تھیں پیچھے گئی سیدانیاں باہم   منہ پیٹتی تھی کوئی کوئی کرتی تھی ماتم
برپا تھا فلک نالہ و فریاد و بکا سے
اک حشر تھا ہے ہے علی اکبر کی صدا سے

خاموش انیس اب نہیں تاب رقم کی   شق ہوتی ہے چھاتی دم تحریر قلم کی
کیونکر کوئی روداد لکھے اہل حرم کی   حقا کہ نہایت نہیں شبیر کے غم کی
مصروف ہر اک اشک بہانے میں رہے گا
ماتم علی اکبر کا زمانے میں رہے گا

مرثیہ (۱۴)

شہادتِ جناب علی اصغرؑ

جب رن میں حسینؑ اصغرِ بے شیر کو لائے — لختِ جگرِ بانوئے دلگیر کو لائے
ہالوں میں اس صاحبِ توقیر کو لائے — ہاتھوں پہ دھرے چاند کی تصویر کو لائے
غل پڑ گیا دیکھو شہِ والا کے پسر کو
خورشید نے ہاتھوں پہ اٹھایا ہے قمر کو

معصوم کے شانہ پہ عجب تھی جب لڑ — آشفتۂ افلاک تجلی سے ہے معمور
اپلند ہے اس رخ کے یہ خال بہ رخ زرد — دولھن کے کفِ دست پہ ہے شمعِ سرِ طور
کیا صاحبِ اعجاز امامِ دو جہاں ہے
زیرِ یدِ بیضا یہ سرِ دست عیاں ہے

حسنِ رخِ اصغرؑ سے تجلی تہہ اکبر — خورشید تو ذرہ ہے ستارہ مہِ انور
گرمی سے جو قطرے ہیں پسینے کے جبیں پر — ہے صنعتِ قدرت نے جڑے چاند پہ اختر
بالوں کے تلے اب جبیں زر فشاں ہے
ہے نصف قمر ابر میں اور نصف عیاں ہے

نازک ہے لبِ لعل جو برگِ گلِ تر سے — وہ پانی کو محتاج ہے دودھ کو ترسے
کملائے ہیں دم توڑتے تھے چار پہر سے — سوکھے ہیں لب ایسے کہ خبر دیں اسے گھر سے
بچے کو اہلِ ظلم کے پانی نہیں دیتے
منہ کھولے ہے معصوم وہ پانی نہیں دیتے

اعدا کو دکھاتے ہیں منہ اس کا شہِ خوش خو — میداں میں تجلی ہے وہ صورت پری رو
جاری ہیں ہر اک صاحبِ اولاد کے آنسو — کھولے ہیں دہن مثلِ صدف اصغرؑ مہ رو

پیاسا ہے پسر اشکوں سے منہ دھوتے ہیں شبیرؑ
بچے کی طرف تکتے ہیں اور روتے ہیں شبیرؑ

فرماتے ہیں اے غنچہ دہن اے مرے پیارے　　بتلاؤ مجھے کیا کہوں میں اہلِ جفا سے
گویا نہیں اس وقت زباں فرطِ حیا سے　　کچھ میں نے جو مانگا ہے تو مانگا ہے خدا سے
جب پانی کے مانگے عرقِ شرم میں تر ہوں
مختار جو کوثر کا ہے میں اُس کا پسر ہوں

مجھ پر تو ہے بچپن سے نوازش مرے رب کی　　حاجت متعلق ہے مری ذات سے جس کی
منت کش ادنیٰ ہوں یہ جا ہے عجب کی　　میں نے تو کسی سے نہیں کچھ چیز طلب کی
ادنیٰ سے سخی مانگے یہ دستور نہیں ہے
اب صبر کرو نہر یہاں دور نہیں ہے

مشکل میں مدد چاہتی ہے مجھ سے خدائی　　ہر دم مرے بندوں کو میں دیتا ہوں رہائی
شاہوں کے لیے فخر ہے اس در کی گدائی　　جنات مرے نام کی دیتے ہیں دُہائی
قرآں سے ظاہر ہیں شرف آلِ نبیؐ کے
احساں ہیں ملائک پہ حسینؑ ابنِ علیؑ کے

لیکن تری مادر پہ تری پیاس ہے دشوار　　رو رو کے یہ سر پھوڑے گی کرتی ہے وہ انکار
میں نے بھی کیا ہے طلبِ آب کا اقرار　　کرتا ہوں لعینوں سے تری پیاس کا اظہار
پھر بھی نہیں دینے کے مرے دل کو یقیں ہے
اس نہر کا پانی تری قسمت میں نہیں ہے

یہ کہہ کے پکارا اسد اللہ کا جانی　　کچھ کہتا ہوں یارو علی اصغرؑ کی زبانی
اب اُٹھ نہیں سکتی تعبِ تشنہ دہانی　　کہتے ہیں کہ اک بوند پلا دو ہمیں پانی
سب خلق پہ احسانِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہیں
تم لوگ مسلمان ہو تو ہم آلِ نبیؐ ہیں

آئے ہیں وطن چھوڑ کے مہماں ہیں تمہارے — وہ روز ہے دم توڑتے ہیں پیاس کے مارے
ہم حیدر و زہرا و پیمبر کے ہیں پیارے — کام آئیں گے جب آؤ گے کوثر کے کنارے
یاں آج تمہارا ہے تو کل ہوگا ہمارا
فردوس کی نہروں پہ عمل ہوگا ہمارا

اب چلتے ہو تو بخشش کا کوئی اور نہیں ہے — کوثر پہ پہنچنے کی سبیل اور نہیں ہے
ہم پیاس سے مرتے ہیں تمہیں غور نہیں ہے — سرچاہ پہ مقام ستم و جور نہیں ہے
مسلم ہو طریق اسد اللہ پہ آؤ
بہکے ہوئے پھرتے ہو کدھر راہ پہ آؤ

جس دل میں نہیں نور محبت کا ہماری — قرآں سے ثابت ہے وہ ناری ہے وہ ناری
بے کار ہے گر عمر عبادت میں گزاری — کچھ نفع نہ بخشے گی اسے طاعت باری
عشق اسد اللہ کا داغ اس میں نہیں ہے
بے نور ہے وہ گھر کہ چراغ اس میں نہیں ہے

جو دوست ہمارے ہیں وہ ہیں گو کہ گنہگار — بخشائیں گے ہم اور انہیں بخشے گا غفار
جنت پہ عمل ہوویں گے اور احمد مختار — ہو جائے گی میزان عمل آپ سبک سار
ہے دوستی آل انہیں دفتر ازل سے
بھاری ہے کہیں ایک عمل لاکھ عمل سے

جو لوگ ہیں ثابت قدم الفت حیدر — باللہ سر افراز ان کے نبی ہوویں گے رہبر
فرمائیں گی یہ فاطمہ ان لوگوں سے آکر — وہ تھام لو ہاتھوں سے مرا گوشۂ چادر
دم بھرتے رہے جو سحر و شام علی کا
جب پاؤں کو لغزش ہو تو لو نام علی کا

تم لوگوں میں احمد نے امانت ہمیں چھوڑا — سو تم نے تو رشتۂ الفت ہی کو توڑا
قرآں سے بھی تم پھر گئے منہ ہم سے بھی موڑا — یہ کیا ہے بہت پانی اگر دو ہمیں تھوڑا

اولادِ نبی قابلِ بیداد نہیں ہے
کیا آیۂ لا اسئلکم یاد نہیں ہے

ان پھول سے رخساروں کے کملانے کو دیکھو — کس وقت سے میداں میں چلے آنے کو دیکھو
ان سوکھے ہوئے ہونٹوں کے مرجھانے کو دیکھو — غش آنے اور سانس اُلٹ جانے کو دیکھو
ناحق ہے عداوت تمہیں ناداروں کے بچے سے
پھر دو گے تو پانی بھی نہ اترے گا گلے سے

سُن کر یہ سخن وہ ستم ایجاد پکارا — خیر آئے نہ دینا کہیں لوٹ کے کنارے
اطفال جئیں یا کہ مریں پیاس کے مارے — تم لوگوں کا حصہ نہیں پانی میں ہمارے
ہم سمجھے کہ حیلے سے طلب کرتے ہو پانی
بچے کے وسیلے سے طلب کرتے ہو پانی

فرمانے لگے سبطِ نبی اشک بہا کر — ہم پیاس بجھائیں گے تو کوثر ہی پہ جا کر
ہٹ جاتا ہوں میں خاک پہ اصغر کو لٹا کر — دریا سے تمہیں پانی پلا دو اسے لا کر
اپنے لیے سائل کبھی پانی کا نہ ہوں گا
بچہ مرا بچ جائے میں پیاسا ہی رہوں گا

وہ بولے کہ اکبر سے زیادہ نہیں اصغر — شہ بولے کہ رتبے میں تو دونوں ہیں برابر
اکبر مرے رشتے میں ہیں اک بحر کے گوہر — وہ برجِ شرافت کا قمر ہے تو یہ اختر
اس کو جو کلیجہ تو مرا دل اسے سمجھو
قرآن اسے سمجھو تو حمائل اسے سمجھو

بڑھ کر کہا ان نے کہ اے شہ والا — اکبر کو تو دیکھا ہے میں نے نہیں دیکھا
دکھلاؤ ذرا اصغرِ مہرو کا بھی چاند سا چہرہ — مشتاق ہوں کہ ہم صورتِ حیدر ہے یہ بچّا
حاصل ہوئی اکبر سے پیمبر کی زیارت
باقی ہے مگر حیدرِ صفدر کی زیارت

شبیرؑ نے اس چاند کو ہاتھوں پہ اٹھایا — پیچھے سے کماں دار نے واں تیر ملایا
خم ہو کے اسے مثلِ کماں شہ نے بچایا — مانندِ اجل ناوکِ تیرِ ستم آیا
شبیرؑ بچاتے رہے ہاتھوں کے تلے کر
بازو پہ لگا آ کے ننھے سے گلے کر

حلقوم وہ ننھا سا گلا اور تیرِ سہ پہلو — دل سہم گیا چونک پڑے اصغرِ مہرو
گردن سے لہو بہنے لگا آنکھوں سے آنسو — منہ کھل گیا تھرّا اٹھے ننھے سے بازو
گلرنگ ہوا حلق گلو خون میں بھر کر
ریتی پہ کڑے گر پڑے ہاتھوں سے اتر کر

فوّارہ چھٹا حلق سے بچے کے لہو کا — سب خون میں تر ہو گیا شانا شہ کا
دم اٹک گیا حلق میں اس تشنہ گلو کا — خوں منہ سے ابلنے لگا وہ دودھ کا بھوکا
ننھی سی وہ گردن بھی گری جاتی تھی سر سے
جب آئی تھی ہچکی تو لپٹتا تھا پدر سے

بے کل سا تڑپتا تھا جو ہاتھوں پہ وہ بے شیر — بیتاب تھے بچے کو لیے حضرت شبیرؑ
جب خوں نہ ہوا بند کسی سے کسی تدبیر — چلّو سے لگے چھینکنے سوئے فلکِ پیر
اس خوں کو ملک لے گئے افلاک سے اوپر
عقدہ ہے کہ قطرہ نہ گرا خاک کے اوپر

قطرہ بھی اس خون کا گرتا بسرِ خاک — دانہ نہ کبھی اگتا زمیں پر نہ افلاک
ہو جاتی گرفتار بلا امتِ بے باک — اللہ رے صبر پسرِ سیدِ لولاک
فرماتے تھے راضی ہوں جو مجھ پہ تعب ہو
نازل نہ مگر امت پہ خالق کا غضب ہو

جب تیر کو معصوم کی گردن سے نکالا — دنیا سے سفر کر گیا وہ ہنسلیوں والا
چلّائے عجب درد سے روئے شہِ والا — نزدیک تھا ہو جائے کلیجہ تہ و بالا

غل تھا کہ اب اُمت کا نگہباں علیؑ ہے
فریاد کو زہرا طرفِ عرش چلی ہے

شہ لاش کو ہاتھوں پہ اٹھا کر یہ پکارے — اے بارِ خدا خلق سے اصغرؑ بھی سدھارے
صد شکر کہ تو نے مرے سب کام سنوارے — کچھ اور بجز نذر نہ تھا پاس ہمارے
یہ سب ہے پسرِ صاحبِ معراج کا ہدیہ
مقبول ہو اس بندۂ محتاج کا ہدیہ

گردوں سے صدا آئی کہ اے فخرِ خلائق — رتبہ ہے ترا صبر میں ایوبؑ سے فائق
تھا تیرے سوا کوئی نہ اس کام کے لائق — ہے شوق ہمارا تجھے ہم تیرے ہیں شائق
باقی فقط اک مرحلۂ خنجرِ کیں ہے
اب وصل کا معشوق سے ہنگام قریں ہے

سن کر یہ صدا گردنِ تسلیم جھکائی — تلوار سے کھودی قبر اور لاش لٹائی
جب خاک میں وہ چاند سی تصویر چھپائی — تعویذ پہ ہاتھ رکھ دیا رقت بہت آئی
چلّائے کہ لو گور کے نہ رونا علی اصغرؑ
ہم آتے ہیں آرام سے سونا علی اصغرؑ

فرمایا کہ اے خاک امانت سے خبردار — پالے ہوئے دل افگار کی دولت سے خبردار
لختِ جگرِ شاہِ ولایت سے خبردار — اس بندۂ بے کس کی بضاعت سے خبردار
یہ گوہرِ نایاب ہے پاکیزہ صدف ہے
سونپا ہے تجھے جد نے نگینِ دُرِ نجف ہے

———

مرثیہ (۱۸)

حضرت علی اکبرؑ کی شہادت کے بعد میدانِ کربلا میں امام حسینؑ کی رجز خوانی۔ ایک مسافر کا نصرتِ امامؑ میں شہید ہونا

جب نوجوان پسر شہِ دیں سے جُدا ہوا　　روشن قمر سپہر بریں سے جُدا ہوا
نورِ نظر امام مبیں سے جُدا ہوا　　لختِ جگر حسینؑ حزیں سے جُدا ہوا
دل داغ ہو گیا دل و جانِ بتولؑ کا
گھر بے چراغ ہو گیا سبطِ رسولؐ کا

برچھی سے ٹکڑے ہو گیا لختِ جگر کا دل　　خود باپ نے جُدا ہوا دیکھا پسر کا دل
ہوتا ہے آبگینے سے نازک بشر کا دل　　پتھر کا دل نہیں ہے یہ ہے پدر کا دل
ایوبؑ بھی اگر ہو تو دم بھر نہ کل پڑے
آنسو نہیں تو منہ سے کلیجہ نکل پڑے

پیری میں آفتِ غم اولاد الاماں　　دل اور زخمِ خنجرِ فولاد الاماں
وہ اضطرابِ خاطرِ ناشاد الاماں　　وہ اشکِ شور اور وہ فریاد الاماں
بیٹا نہ ہو تو زیست کا پھر کیا مزا رہا
جب گھر اُجڑ گیا تو زمانے میں کیا رہا

بسمل کے لوٹنے کی کسی دل کو کیا خبر　　غربت میں کون لٹ گیا منزل کو کیا خبر
کشتی کے ڈوب جانے کی ساحل کو کیا خبر　　کس پر چھری یہ چل گئی قاتل کو کیا خبر
خاروں سے پوچھیے نہ کسی گل سے پوچھیے
صدمہ چمن کے لٹنے کا بلبل سے پوچھیے

بچھڑا وہ لال جس کا گوارا نہ تھا فراق　　فرماتے تھے کہ لوٹ لیا تو نے اے عراق
اے موت جلد آ کہ بس اب زندگی ہے شاق　　خنجر کی آرزو ہے شہادت کا اشتیاق

برباد اس طرح کوئی آباد گھر نہ ہو
کیا زندگی کا لطف جب ایسا پسر نہ ہو

بچھڑے پدر سے اکبرؑ مہرو ہزار حیف — اب رُو ہے سامنے نہ وہ ابرو ہزار حیف
کیا خوش نما تھے دوش پہ گیسو ہزار حیف — وہ بھینی بھینی جسم کی خوشبو ہزار حیف
وہ زلف و رخ وہ پیار کی باتیں کدھر گئیں
وہ دن کہاں ہیں آہ وہ راتیں کدھر گئیں

سب چاہیں جس کی زیست وہ شیرِ ژیاں مرے — افسوس نیم جاں جیئے جانِ جہاں مرے
پیاسا تو کس جگہ ہوئے آکر کہاں مرے — قدرت خدا کی پیر جیئے نوجواں مرے
اس عمر میں جہاں سے گزرنے کے دن نہ تھے
کہتا ہے خود شباب کہ مرنے کے دن نہ تھے

پھولے پھلے نہ وہ چمن روزگار میں — جھونکا چلا ہوائے خزاں کا بہار میں
دیکھا کبھی نہ ایک گُل ایسا ہزار میں — کیا زور ہے امانت پروردگار میں
بے کس تھے وہ کہ ساتھ کسی کو نہ لے گئے
جس دم طلب ہوئے تو اکیلے چلے گئے

روتے ہوئے حرم میں گئے قبلۂ امام — تر تھی لہو سے لختِ جگر کے قبا تمام
رخ زرد دل میں درد بدن سرد تشنہ کام — طاقت نہ قلب میں نہ بدن میں لہو کا نام
یہ درد تھا بکا میں کہ دل ٹکڑے ہوتے تھے
یہ حال تھا کہ رونے پہ دشمن بھی روتے تھے

پیارے یہ تھے حسین علیہ السلام کے — لائی حرم سرا میں بہن ہاتھ تھام کے
تھرا رہے تھے پاؤں شہِ تشنہ کام کے — سر دوش پر تھا زینبؑ عالی مقام کے
فرماتے تھے بہن علی اکبرؑ گزر گئے
ہم ایسے سخت جاں ہیں کہ اب تک نہ مر گئے

پُرسا تمہیں شہید کا دینے کو آئے ہیں   کس کس کے داغ آج جگر پر اٹھائے ہیں
بیٹھے ہیں خاک اڑائی ہے آنسو بہائے ہیں   یہ ہم تمہارے لال کے خوں میں نہائے ہیں
سر تھا حسینؑ بے کس و تنہا کی گود میں!
بیٹے کی جان نکلی ہے بابا کی گود میں

سر بارِ دوش ہے ہمیں رخصت کرو بہن   اب عنقریب خیمۂ عصمت ہیں تیغ زن
رستے پڑے ہوئے ہیں عزیزوں کے بے کفن   پامال ہو نہ لاشۂ فرزند صف شکن
مجبور ہم ہیں تاہم ہے پیر کی روح سے
شرمندگی نہ ہو علی اکبرؑ کی روح سے

یہ سن کے بی بیوں کے جگر پر چھری چلی   زینبؑ زمیں پہ گر کے پکاری کہ یا علیؑ
سر پر تھی جہاں کے ہیں سب آپ پر چلی   جاتا ہے سر کشوں میں یہ کونین کا ولی
بے کس کو آسرا ہے پسر کا نہ بھائی کا
آقا یہی تو وقت ہے مشکل کشائی کا

فرمایا شہ نے صبر بہن چاہیے تمہیں   خالق کی یاد صبر و علی چاہیے تمہیں
لب پر رضا رب کا سخن چاہیے تمہیں   جو ماں کا تھا چلن وہ چلن چاہیے تمہیں
ہر بار پوچھتے تھے سبب آہ سرد کا
شکوہ کیا علیؑ سے نہ پہلو کے درد کا

دردِ شکم سے لوٹتی تھیں وہ نکو خصال   ٹوٹی ہیں پسلیاں یہ کہیں بھی نہ تھا خیال
پوچھا کسی نے جب تو کہا شکر ذوالجلال   بازو کے نیل کا تو کھلا وقت غسل حال
رونے میں دن تڑپنے میں راتیں گزر گئیں
بستر تھا جس جگہ اسی حجرے میں مر گئیں

ظاہر میں جو علیؑ پہ کیے ظالموں نے جبر   اس غم میں تھا نہ چین نبیؐ کو میانِ قبر
حجرے میں بیٹھ بیٹھ کے روتے تھے مثل ابر   منہ سے سنا نہ تھا کوئی کلمہ سوائے صبر
ہم کیا ہیں جب کہ ہاتھ بندھے یا گلا بندھے
جب ریسماں سے گردنِ مشکل کشا بندھے

خلعت گزیں تھے بعد غسل قبلۂ دو عالم — اس بےکسی میں سر پہ نہ جب تھے جناب ام
مسموم کس خطا پہ ہوئے تھے حواس گم — ٹکڑے جگر کے گرتے تھے میں رو رہی تھی تم
بعد از قضا بھی صدمے ایذا شریر سے
فرزند فاطمہؑ کے جنازے پہ تیر تھے

ہیں مورد بلا و مصیبت ازل سے ہم — اس گھر سے میں چین سے گزرا نہ ایک دم
غم ہے ہمارے واسطے ہم ہیں برائے غم — سب اپنے اپنے عہد میں سہہ سہہ گئے ستم
اب آخری بہن یہ سواری ہماری ہے
بعد ان بزرگواروں کے باری ہماری ہے

دیکھا یہ کہہ کے بالی سکینہؑ کو پاس سے — بیٹھی وہ دور کر شہ گردوں اساس سے
طاقت نہ تھی کلام کی ہر چند پیاس سے — بولی وہ تشنہ کام شہ حق شناس سے
کیا کس بلا کے بن سے تہیہ سفر کا ہے
صدقے گئی بتاؤ ارادہ کدھر کا ہے.....

فرمایا شہ نے ہاں یہ سفر ناگزیر ہے — آئے گا گھر کہ یہ صحبت اخیر ہے
اب آرزوئے قرب خدائے قدیر ہے — تنہا ہیں ہم سپاہ مخالف کثیر ہے
طے ہو یہ مرحلہ جو عنایت خدا کرے
جس کا نہ کوئی دوست ہو بی بی وہ کیا کرے

یہ کہہ کے پیاری بیٹی کو دیکھا ادھر ادھر — پوچھا کدھر ہیں بانوئے ناشاد نوحہ گر
فضہ نے عرض کی کہ ادھر بیٹھی ہیں ننگے سر — رخصت کی بھی حضور کی ان کو نہیں خبر
لب پر گھڑی گھڑی علی اکبرؑ کا نام ہے
جیسے دنیا کا کام اب ان کا تمام ہے

روتے ہوئے گئے جو وہاں شاہ خوش خصال — دیکھا کہ فرش پہ خاک پہ بکھرے ہوئے ہیں بال
شبیرؑ بیٹھ کر یہ پکارے بصد ملال — اے شہر بانو بولو کہیں آؤ یہ کیا ہے حال
کہتے ہیں ملکہ نے تم کو جو صدمے دکھائے ہیں
صاحب اٹھو ہم آخری رخصت کو آئے ہیں

سُن کر صدا حسینؑ کی چونکی وہ نوحہ گر — کی عرض سر جھکا کے قدم پر بہ چشمِ تر
تنہا حضور آئے ہیں باندھے ہوئے کمر — صاحب کہاں ہے مشفقِ والا امام پر

ایسے نہیں جو دکھ میں جدا ہوں وہ باپ سے
اپنے مرادوں والے کو لوں گی میں آپ سے

اے جانِ فاطمہؑ مرا پیارا کدھر گیا — اماں کی زندگی کا سہارا کدھر گیا
وہ تین دن کی پیاس کا مارا کدھر گیا — سیدانیوں کی آنکھ کا تارا کدھر گیا

مرتی ہوں اپنے سروِ سہی قد کو دیکھ لوں
اک بار پھر شبیہ محمدؐ کو دیکھ لوں!

باتیں یہ سن کے کہنے لگے شاہِ بحر و بر — یارب جدا نہ ہو کسی ماں سے جواں پسر
بانو کسے بلاؤں کہاں ہے وہ سیم بر — ہم شکلِ مصطفےٰؐ تو گئے نانا کے گھر

ہر دکھ میں صبر کرتے ہیں جو حق شناس ہیں
جس نے تمہیں دیا تھا وہ اب اس کے پاس ہیں

جاگے ہوئے تھے رات کے نیند آ گئی انہیں — ہے ہے منافقوں کی نظر کھا گئی انہیں
تھکن بہت کیا پہ اجل پا گئی انہیں — صحرائے کربلا کی قضا بھا گئی انہیں

زندہ نہ ہوگا لال اگر مر بھی جاؤں گی
بانو کوئی گھڑی میں ہمیں بھی نہ پاؤ گی

یہ سن کے حشر ہو گیا فریاد و آہ سے — سیدانیاں لپٹ گئیں زہراؑ کے ماہ سے
ٹھہرا گیا نہ چہرۂ شہِ عالم پناہ سے — نکلے حسینؑ روتے ہوئے خیمہ گاہ سے

چوتھا فلک ضیا سے جلو خانہ بن گیا
خورشید شمعِ حسن کا پروانہ بن گیا

وہ اب سوار ہوتا ہے زہراؑ کا یادگار — تھامے رکاب کون نہ یاور نہ غمگسار
رو کر فرس سے کہتے ہیں شبیرؑ نامدار — اے ذوالجناح دیکھ یہ نیرنگِ روزگار

سب دوپہر میں ابنِ علیؑ سے جدا ہوئے
گرد — سب کنارہ ہوئے

سب دوست بے مثال تھے نیکوں کے کے — خوش رو تھے باکمال تھے دونوں کے کے
جیونے کے پانچ لال تھے ہیروں کے کے — سات آٹھ خورد سال تھے سروں کے کے
خیران کے بیاہ مرنے کے جب ذکر ہوئیں گے
سب میرے دوست میرے عوض ان کو دیں گے

مرتا ہے ایک دوست کسی شخص کا اگر — وہ شخص اس کے ہجر میں روتا ہے عمر بھر
ایک دن میں صاف ہو گیا میرا تو گھر کا گھر — کیا ڈھب ہے کہ مر گئے بھی سیدھی نہ ہو کمر
اس گھر میں جتنے گھر ہیں وہ سب بے چراغ ہیں
میرے تو اک کلیجے پہ اٹھارہ داغ ہیں

کھا ہے یاں لجام فرس پر تھا دست شاہ — فریاد یا حسینؑ سے اٹھتی تھی قتل گاہ
خیمے سے نکلی اک زنِ بالا بلند آہ — رخ پر نقاب پاؤں میں موزے عبا سیاہ
حسن رسولؐ شان علیؑ کا ظہور تھا
گویا لباس کعبہ میں خالق کا نور تھا

پردہ ہٹا تجلی بجلی اُڑ گئی وہ دل کباب — تھا کی لرزتے ہاتھوں سے رہوار کی رکاب
گھوڑے پہ جلوہ گر ہوئے شاہِ فلک جناب — بیت الشرف میں پھر گئی وہ ظل آفتاب
جس کا یہ ذکر تھا وہ نواسی نبیؐ کی تھی
زینبؑ بہن حسینؑ کی بیٹی علیؑ کی تھی

غل تھا فرس پہ سید والا کو دیکھ لو — ہاں برق و شرق جلوۂ تجلی کو دیکھ لو
پڑھ کر درود صورت مولا کو دیکھ لو — بالائے رحل مصحف زہراؑ کو دیکھ لو
پایا کسی بشر نے یہ پایا ہے خلق میں!
قرآں انھیں کے واسطے آیا ہے خلق میں

پہنچا جو اس شکوہ سے خیر الوریٰ کا لال — کانپے جبل لرزنے لگا عرصۂ قتال
ڈرنے جو مورچے تو پکارے یہ بدخصال — بھاگو کہ آیا شیر الٰہی پئے جدال
دیکھا جو رعب قبلۂ عالی مقام کو
ظلموں نے جھک کے ہاتھ بڑھائے سلام کو

نیزہ زمیں پہ آپ نے گاڑا جو یک بیک — بی نے غضب سے گاڑ زمیں سے کہا سرک
شاید قیامت آئی زمیں پر گرا فلک — بس یا حفیظ کہہ کے لرزنے لگی سمک
غل تھا الٹ چکے ہیں حسینؑ آستین کو
یا بوتراب آکے بچا لو زمین کو

دب دب کے مورچوں سے ادھر پیدل ہٹے — لشکر ہٹا نشانِ ضلالت نشاں ہٹے
سرکی زمیں مگر نہ امامِ زماں ہٹے — سچ ہے کہ قطب دائرۂ دیں کہاں ہٹے
سر بھی کٹے اگر تو نہ پیچھے قدم ہٹیں
کعبہ کہیں ہٹا ہو تو شاہِ امم ہٹیں

ڈنکا بجا ہے شور رجز خواں ہیں شاہِ دیں — نعرہ یہ ہے کہ ہم ہیں پشت و پناہِ دیں
روشن ہمارے نور سے ہے شاہراہِ دیں — دنیا میں ہم ہیں تاجِ سر عز و جاہِ دیں
سجدے بتوں کو کرتے تھے ساکن کنشت کے
ہم نے تمہیں بتا دیے رستے بہشت کے

خالی کیا علیؑ نے بتوں سے خدا کا گھر — عزیٰ کہاں ہے لات و ہبل آج ہیں کدھر
غل تھا علیؑ ہیں دوشِ محمدؐ پہ جلوہ گر — مصحف پہ مصحف آج ہے اور نور پر
سب سے نبیؐ کا رتبۂ اعلیٰ ہے دیکھ لو
شیرِ خدا کی شان دوبالا ہے دیکھ لو

زنار گردنوں پہ تمہارے سوار تھی — شرک بھی یہ تھا کہ پرستش میں نار تھی
اسلام کے چمن میں کبھی یہ بہار تھی؟ — حق حق کی مسجدوں میں یہ کس دن پکار تھی!
چرچا تھا کفر و فسق و فجور و گناہ کا
یہ شور کب تھا اشہد ان لا الٰہ کا

کعبے میں پہلے ہم نے اذاں دی بہ شد و مد — دنیائے رحمت بھی ہیں ہمارے جد
ہم پہ ازل سے ہیں کرم مفضل احد — سب ہم پہ منکشف ہے جو کچھ ہوگا تا ابد

تم لوگ جس طریق سے پھرتے ہو فرش پر
ہم یوں پلک جھپکنے میں جاتے ہیں عرش پر

گھر میں ہمارے وحیِ خدا لائے جبرئیلؑ — اس گھر کی خادمی ہے تمنائے جبرئیلؑ
مشہور ہم ہیں خلق میں آقائے جبرئیلؑ — جب آئے خادموں کی طرح آئے جبرئیلؑ
شاگردیِ علیؑ سے سرافراز جب ہوئے
جبرئیلؑ تب مقرب درگاہِ رب ہوئے

آٹھوں بہشت باغِ ولایت کے پھول ہیں — ہم سے ولا کرو کہ ہم آلِ رسولؐ ہیں
اعمالِ دشمنانِ علیؑ نا قبول ہیں! — روزے ہوں یا نمازیں ہوں سب بے اصول ہیں
پھر کیا ہوا زکوٰۃ بھی گر حج بیت کی
شرطِ قبولیت ہے ولا اہلِ بیت کی

عزت جہاں میں سب کو ہماری ولا نے دی — کفار کو شکست شہِ لافتیٰ نے دی
جس کو نبیؐ نے تیغ دو سر کبریا نے دی — کعبے سے بھی سوا ہمیں حرمت خدا نے دی
رتبہ بلند سب سے خدا کے ولی کا ہے
سجدے ہیں اس لیے کہ وہ مولا علیؑ کا ہے

کیوں ظالمو رسولؐ کا پیارا نہیں ہوں میں؟ — کیوں عرشِ کبریا کا ستارا نہیں ہوں میں؟
کیوں مستحقِ لطف و مدارا نہیں ہوں میں؟ — کیوں جا بجا امام تمہارا نہیں ہوں میں؟
سیّد پہ ظلم، کون سی یہ رسم و راہ ہے
کیا میہماں کو پانی کا دینا گناہ ہے

وہ نہر جس کو خلق میں جاری کرے اللہ — روکی ہے تم نے ظلم کی تیغوں سے اس کی راہ
پانی پہ جنگ پیاسوں سے دریا پہ تیغ واہ — یہ کس ولی کا گھر تھا جسے کر دیا تباہ
سیراب گرگ و شیر ہوں اور اسپِ فوجیں
اولادِ فاطمہؑ نہ پئیں جانور پئیں!

دیکھ چمک کے جانے ساری جماعت میں بے خبر   محروم ان کو ساقی کوثر کیا ہے قہر
اسلام یہ خبر بھی ہے جو ہے فاطمہ کا بہر   شہرہ ہے ناریوں کی تواضع کا شہر شہر
اُمت نبی کی آہ یہ سفاک ہو گئی
بس آج آبروئے فلک خاک ہو گئی

سر کو نہ سر نہ جان کو ہم جان سمجھتے ہیں   ہم حکم کردگار کو ایمان سمجھتے ہیں
مشکل ہزار ہو اسے آساں سمجھتے ہیں   ہم ایک اور لاکھ کو یکساں سمجھتے ہیں
اس معرکے میں کھیت پڑے ہیں اسی طرح
بچے ہمارے تم سے لڑے ہیں اسی طرح

اِن نسل کے ایک سے گر ایک نام دار   برسوں بھی تم سے ختم نہ ہوتی یہ کارزار
نکلا ادھر سے ایک ادھر سے بڑھے ہزار   اس پر بھی الاماں کا غل اٹھتا تھا بار بار
بے دیں کا ساتھ دے کے جنت کو کھو دیا
تم نے تو آج نام عرب کا ڈبو دیا

یہ ذکر تھا کہ تیر چلے اُس سپاہ سے   گیتی کو زلزلہ ہوا زہراؑ کی آہ سے
پھر ضبط ہو سکا نہ شہِ دیں پناہ سے   بجلی گری صفوں پہ غضب کی نگاہ سے
چمکی حسینؑ کی تیغ جو دشتِ مصاف میں
پریاں چھپی جزیروں میں سیمرغ قاف میں

نالاں ہوا میں تیغ شہِ لافتیٰ چلی   گویا صفوں پہ کھولے ہوئے منہ بلا چلی
بن میں سموم قہر و عتاب خدا چلی   جھونکوں سے جس کے ایسے میں سرد ہوا چلی
آواز الاماں کی سپہر بریں پہ تھی
بڑھ کر جو یاں پھرے صفِ اوّل زمیں پہ تھی

پہنچی جو مثل شیر جھپٹ کر ادھر ادھر   سر گر پڑے ترائی میں کٹ کر ادھر ادھر
اینٹھا فرس جو سمٹ کر ادھر ادھر   ڈھالوں کا ابر وہ گیا پھٹ کر ادھر ادھر

جا دوب تھی کہ سیفِ میاں مصاف تھی
دریا کی راہ حملۂ اوّل میں صاف تھی
حلقی تھی جائے اس تہ زیرِ فلک کہیں — غل تھا کہ ڈل نہ جائیں سماوِ سمک کہیں
جنات سب ہوا سی کہیں تھے ملک کہیں — سایہ کہیں تھا تیغ کہیں تھی چمک کہیں
پانی سے جل بجھا تھا کوئی کوئی نار سے
گرتی تھیں تین بجلیاں اک ذوالفقار سے

اس تیغ کے وقار سے کوہِ گراں سبک — ڈھالوں کی شامیوں کی گھٹا ابر سے تنک
یہ آگ اور ڈر سے ادھر دستِ دیو خنک — چلتے میں بس یہی دم و دعویٰ کہ اب زرنگ
مقتل کے ہر نشیب کو لاشوں سے پاٹ دے
پر جبرئیل کے بھی میسر ہوں تو کاٹ دے

جب اللہ کے تیغِ صفدرِ قدسی شرف گری — گویا کہ برقِ سطوتِ شاہِ نجف گری
آیا اُدھر خدا کا غضب جس طرف گری — کٹ کر گرا پرے پہ پرے صف پہ صف گری
سبقی پل کہ سیفِ صفِ کارزار پر
گھوڑے گرے پیادوں پہ پیدل سوار پر

باطل کو حق سے خیر کو شر سے جدا کیا — ظلمت کو دن سے شب کو سحر سے جدا کیا
یوں لشکروں کو تیغِ دو سر سے جدا کیا — گویا کلف کو روئے قمر سے جدا کیا
ٹکڑے اڑائے دم میں سپاہِ شریر کے
قربان ذوالفقارِ جنابِ امیر کے

اک ذوالفقار خلق میں دو ہاتھ سے چلی — دستِ حسینؑ و پنجۂ مشکل کشا علیؑ
یہ مصطفیٰؐ کی جان وہ اللہ کا ولی — دونوں کا مرتبہ بھی دو عالم میں ہے جلی
ختم مجاہدین پسرِ فاطمہؑ ہوا
حیدرؑ سے ابتدا ہوئی یاں خاتمہ ہوا

خود سر عدو تھے حباب اُس کے سامنے   موج زرہ تھی نقش بر آب اس کے سامنے
کیا منہ تھا دے جو تیغ جواب اس کے سامنے   بڑھنے کی تھی سپر کو نہ تاب اس کے سامنے
اللہ کا غضب ہے یہ جانتے ہوئے تھے سب
لب ہے کو ذوالفقار سے ملتے ہوئے تھے سب

اللہ رے تلاطم افواج روسیاہ   ٹکراتے تھے پہ چلتی نہ تھی بھاگنے کی راہ
غل تھا پناہ دے ہمیں اے آسماں پناہ   اُمت رسولِ پاکؐ کی ہوتی ہے اب تباہ
بخشو خطا یہ کام ہے مولا تُراب کا
صدقہ محمدِ عربی کی جناب کا

اس شور میں سنا جو رسولِ خدا کا نام   پڑھ کر درود آپ نے بس روک لی لگام
فرمایا خیر لے گا خدا تم سے انتقام   عاجز نہیں ہے بیکس و مظلوم و تشنہ کام
کیا چیز صبر ہے بات پہ ہم لوگ مرتے ہیں
دیکھو اس اختیار پہ یوں صبر کرتے ہیں

پلٹے یہ سُن کے بھاگتے ہوئے روسیاہ آہ   ابر ستم میں گھر گیا زہراؑ کا ماہ آہ
اک تشنہ لب پہ ٹوٹ پڑی سب سپاہ آہ   دو لاکھ حرب ایک تن زار آہ آہ
سب کچھ تھا اختیار پہ مجبور ہو گئے
شبیرؑ سر سے تا بہ قدم چور ہو گئے

باندھے تھے چار غول جفا کار بہر جنگ   اک صف سے تیغیں چلتی تھیں اور ایک سے تفنگ
تیروں کے وار ہوتے تھے اک صف سے بے درنگ   چلتے تھے ایک صف سے پیاپے کلوخ و سنگ
زہراؑ تڑپ رہی تھی رسولؐ ہاتھ ملتے تھے
یہ وار سب نبیؐ کے کلیجے پہ چلتے تھے

بی بی پکارتی تھی کوئی ہائے میرے لال   حیدرؑ کا باغ ہوتا ہے جنگل میں پائمال
زہراؑ کی دونوں بیٹیاں کھولے ہوئے تھیں بال   ڈیوڑھی سے نکلے پڑتے تھے بچوں کا تھا یہ حال

جھکتے تھے زیں سے جب شہِ ذی شاں زمین پر
غل تھا کہ ہائے گرتا ہے قرآں زمین پر

جس روز تھا یہ حشر یہ ماتم یہ شور و شر   آ پہنچا اک مسافرِ غربت زدہ اِدھر
نکلا تھا گھر سے شوقِ نجف میں وہ خوش سیر   چھوڑے ہوئے وطن اُسے گزرا تھا سال بھر
بے خانماں کو عشقِ خدا کے ولی کا تھا
مشتاق وہ زیارتِ قبرِ علیؑ کا تھا

پہنچا جو کربلا میں تو دیکھا یہ اُس نے حال   تنہا گھرا ہے ایک مسافر لہو میں لال
زخمِ ستم کی گرد ہیں آمادۂ قتال   چلتے ہیں تیر پانی کا کرتا ہے جب سوال!
از بس کہ دل میں درد تھا بے تاب ہو گیا
پانی کے مانگنے میں جگر آب ہو گیا

بولا وہ مل کے ہاتھ کہ یہ ماجرا ہے کیا   اُسے کہاں نصیب ہے مجھے وامصیبتا
بے کس پہ یہ ستم یہ تعدی ہے یہ جفا   یارب ہوئی ہے اس ترے بندے سے کیا خطا
تیروں سے صدر تیغوں سے تن چور چور ہے
آئی ندائے غیب کہ یہ بے قصور ہے

کہنے لگا لرز کے وہ ذی قدر و نیک نام   اللہ کس قدر ہے پُر آشوب یہ مقام
دنیا خدا نے خلق کی ہے بہرِ فیضِ عام   مرتا ہے بے اجل یہ ستم کش یہ مستہام
ان سے بشر ڈرے جنھیں خوفِ خدا نہیں
جلدی نکل چلو یہ ٹھہرنے کی جا نہیں

دو چار گام بڑھ کے یہ سوچا وہ نامور   مظلوم کی دعا میں ہے سب طرح کا اثر
واللہ برگزیدۂ حق ہے وہ خوش سیر   کیجیے التماسِ دعا ہاتھ باندھ کر
جیتوں میں اُس کے پاس چلو جو خدا کرے
آساں ہوں مشکلیں جو یہ بے کس دعا کرے

باتیں یہ کر کے دل سے بڑھا وہ اسیر غم　　لاشوں کو دیکھ دیکھ کے روتا تھا دم بدم
ہاتف نے دی ندا کہ سنبھل کر اٹھا قدم　　رتبے میں یہ زمیں بھی نہیں کچھ نجف سے کم
آنکھیں ملک بچھاتے ہیں اس ارض پاک پر
یہ سب ورق ہیں مصحف ناطق کے خاک پر

آیا جو کانپتا ہوا وہ شاہ دیں کے پاس　　کی عرض السلام علیک اے فلک اساس
مولا جواب دے کے یہ بولے بصد ہراس　　آتا ہوا کدھر سے ترا اے خدا شناس
عرض اس نے کی غلام شہ ذوالفقار ہوں
بے کس ہوں بے نوا ہوں غریب الدیار ہوں

طے کی ہے سال بھر میں بیابانوں کی میں نے راہ　　بچے کہیں تباہ ہیں خادم کہیں تباہ
اب تک ہے مجھ سے دور در قسیم الالہ　　ہاں دستا لے کے چلا تھا یہ پُر گناہ
غارت یہیں ہوئی ہے بضاعت غلام کی
لوٹا ہے راہ میں مجھے فوجوں نے شام کی

میں دو مہینے فوج ستم میں رہا اسیر　　مولا علی کے نام کے دشمن ہیں یہ شریر
ہتھیار لے کے آ نہیں سکتا ہے راہ گیر　　تب قید سے چھٹا ہوں کہ جب ہو گیا فقیر
سر پر یہی کلاہ یہی اک لباس ہے
پھر ہوں غنی کہ دولت دیں میرے پاس ہے

دو ماہ جو رہ کے شوق میں چھوڑا ہے میں نے گھر　　حسرت یہ ہے نصیب کرے یاوری اگر
پہلے تو ہوں نجف کی زیارت سے بہرہ ور　　منظور پھر وہاں سے مدینے کا ہے سفر
جاؤں گا روضے ہیں اگر سرنوشت میں
رستے میں موت آئی تو پہنچا بہشت میں

فرمایا آپ نے کہ مدینے میں کیا ہے کام　　عرض اس نے کی رہی تو ہے دنیا میں اک مقام
اس سرزمیں پہ ہے مرا آقا مرا امام　　برسوں سے جس کے عشق میں روتا ہوں صبح و شام

حیدرؑ کے جان و دل ہیں شہِ مشرقین ہیں
صدقے میں اُس جھلک کے وہیں تو حسینؑ ہیں

کیا دن سعید ہوگا میں اُس روز کے نثار　　جس روز اُن کے گرد پھروں گا میں سات بار
چوموں گا دونوں ہاتھ بصد عجز و انکسار　　آنکھیں قدم پہ جھک کے ملوں گا بہ انکسار
دُنیا بھر اور فاطمہؑ کا نورِ عین ہو
دیکھوں انہیں بخیر و سلامت تو چین ہو

دشمن بہت امام کے ہیں اور دوست کم　　اُمت وفا کرے نہ کہیں مجھ کو ہے یہ غم
اب پنجتن میں ہے تو انہیں کا ہے ایک دم　　عزت گزیں ہیں قبرِ نبیؐ پردہ ذی حشم
زندہ ہیں گر حسینؑ تو زندہ ہیں چار دم
یارب اُس ایک دم کو عطا کر ہزار دم

اک میرا شاہزادہ ہے ہم شکلِ مصطفےٰ　　شہرہ ہے جس کی شکل و شمائل کا جابجا
ماں کا مرادوں والا پسر ہے وہ مہ لقا　　سائے میں شہ کے اس کو سلامت رکھے خدا
اُس رشکِ گل سے دورِ خزاں کی ہوا رہے
یارب چمن حسینؑ کا پھولا پھلا رہے

یہ سن کے آپ آئے مسافر کے متصل　　پھیلا کے دونوں ہاتھ کہا آگئے تو مل
ہاں بھائی تو ہے صدمۂ فرقت سے جل گئی　　اس دم بہل گیا ترے آنے سے میرا دل
طاقت کلام کی نہیں پاتا یہ ضعف ہے
چہرہ ترا نظر نہیں آتا یہ ضعف ہے

ہاں دور آسماں سے یہی ہے رنگِ روزگار　　ہر گل پہ ایک دن ہے خزاں ایک دن بہار
ہمدرد ہم بھی ہیں ترے اے یارِ غمگسار　　تیری طرح لٹے ہیں یہیں چھوڑ کر دیار
شکرِ خدا مسافرِ راہِ ثواب ہیں
اب دیر کوئی دم کی نہیں پا در رکاب ہیں

کس سے کہیں کہ ہم پہ جو صدمہ گزر گیا   خالی ہوا عزیزوں سے گھر دشت بھر گیا
دنیا سے دوپہر میں میرا گھر کا گھر گیا   بیٹا جوان قتل ہوا بھائی مر گیا
بچتی نہیں جب آتی ہے قسمت بگاڑ پر
ٹکڑے ہو گر پڑے یہ مصیبت پہاڑ پر

میرا ہے اب یہ حال کہ زخموں سے چور ہوں   جنگل میں موت آئی ہے بستی سے دور ہوں
اک خاکسار بندۂ رب غفور ہوں   عالم ہے اس کی ذات کہ میں بے قصور ہوں
کہنے میں بات آتی ہے یہ کچھ گلا نہیں
دن تیسرا ہے آج کہ پانی ملا نہیں

مولا سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ دل کباب   لے آؤں دوڑ کر مرے مشکیزے میں کچھ ہے آب
کیجیے زبان خشک کو تر بہر بوتراب   بولے ہلا کے سر کو شہِ آسماں جناب
اب انتظار موت کا ہے کیا جیوں گا میں
سب پیاسے مر گئے ہیں نہ پانی پیوں گا میں

مکار جو تجھے ہو وہ لے بہر کردگار   پیدل اگر ہے تو تو یہ حاضر ہے رہوار
ناقہ بھی لے ترا تو ہے آقا وہ نامدار   سائل کو جس نے روٹی کے ٹکڑوں کی دی قطار
حاضر ہے جان و مال کہ سب ہے میان تو
بھائی ہمارے گھر کو بھی گھر اپنا جان تو

اسباب بھی ہے مال بھی ہے سیم و زر بھی ہے   موجود راحلہ بھی ہے زادِ سفر بھی ہے
مغفر بھی ہے زرہ بھی ہے تیغ و سپر بھی ہے   گر تیرے کام آئے تو حاضر یہ سر بھی ہے
بے کس ہوں گو کہ آج یہ عالی مقام ہوں
شرما نہ تو کہ میں بھی مسلمؑ کا غلام ہوں

آقا ترا جو ہے وہی آقا مرا بھی ہے   تیرا طبیب جو وہ مسیحا مرا بھی ہے
جو ہے ولی حق وہی مولا مرا بھی ہے   بھائی علیؑ کے حصے میں حصہ مرا بھی ہے

ہاں مالِ غیر حق میں تصرف نہ چاہیئے
آپس میں دوستوں کو تکلف نہ چاہیئے

دیکھی جو یہ عنایتِ سلطانِ بحر و بر رونے لگا وہ مردِ مسافر جھکا کے سر
دل سے کہا خدا کا ولی ہے یہ خوش سیر اس حال میں غریب نوازی ہے اس قدر
دیکھی نہ باپ میں یہ محبت نہ بھائی میں
اب تک ہیں اس طرح کے بھی بندے خدائی میں

عرض اس نے کی حضور سے بس ہے یہ التجا کیجے اُٹھا کے ہاتھ مرے حق میں یہ دعا
پہنچا دے مجھ کو قبرِ حسینؑ پر مرا خدا مولا نے آسماں کی طرف دیکھ کر کہا
جس کو نہیں خیال وہ دولت نصیب ہو
یارب اسے حسینؑ کی زیارت نصیب ہو

تسلیم اس نے کی تو یہ بولے شہِ انام قبرِ علیؑ پہ جا کے یہ کہنا مرا پیام
آتے ہیں آپ دردِ مصیبت میں سب کے کام میں بےکس و غریب بھی ہوں آپ کا غلام
تنہا ہوں دشمنوں میں خبر آ کے لیجیے
ہنگامِ ذبح گود میں سر آ کے لیجیے

سُن کر بیانِ شاہ رہی ضبط کی نہ تاب آنسو بہا کے سر کو جھکایا بصد حجاب
دل سے کہا کہ اب ہے لبِ بام آفتاب بےکس کے کام آؤ کہ اس میں بھی ہے ثواب
احسان کا یہ عوض ہے کہ احسان کیجیے
اب سر علیؑ کے نام پہ قربان کیجیے

حضرت سے عرض کی کہ نہ جائے گا اب غلام بس جی چکے بہت یہی مرنے کا ہے مقام
اب دیکھیے رضا کہ بڑھوں کھینچ کر حسام وہ کام چاہیئے کہ رہے تا بہ حشر نام
دیندار ہوں نہ ترکِ رفاقت کروں گا میں
اب مر کے شیرِ حق کی زیارت کروں گا میں

زوّار میں کا ہوں میں انھیں کی مجھے قسم　　سر پیٹ کے گلاب تو نہ چھوڑوں گا یہ قدم
جلوے دکھا رہا ہے مجھے گلشنِ ارم　　حوریں پکارتی ہیں کہ آ منتظر ہیں ہم
پردے اُٹھے ہوئے ہیں نظر دور جاتی ہے
گردوں سے مرحبا کی صدا مجھ کو آتی ہے

گھبرا کے بولے شاہ کہ ہاں قسم نہ کھا　　رستہ ہے یاں سے راست لیے کا نجف کو جا
بچنا مرا محال ہے گر جان دی تو کیا　　اے بھائی تو ہے صاحبِ دختر نہ مر بھلا
دامن کو آنسوؤں سے بھگوتی ہے رات دن
بیٹی تری ترے لیے روتی ہے رات دن

رخصت کے وقت وہ جو بلکتی تھی دم بدم　　وعدہ کیا تھا تو نے کہ آئیں گے جلد ہم
مرتی ہے انتظار میں وہ صاحبِ الم　　آلودہ اس الم میں ہوں میں بھی اسیرِ غم
ہجراں کشیدہ رنج و بلا و محن میں ہے
بیمار ایک میری بھی بیٹی وطن میں ہے

بیٹی کا ذکر سن کے یہ بولا وہ خوش خصال　　فرمائیے جناب سے کس نے کہا یہ حال
آگاہ اس سے کوئی نہیں غیرِ ذوالجلال　　شاید ہے علمِ غیب میں بھی آپ کو کمال
ہر شے کا علم آپ کو اس بے کسی میں ہے
یہ تو صفت امام میں ہے یا نبی میں ہے

بتلائیے برائے خدا مجھ کو اپنا نام　　فرمایا بے وطن آوارہ تشنہ کام
بے کس عزیز مردہ اسیرِ سپاہِ شام　　عاجز بلا رسیدہ ستم دیدہ مستہام
درد و غم و الم مرے حصے میں آ گئے ہیں
یہ سب خطاب میں نے یہاں آ کے پائے ہیں

قدموں پہ لوٹ کر یہ پکارا وہ دردناک　　اظہارِ اسمِ اقدس و اعلیٰ میں کیا ہے باک
بتلائیے کہ غم سے مرا دل ہے چاک چاک　　چپ ہو گئے تڑپنے پہ اس کے امامِ پاک

یہ تو نہ کہہ سکے کہ شہ مشرقین ہوں
مولا نے سر جھکا کے کہا میں حسینؑ ہوں

سر اپنا پیٹ کر وہ پکارا بشور و شین — سچ ہے یہ کیا زباں سے کہا کون سا حسینؑ
آئی صدا فلک سے کہ زہراؑ کا نور عین — بیٹا علیؑ کا سبط شہنشاہ مشرقین
گھر فاطمہؑ کا لٹ گیا سب اس لڑائی میں
بس اک یہی حسینؑ ہے ساری خدائی میں

کھینچی ہے تو نے جس کے لیے زحمت سفر — اے بے خبر یہی ہے وہ سلطان بحر و بر
ویراں ہے یثرب و نجف اے برادرِ پیر — شب سے یہاں نبیؐ و علیؑ ہیں برہنہ سر
زینبؑ یہ ہے جو ڈیوڑھی پہ جان اپنی کھوتی ہے
زہراؑ تو آسماں سے اسی بن تک روتی ہے

اس بے وطن نے جب کہ مفصل سنا یہ حال — غش کھا کے پائے شہ پہ گرا وہ نکو خصال
اٹھا تڑپ کے جب تو پکارا بصد ملال — یہ کیا قیامت آ گئی اے فاطمہؑ کے لال
کیا تھی خبر کہ آپ اس آفت میں بن میں ہیں
میں تو یہ جانتا تھا کہ حضرت وطن میں ہیں

مدت سے تھی مجھے تو زیارت کی آرزو — خوبی مرے نصیب کی یا شاہ نیک خو
اب دیجیے رضا کہ جگر غم سے ہے لہو — مر جاؤں لڑ کے فوج سے حضرت کے روبرو
للہ چشم پاک کو اب نم نہ کیجیے
اب اس غلام زادے کا کچھ غم نہ کیجیے

شہزادیاں امام کی ہوتی ہیں بے پدر — کچھ غم نہیں یتیم وہ لونڈی ہوئی اگر
میں کیا مکان کیا مرا یا شاہ بحر و بر — جب بے سبب جہاں میں لٹے نانا کا گھر
گیتی ہو آج درہم و برہم تو خوب ہے
الٹے تمام دفتر عالم تو خوب ہے

رو کا بہت مگر کہیں رکتا تھا وہ دلیر　　　تلوار سے کے فوج پہ جھپٹا مثال شیر
سیر جناں کے شوق میں تھا زندگی سے سیر　　　ایسا لڑا کہ رن میں ہوئے زخمیوں کے ڈھیر
دم بھر رہا تھا عشق شہ مشرقین سے
نعرہ تھا دم بدم کہ تصدق حسینؑ کے

لگتا تھا زخم جب تو وہ کہتا تھا یا علیؑ　　　بدر الدجیٰ حسینؑ ہیں شمس الضحیٰ علیؑ
مرشد علیؑ امام علیؑ رہنما علیؑ　　　کشتی علیؑ جہاز علیؑ ناخدا علیؑ
عازم ہوں سیر گلشن دارالسلام کا
دریائے غم سے پار ہے بیڑا غلام کا

اُس بے وطن پہ ٹوٹ پڑی جب سپاہ شام　　　ریتی پہ ٹکڑے ہو کے گرا وہ فلک مقام
زخمی تھے خود پہ اُس کے سرہانے گئے امام　　　گودی میں لے کے زانو پہ رکھا سر غلام
رو کر پکارتے تھے یہ اُس خوش نصیب کو
اے بھائی جان چھوڑ چلے اس غریب کو

اے میری بے کسی کے مددگار الوداع　　　اے تشنہ لب حسینؑ کے غم خوار الوداع
اے بے وطن کے یار وفادار الوداع　　　اے شیر ذوالجلال کے زوّار الوداع
جو خوش نصیب ہیں یونہی جنت کو جاتے ہیں
گھبرائیو نہ ہم بھی ترے بعد آتے ہیں

فرما کے یہ حسینؑ تو روتے تھے زار زار　　　ہنستا تھا وہ ولی آنکھوں کو کھولے وہ وفا شعار
پوچھا سبب خوشی کا تو بولا وہ دل فگار　　　اے نور چشم احمد مرسل ترے نثار
جلوہ خدا کے نور کا ہے میرے سامنے
مشتاق جن کا تھا انہیں دیکھا غلام نے

بالائے سر کھڑے ہیں رسولؐ فلک مقام　　　فرزند کہہ کے لیتے ہیں شفقت سے میرا نام
دست علیؑ میں چشمۂ کوثر کے دو ہیں جام　　　فرماتے ہیں کہ پی لے اگر تو ہے تشنہ کام

ناجی ہے دوست دار مرے نور عین کا
حصہ ترا ہے یہ تو وہ حصہ حسینؑ کا
حقا کہ تھا ظفر کا وسیلہ سفر ترا	نام نکو قلم نے کی عرش پر ترا
اب جنت النعیم میں ہو گا گذر ترا	ہمسایۂ رسولؐ خدا میں ہے گھر ترا
حوریں ہیں باغ خلد میں خدمت کے واسطے
آیا ہوں خود میں تیری زیارت کے واسطے
رونے لگا یہ شاہ سے کہہ کے وہ تشنہ لب	فرمایا شاہ نے کہ یہ رونے کا کیا سبب
کی عرض اس نے اے خلف پیشوا عرب	تنہائی حضور کا صدمہ ہے دل پہ اب
رخصت جو تن سے روح کی ہے بے قرار ہوں
حلت جو دے اجل تو پھر اٹھ کر نثار ہوں
مجھ کو ہے غم حضور کا حضرت کو غم مرا	اب کوچ جلد ہے سوئے ملک عدم مرا
منہ ڈھانپ دیجئے شہ عالی ہمم مرا	پڑھیے کوئی دعا کہ نکلتا ہے دم مرا
کیا وقت بے کسی ہے ہمارے حضور پر
کس سے کہوں جو لاش کو وارے حضور پر
یہ کہتے کہتے آہ وہ زوار مر گیا	بے کس کا بے وطن کا مددگار مر گیا
شیدائے نام حیدرؑ کرار مر گیا	شبیرؑ روتے رہ گئے غم خوار مر گیا
لاشے سے اٹھ کے جا نہ سکے خیمہ گاہ میں
پھر گھر گئے حسینؑ عدو کی سپاہ میں
بس کیا کہوں انیسؔ کہ سید پہ کیا ہوا	تڑپے حسینؑ شور قیامت بپا ہوا
برباد خاندان رسولؐ خدا ہوا	سجدے میں تن سے فرق مبارک جدا ہوا
پرخوں قبائے سید لولاک لٹ گئی
عریاں حسینؑ رہ گئے پوشاک لٹ گئی

مرثیہ: (۱۹)

فرزندِ جواں ہم شکلِ پیمبرؐ علی اکبرؑ کا غم

اور ذبحِ عظیم امام حسین علیہ السلام کی جنگ اور شہادت کا بیان

کیا زخم ہے وہ زخم کہ مرہم نہیں جس کا — کیا درد ہے جز دل کوئی محرم نہیں جس کا
کیا داغ ہے جلتا کوئی دم کم نہیں جس کا — کیا غم ہے کہ آخر کبھی ماتم نہیں جس کا
کس داغ میں صدمہ ہے فراقِ دل و جاں کا
وہ داغ ضعیفی میں ہے فرزندِ جواں کا

جب بابِ جہاں اکبرؑ ذی جاہ سے چھوٹا — پیری میں برابر کا پسر شاہ سے چھوٹا
فرزندِ جواں ابنِ یداللہ سے چھوٹا — کیا اخترِ خورشید کا ماہ سے چھوٹا
تصویرِ غم و درد سراپا ہوئے شبیرؑ
ناموس میں ماتم ہے کہ تنہا ہوئے شبیرؑ

ہے ہے علی اکبرؑ کا ادھر شور تھا گھر میں — اندھیر تھی دنیا شہِ والا کی نظر میں
فرماتے تھے سوزش ہے عجب دامنِ پیری میں — اٹھتا ہے دھواں آگ بھڑکتی ہے جگر میں
پیغامِ اجل اکبرؑ ناشاد کا غم ہے
عاجز ہے بشر جس سے وہ اولاد کا غم ہے

اس گیسوؤں والے کے بچھڑ جانے نے مارا — افسوس بڑھاپے میں گھٹا زور ہمارا
دنیا میں محمدؐ کا یہ ماتم ہے دوبارا — عالم ہے عجب جانِ جہاں آج سدھارا
چادر بھی نہیں لاشۂ فرزندِ حسینؑ پر
کس عرش کے تارے کو سلا آئے زمیں پر

پیری پہ مری رحم کر اے خالقِ ذوالمنن — ملے جلد جواب مرے خنجر و گردن
قتلِ علی اکبرؑ کی خوشی کرتے ہیں دشمن — تجھ پر مرے اندوہ کا سب حال ہے روشن

مظلوم ہوں، مغموم ہوں مجروح جگر ہوں
تو صبر عطا کر مجھے یارب کہ بشر ہوں

پھر لاشۂ اکبر نظر آئے تو نہ روؤں — برچھی جو کلیجے میں در آئے تو نہ روؤں
دل درد محبت سے بھر آئے تو نہ روؤں — سو بار جو منہ تک جگر آئے تو نہ روؤں

شکوہ نہ زباں سے غم اولاد میں نکلے
دم تن سے جو نکلے تو تری یاد میں نکلے

اک عمر کی دولت تھی جسے ہاتھ سے کھویا — ہر وقت رہا میں تری خوشنودی کا جویا
پالا جسے گودی میں وہ یوں خاک پہ سویا — میں لاش پہ بھی خوف سے تیرے نہیں رویا

قسمت نے جوانوں کو سبکدوش کیا ہے
مجھ کو تو اجل نے بھی فراموش کیا ہے

اس حال سے روتے ہوئے داخل ہوئے گھر میں — تر تھی تن انور کی قبا خون پسر میں
سوزش تھی دل پر داغ میں تھی، درد جگر میں — خم آگیا تھا بار مصیبت سے کمر میں

پنہاں تھا جو فرزند جگر بند نظر سے
موتی رخ انور پہ ٹپکتے تھے مژہ سے

بانو سے کہا صدقے کہ خوشحال تمہارا — صرف رہ معبود ہوا مال تمہارا
مقبول ہوئی نذر، یہ اقبال تمہارا — سجدے کرو، پروان چڑھا لال تمہارا

دل خوں ہے کلیجے پہ سناں کھا کے پھرے ہیں
ہم اس کی امانت اُسے پہنچا کے پھرے ہیں

جیتے بھی تو آخر علی اکبر کبھی مرتے — گر صبر بھی ہوتا تو زمانے سے گزرتے
سینے سے کلیجے کو جب اعدا جدا کرتے — بگڑے ہوئے اس تن کے نہ پھر کام سنورتے

گر حلق سے اس شیر کے شمشیر نہ ملتی
یہ اجر نہ ہاتھ آتا یہ توقیر نہ ملتی

اکبر نے تو جاں اپنی جوانی میں گنوائی | تھی کس کی ایذا جو ترے لال نے پائی
افسوس کہ پیری میں ہمیں موت نہ آئی | تلوار نہ سر پر، نہ سناں سینے پہ کھائی

ہم کھائیں گے غم خونِ دل و جگر پئیں گے
کیا زور ہے جب تک وہ جلائے گا جئیں گے

دستور ہے مرتا ہے پدر آگے پسر کے | بیٹے وہ اٹھاتے تھے جنازے سے جو گھر کے
اب کون اٹھائے گا جنازے کو پدر کے | افسوس لحد بھی نہ ملے گی ہمیں مر کے

سر نیزے پہ اور دشت میں تن ہوگا ہمارا
خاک اڑ کے پڑے گی یہ کفن ہوگا ہمارا

زینب سے کہا رخت کہن لاؤ تو پہنیں | ملبوسِ شہنشاہِ زمن لاؤ تو پہنیں
موت آ گئی اب سر پہ کفن لاؤ تو پہنیں | کپڑے جو پھٹے ہوں وہ بہن لاؤ تو پہنیں

سر کٹ کے جو تن وادیٔ پرخار میں رہ جائے
شاید یہی پوشاک تنِ زار پہ رہ جائے

اللہ نے بچپن میں مرے ناز اٹھائے | طفلی میں شرف ایسے کسی نے نہیں پائے
مشہور تھا کہ جبریل امیں عرش سے آئے | فردوس سے کرتے مرے پہنانے کو لائے

بیکس ہوں دل افگار ہوں آوارہ وطن ہوں
غم ہوں وہی شبیر کہ محتاجِ کفن ہوں

ناشاد بہن پاؤں پہ گر کر یہ پکاری | ماں جائے برادر تری غربت کے میں واری
بن بھائی کی ہوتی ہے یہ اللہ کی پیاری | گھر لٹ گیا کیوں کر نہ کروں گریہ و زاری

رونے کو نجف تک بھی کھلے سر نہ گئی میں
خالی ہے بھرا گھر ابھی اور مر نہ گئی میں

بچپن تھا کہ اماں سے ہوئی پہلے جدائی | نانا کے بھی ماتم کی صف میں نے بچھائی
روتی تھی پدر کو کہ سفر کر گئے بھائی | یثرب بھی چھٹا بیکسی سے پردیس میں آئی

غم دیکھوں بڑے بھائی کا ماں باپ کو روؤں
قسمت میں یہ لکھا تھا کہ میں آپ کو روؤں

فرمایا کہ دنیا میں نہیں موت سے چارا
رہ جاتے ہیں ماں باپ بچھڑ جاتا ہے پیارا
ہمشکل علی اکبر تھا کسی کو بھی گوارا!
وہ مر گئے اور کچھ نہ چلا زور ہمارا
دیکھا ہے آباد وہ گھر خاک بھی دیکھو
اب خاتمۂ پنجتن پاک بھی دیکھو

میں کون ہوں اک تشنہ جگر بیکس و محتاج
بندہ تھا خدا کا سو بجا ہوں میں طلب آج
وہ کیا ہوئے جو رکھتے تھے کونین کے سر تاج
نے حیدر کرار ہیں نے صاحب معراج
کیا بیٹھ کے رونے سے وہ ہاتھ آئے گا زینب
آیا ہے جو اس دہر میں وہ جائے گا زینب

کس طرح وہ بیکس نہ اجل کا ہو طلبگار
ناصر نہ ہو جس کا کوئی دنیا میں غمخوار
اک جان حزیں لاکھ مصیبت میں گرفتار
اکبر ہیں نہ قاسم ہیں نہ عباس علمدار
کوشش ہے کہ سجدہ تہ شمشیر ادا ہو
تنہائی کا مرنا ہے خدا جانیے کیا ہو

فرما کے یہ ہتھیار سجے آپ نے تن پر
غل پڑ گیا شاہِ شہدا چڑھتے ہیں رن پر
احمدؐ کی قبا آپ نے پہنی جو کفن پر
پیدا تھا اک جلوۂ نور رخِ حسن پر
اللہ رے خوشبو تن محبوب خدا کی
پھولوں کی مہک آ گئی کلیوں سے قبا کی

شمشیر ید اللہ لگائی جو کمر سے
سر پیٹ کے زینب نے ردا پھینک دی سر سے
سمجھاتے ہوئے سب کو چلے آپ جو گھر سے
بچوں کی طرف تکتے تھے حسرت کی نظر سے
اس غل میں جدا شہ سے نہ ہوتی تھی سکینہؑ
پھیلائے ہوئے ہاتھوں کو روتی تھی سکینہؑ

سو سکتے تھے بابا پاس میں رو کر نہ رلاؤ   پھر پیار کریں ہم تمہیں مت آگے تو رلاؤ
وہ کہتی تھی ہمراہ مجھے لے کے تو جاؤ   میں کیا کہوں بیسدھ ہیں دل اگ جلنے نہ آؤ

نیند آئے گی جب آپ کی بڑ پاؤں گی بابا
میں رات کو مقتل میں چلی آؤں گی بابا

فرمایا نکلتی نہیں سیدانیاں باہر   بھائی پہ سلائیں گی تمہیں رات کو مادر
وہ کہتی تھی سوئیں گے کہاں پھر علی اصغر   فرماتے تھے بس ضد نہ کرو صدقے میں تم پہ

شب ہوئے گی اور دشت میں ہم سوئیں گے بی بی
اصغر مرے ساتھ آج وہیں سوئیں گے بی بی

سمجھا کے چلے آپ سکینہ کو غش آیا   غل تھا کہ اٹھا سر سے شہنشاہ کا سایا
ڈیوڑھی سے جو نکلا اسد اللہ کا جایا   راہوار سبک سیر کو مضطر کھڑا پایا

کس عالم تنہائی میں سید کا سفر تھا
بھائی نہ بھتیجا نہ ملازم نہ پسر تھا

زینب نے پکارا مرے ماں جائے برادر   تا رشد ہوں بہن لیتے رکاب آئے برادر!
اب کوئی مددگار نہیں ہائے برادر   صدقے ہو بہن گر تمہیں پیر ہائے برادر

غش آئے گا مدد کو امام پیادہ جو بڑھو گے
اس ضعف میں رہوار پہ کس طرح چڑھو گے

حضرت نے صدا دی کہ نہ خواہر نہ نکلنا   جب تک کہ میں زندہ ہوں باہر نہ نکلنا
صد بین کھولے ہوئے سر نہ نکلنا   سر کھول کے کیا اور سے چادر نہ نکلنا

کیا تم نے کہا دل مرا گھبرا گیا زینب
بھائی کی مناجات میں فرق آ گیا زینب

رخصت کے بار جو شہ بحر و بر آئے   اللہ کی امانت کو لپیٹے میں گھر آئے
غصے میں جو بچے ہوئے اہل و نظر آئے   تا قتل کو شمر ازل کے تیغ بہ سر آئے

ہم کو غم ابد تھا مدد بالا سپہر سے
چہرے میں زیادہ تھی ضیا مہر کی ضو سے

تلواریں ہیں یہ دشمن جاں ایک طرف ہیں — گھوڑے سپہ شہ کی دکاں ایک طرف ہیں
تیر ایک طرف گرز گراں ایک طرف ہیں — آپ ایک طرف لاکھ جواں ایک طرف ہیں
سر کٹنے کا دھڑکا شہ دیں کو بھی نہیں ہے
زہرا سے وفا اور کوئی پاس نہیں ہے

نقارۂ رزمی پہ پڑی چوٹ جب یکایک — تھرانے لگا دشت پڑا آشوب یکایک
ڈھالوں کی چھپیں زرہیں میں سر ڈوب یکایک — لشکر سے بڑھے فوج کے سر کرب یکایک
دم آیا نہ اعدا کو دلی ابن ولی پر
نعرہ کیا غلام حسینؑ ابن علی پر

تلوار ادھر سید ابرار نے کھینچی — یا تیغ دو سر حیدر کرار نے کھینچی
تصویر اجل برق شرربار نے کھینچی — گردن طرف غار ہر اک مار نے کھینچی
گھبرا گئی صدمہ سے ہوا گاو زمیں پر
سر رکھ دیے جھک جھک کے پہاڑوں نے زمیں پر

آثار نمایاں ہوئے خالق کے غضب کے — شیروں نے ترائی سے کنارہ کیا سب نے
جھکنے لگے دم گھٹنے لگے وہ بدگہر تب کے — دل ہل گئے رنگ اُڑ گئے کفار عرب کے
سردار قدم گاڑے تھے جو سمند زمیں پر
گر گر گئے کھل کھل کے کمربند زمیں پر

چلاتے تھے ہر صف میں نقیبان جفا کیش — اے غازیو اس وقت بڑی جنگ ہے درپیش
فرزند علی ہے یہ جگر خستہ و دل ریش — سر کٹتے ہیں مرنے سے ہم کو ظفر اندیش
کوشش کی گھڑی جان لڑا دینے کا دن ہے
صفین کے کشتوں کا عوض لینے کا دن ہے

مولا نے اُمِ لشکرِ پُرکینہ پہ آئے انجم جو ستارہ و حمد و سعید پہ آئے
گر عمرو پہ آئے تو کبھی زید پہ آئے یوں آئے کہ جس طرح اسد صید پہ آئے
ہل چل تھی کہ طوفاں میں جہاز آتا ہے جیسے
تیغ آتی تھی کنجشک پہ باز آتا ہے جیسے

جب حملِ سموم آ کے نکل جاتی تھی سن سے بھٹوں کی طرح خاک پہ سر گرتے تھے تن سے
جو شیر تھے میداں کے ہرن ہو گئے رن سے وحشی بھی چلے جاتے تھے بھاگے ہوئے بن سے
انسی تو فقط ڈر کے ویرانوں میں چھپے تھے
دب دب کے درندے بھی پہاڑوں میں چھپے تھے

اللہ رے مولا کی ہزاروں سے لڑائی فوجوں سے وہ ظلم شعاروں سے لڑائی
پرخاش پیادوں سے سواروں سے لڑائی لشکر کی صفیں چار تھیں چاروں سے لڑائی
ابھی میں سرگرمِ تگ و گشت کمیں تھے
جو صف سے بڑھا تیغ بکف آپ وہیں تھے

شیرِ اسدِ قلعہ شکن گونج رہا تھا جنبش تھی پہاڑوں کو یہ رن گونج رہا تھا
قرنا سے ادھر چرخِ کہن گونج رہا تھا نعروں سے ادھر غلغلہ کا بن گونج رہا تھا
غل تھا کہ لہو خوف سے گھٹ جلنے کا دن ہے
بھاگو کہ یہی گیتی کے الٹ جانے کا دن ہے

کیا تیغ کی تعریف کرے کوئی زباں سے جن مانگیں اماں جان کی جس آفتِ جاں سے
واں قطع سخن خوب ہوا اہلِ بیاں سے دعویٰ ہوئی گنگ بھی زباں لائے کہاں سے
یوں تیغ کبھی عرش سے اتری ہے کسی کو
ہدیہ وہ خدا نے جسے بھیجا تھا علی کو

سر کاٹ لیا فرق پہ جس حال میں پہنچی جھک کر جو پہ گھوڑے کے چلی یال میں پہنچی
سیل تھی کہ جو دشمن کے بھی جنجال میں پہنچی پنجے کے اٹھانے کے لیے ڈھال میں پہنچی

سمجھا یہ ہر اک برق گری دشمنِ دیں پر
خنجر تو سپر میں تھا کلائی تھی زمیں پر
اعضائے سواران تنومند جدا تھے　　نیزے سے تو کیا جسم کے سب بند جدا تھے
باپ ان سے جدا باپ سے فرزند جدا تھے　　کیا وصل ہے پیوند سے پیوند جدا تھے
تنہا نہ سرِ اہلِ ستم کاٹ دیے تھے
تلوار نے رشتے بھی جسم کاٹ دیے تھے
یا قبضۂ قضا جب تا بہ فلک جاتی تھی بجلی　　گرتی تھی سروں پر تو کڑک جاتی تھی بجلی
جب برچھی تلوار سے رک جاتی تھی بجلی　　اس پار سے اس پار چمک جاتی تھی بجلی
گرجے ہیں پہ اس طرح مسلسل نہیں گرجے
نعرے ہیں کہ ایسے کبھی بادل نہیں گرجے
شمشیر عدو کشش کی ہوا کے وہ تھپیڑے　　لگتے تھے تو غل میں اس فوج کے بیڑے
گھوڑے کو شعلے نے کیا کاوا جو پھیرے　　بوچھاڑ سروں کی وہ لہو کے وہ تریڑے
ساون نہیں برسا ہے کہ بھادوں نہیں برسا
مینھ برسا ہے ہر سال مگر یوں نہیں برسا
سب تھے سپر انداختہ تلوار کے آگے　　رہوار کے پیچھے تھے تو رہوار کے آگے
یوں رات تھی اس صاعقہ کردار کے آگے　　جس طرح پیادے تھے چلے اسوار کے آگے
غل تھا وہ جبیں ہیبت سے جو آکے بڑھے ہیں
سرتند کرو آپ لڑائی پہ چڑھے ہیں
تلواریں ہزاروں ہیں پہ نایاب یہی ہے　　پائندہ در نصرت کا یہی باب یہی ہے
بجلی جسے کہتے ہیں وہ بیتاب یہی ہے　　ہے بازو پہ دریا بھری آب یہی ہے
اس شکل کو اس چال کو اس صاعقہ کو دیکھو
تلوار کو کیا دیکھتے ہو ہاتھ کو دیکھو

ایسا ہے کہاں کا چلن ہاتھ میں کس کے ہے لعد خنجر قلعہ شکن ہاتھ میں کس کے
دیکھا ہے یہ بے ساختہ پن ہاتھ میں کس کے یہ کاٹ یہ گردش یہ کھنچ ہاتھ میں کس کے
تلوار کی آنکھیں وہ تیغ وہ سر ہیں
ہاتھوں کی لکیریں نہیں تعویذِ ظفر ہیں

بجھ بجھ گئے بجلی سی چمک کر جدھر آئی جل جل گئے شعلہ سی چمک کر جدھر آئی
کٹ کٹ گئے سینے سے سرک کر جدھر آئی مر مر گئے مقتل میں چمک کر جدھر آئی
آفت تھی قیامت تھی چھلاوہ تھی پری تھی
ہر ہر نے کو غیروں سے مانگ بھری تھی

ڈوبا تھا کوئی اور کوئی خون میں غرق ہر غول تہ اس معرکے میں زیر و زبر تھا
ڈھالیں تھیں نہ ساعد تھے نہ بازو تھے نہ سر تھا بچتے تھے نہ ترکش نہ خنجر تھا نہ تبر تھا
یوں بادل کی سرعت کبھی جاتے نہیں دیکھی
ایسی بھی خزاں آج تک آتے نہیں دیکھی

جس فوج پہ یہ صاعقہ کردار گری ہے سر تن سے گرا ہاتھ سے تلوار گری ہے
اک بار کہیں برق شرربار گری ہے سو بار جو اٹھی ہے تو سو بار گری ہے
حملے یہ بلا سر سے جو کوئی تو قدم لیں
اتنی بھی تو مہلت نہیں ملتی ہے کہ دم لیں

مولا سا کوئی صاحب سیف نہیں ہے صف کون سی ایسی ہے کہ جو صاف نہیں ہے
دنیا میں عدالت نہیں انصاف نہیں ہے ایسا کوئی قاف سے تا قاف نہیں ہے
دکھلا گئے جوہر تھے جو خالق کے ولی کے
دو قتل لڑائیوں نہ کوئی بعد علی کے

اللہ رے لڑائی میں سبک تازی شبدیز شہباز بھی ہے قائل جانبازی شبدیز
وہ سینہ وہ گردن وہ سرافرازی شبدیز وہ آنکھ وہ چہرہ وہ خوش اندازی شبدیز

جس طرح فرو رہتی ہے مایوس کی گردن
گردن سے یونہی جھکتی ہے طاؤس کی گردن

آہو جو کبھوں اس کو تو آہو سے پچکارا | ساتھ اس کے بھاگ نہیں پرواز کا یارا
وہ غول وہ ہر گیل وہ خم معرکہ آرا | چکی وہ پری بچہ جسے آنکھ کا مارا
دیکھی ہے سموں میں کسی گھوڑے کے یہ شوخی
اک جا ہیں ستارے بھی قمر بھی مہ نو بھی

اللہ ری جانبازی شبدیز وغا میں | تلوار کے چلنے سے بھی تھا تیز وغا میں
دل کا تھا اشارہ اسے مہمیز وغا میں | ہر نعل تھا شمشیر شرر ریز وغا میں
ہاتھ اس کے جدھر آئے اجل پا گئی اس کو
اک ٹاپ پڑی جس پہ زمیں کھا گئی اس کو

تلوار کی مانند نہ بھرتا تھا دم اس کا | گردن مہ نو سی وہ جھکنے کا خم اس کا
دریا سے روانی میں فزوں تر قدم اس کا | کس طرح کرے وصف بیاں قلم اس کا
دوڑاؤں کہاں تک فرس فکر رسا کو
کہہ دو کسی شاعر نے جو باندھا ہو ہوا کو

غل تھا کہ چھلاوے میں یہ چھل بل نہیں دیکھی | پھرتی بھی یوں آنکھ نے کل کل نہیں دیکھی
باریک یہ جسم اور یہ ہیکل نہیں دیکھی | ایسی تو کبھی خواب میں قلقل نہیں دیکھی
نازک ہے کہ مہمیز کی طاقت نہیں رکھتا
ابریشم چینی یہ ملاحت نہیں رکھتا

جس جا پہ پھرے برق کی واں جلوہ گری کیا | چلنے میں ہوا کیا ہے نسیم سحری کیا
یا اوج سعادت کا ہما کیا ہے پری کیا | طاؤس ہے کیا تیہو کیا کبک دری کیا
راکب جو ذرا چھیڑ دے اس برق شیم کو
ملنے کو نہ وہ پائے نہ یہ گرد قدم کو

اس صف کو الٹ کر ادھر آیا اُدھر آیا　　زخموں کو پلٹ کر ادھر آیا اُدھر آیا
وہ شیر جھپٹ کر ادھر آیا اُدھر آیا　　بجلی سا سمٹ کر ادھر آیا اُدھر آیا
قدرت ہے چھلاوہ بھی مگر یہ نہیں تھمتا
طائر بھی ٹھہر جاتا ہے پر یہ نہیں تھمتا

پامال نہ ہوں پھول جو گلزار پہ دوڑے　　نم تر نہ ہوں گر قلزم زخار پہ دوڑے
اس طرح رگ ابر گہر بار پہ دوڑے　　جس طرح کہ نغمے کی صدا تار پہ دوڑے
اغراق ہے یاں کچھ نہ تعلّی شعرا کی
کافی ہے یہ تعریف کہ قدرت ہے خدا کی

اک عالم شامی سپہ شوم سے نکلا　　غدار بڑے شاطر بڑی دھوم سے نکلا
لڑنے کے لیے خاصۂ قیوم سے نکلا　　کشتوں کا عوض لینے کو معصوم سے نکلا
دو جال بھی اس کے سے شہ والا سے لڑے تھے
سر ان کے کہیں جسم کہیں رن میں پڑے تھے

غصے سے غضب سرخ تھیں خونخوار کی آنکھیں　　بجلی سے چمکتی تھیں ستمگار کی آنکھیں
دیکھی جو دو چشم حیدر کرار کی آنکھیں　　مست ہے نخوت تھیں جفاکار کی آنکھیں
سر کاٹنے سرداروں کا سودا تھا یہ سر میں
عزت کو سمجھتی نہ سماتا تھا نظر میں

سر پہ کے مغفر کی جبیں ہوتے فزوں تنگ　　قتال و سفاک جفا جو بد سرہنگ
کھنڈا ابجر یہ قد و قامت کا نیا ڈھنگ　　حیراں شب ظلمات ہو یہ تیرگی رنگ
بچے سے یہ کالا تھا عدو ایسی وقت رجب کا
بن جائے تو عکس سے آئینہ حلب کا

لال آنکھیں وہ ظالم کی وہ منہ قبر سے کالا　　شب ایک طرف دن کو لگے دیکھنے والا
قد وہ کہ قامت سے بلندی میں دوبالا　　ہاتھوں کی کجی روی میں دہن ماہ کا پیالا

خیروں کی صدا سُن کے لرز جاتے تھے بن میں
فاسد تھی ہوا اس کی یہ بدبو تھی بدن میں

مولا نے کہا اپنے ستم گاروں کی خبر دے — آنکھوں سے اٹھا غفلت و پندار کے پردے
بہ جاتے ہیں اس قسم کے دانا جو شرر دے — غرّہ ہے ترا مجھ کو کہیں پست نہ کر دے
دنیا میں نہیں کچھ عمل نیک سے بہتر
پیدا کیا اللہ نے ایک ایک سے بہتر

کہتا ہے تو بڑھ کر وہ عمر کا ہنگام قریں ہے — اب سجدۂ محبوب کی مشتاق جبیں ہے
لشکر ہے ترے ساتھ ادھر کوئی نہیں ہے — عباسؑ سا غازی ہے نہ اکبرؑ سا حسیں ہے
فاقہ ہے جدا پیاس جدا ضعف جدا ہے
اب میں ہوں یہ تلوار ہے اور سر پہ خدا ہے

یہ سنتے ہی سفاک نے بھالے کو سنبھالا — تلوار کو چمکا کے بڑھے سید والا
آ پہنچا تھا سینے کے قریں ظلم کا بھالا — فرزند یداللہ نے عجب ہاتھ نکالا
کیا جانیے بجلی تھی کہ تیغ دو زباں تھی
نے ہاتھ میں بھالا تھا نہ بھالے میں سناں تھی

حضرت نے کہا دل سے وہ بے دین کا بھولا — کافی تھا ترے قتل کو اک تیغ کا ہولا
سنتے تھے کہ نیزے میں ہے سب سے بڑا بولا — جو بند تھے یاد انہیں خوف سے بھولا
نے ہاتھ میں طاقت تھی نہ نیزے میں تواں تھی
نیزہ تھا کہ تنکا تھا علم تھا کہ سناں تھی

جھنجھلا کے کہا اس نے کہ یا شاہ سرافراز — سرہنگ ہے مجھ سا نہ کوئی سرکش و سر انداز
طاقت پہ مجھے فخر تھا نیزے پہ مجھے ناز — کیا جانیے یہ سحر تھا یا آپ کا اعجاز
چمکی تھی کہاں تیغ کدھر چل کے پھری ہے
مجھ پہ کبھی اس طرح کی بجلی نہ گری ہے

حضرت نے کہا صرفہ جو جاں کا ہے ستمگر　　اعجاز دکھاتی ہے جو تو ذرہ پہ لشکر
ہیں سیف خدا کوئی ہمارا نہیں ہمسر　　ان ہاتھوں میں شمشیر دو دستی ہے کہ اژدر
ہر وقت بیاں وردِ زباں نادِ علی ہے
بجلی نہیں یہ ضرب ہے اعجاز علی ہے

ظالم نے ادھر گرز گراں سر پہ اٹھایا　　ثابت یہ ہوا دیں نے سپر کو اٹھایا
نے ہاتھ میں ڈھال نہ جدھر کو اٹھایا　　مولا نے فقط تیغ دو پیکر کو اٹھایا
اڑتے ہوئے دیکھا جو ہوا میں شرروں کو
سمٹا لیا تھرا کے فرشتوں نے پروں کو

جنبیدہ قریب آ گئے گھوڑے کو ڈپٹ کر　　شبدیز ادھر سے ادھر آیا تھا پلٹ کر
ہر چند بچاتا رہا ضربت کو وہ ہٹ کر　　پر کالا گرز اڑ گئے تیغ سے کٹ کر
باقی تھا جو گرز وہ رد ہو گیا آخر
فتنہ جو اٹھا تھا وہ فرو ہو گیا آخر

وہ زور سے چلتی ہوئی صمصام کو دیکھو　　بے رونقی طرفِ ظالم ناکام کو دیکھو
جیبیں و سپر شاہ و خوش انجام کو دیکھو　　اعجاز ہے اک جا سحر و شام کو دیکھو
قرباں رخ تاباں پہ شہ جن و بشر کے
خورشید جبیں رنگ میں ہے شام و سحر کے

منہ سرخ ہے سب خاطر اقدس کو ہے برہم　　رخساروں پہ بل کھائے ہیں گیسوئے پرخم
ابرو میں ہے چلتی ہوئی تلوار کا عالم　　بجلی کا ہے یہ رعب کہ تھراتے ہیں ضیغم
او دیکھ لو اس صاحب شمشیر کی آنکھیں
غصے میں نہ دیکھی ہوں اگر شیر کی آنکھیں

دبتا ہے سر کٹا ہے سمٹتا ہے وہ ظالم　　گھوڑے کے قریب آ کے پلٹتا ہے وہ ظالم
منہ موڑتے ہیں جب آپ تو ہٹتا ہے وہ ظالم　　مڑ جاتا ہے جب وار تو کٹتا ہے وہ ظالم

شمشیر کلیجے پہ چھُری سی پھیرے ہوئے ہے
بھاگے تو کدھر جائے اجل گھیرے ہوئے ہے

نقل تھا کبھی دیکھی نہیں یہ تو بدل ایسی   چلتی نہیں تلوار کبھی برمحل ایسی
اب ہو گی زمانے میں نہ جنگ جدل ایسی   ہاتھ ایسا زبردست تو برقِ اجل ایسی
بل جسم میں کس ہاتھ میں تلوار میں بس ہے
سو سر کا جو دشمن ہو تو اک وار اُسے بس ہے

مولا کی طبیعت جو ذرا جوش پہ آئی   تلوار اجل بن کے زرہ پوش پہ آئی
گہ فرق پہ چمکی تو کبھی دوش پہ آئی   آفت کمر و سینہ تن و توش پہ آئی
جانے کی جہاں سے خبر آتی ہے کسی کو!
گرتی ہوئی بجلی نظر آتی ہے کسی کو!

سر پہ جو پڑی تیغ جبیں سے اُتر آئی   کیا ذکر جبیں سینۂ صد کیں سے اُتر آئی
بڑھ کر کمرِ دشمنِ دیں سے اُتر آئی   کیا بند کمر خانۂ زیں سے اُتر آئی
نکلی بھی تو تن توسنِ چالاک سے نکلا
بجلی سا چمکتا ہوا پھل خاک سے نکلا

تکبیر کا نعرہ جو کیا آپ نے تن کے   صاف آئی صدا غیب سے جوہر ہیں حسن کے
اے لختِ جگر بادشہِ ملکِ سخن کے   کٹتے ہیں یہی فوج سے جو شیر ہیں بن کے
تو صبر میں اک آپ خوش انجام ہے شبیرؑ
اب بس کہ یہی جنگ عصر کا ہنگام ہے شبیرؑ

سن کر یہ صدا آپ نے تلوار کو روکا   تلوار کو کیا برقِ سرشار کو روکا
بے چین تھا پیاسا وفادار کو روکا   گردن کی طرف دیکھ کے رہوار کو روکا
فرمایا کہ جینے سے دل اب تنگ ہے گھوڑے
تھم جا کہ بس اب خاتمۂ جنگ ہے گھوڑے

اب سینے کو وقفِ تبر و تیر کریں گے — اب طاعتِ معبود کی تدبیر کریں گے
اب عصر کی نیت میں نہ تاخیر کریں گے — اب سجدۂ باری دمِ شمشیر کریں گے
ایذا جو کہ دکھ سہل ہے سب راہِ خدا میں
سر دے کے بس اب جائیں گے درگاہِ خدا میں

عاشق کو نہیں دوریِ معشوق گوارا — سر جلد کٹاؤ یہ ہے خالق کا اشارا
مشتاقِ اجل ہے اسداللہ کا پیارا — اب خنجرِ بے آب ہے اور حلق ہمارا
طالب ہوں رضامندیِ ربِّ دوسرا کا
صد شکر کہ وقت آگیا وعدے کی وفا کا

یکبار کی میاں میں شبیر نے تلوار — تھم شہ والا سے گھوڑا ہو گیا رہوار
بجلی جو تھمی ہونے لگی تیروں کی بوچھار — دو لاکھ کے نرغے میں گھرے سیدِ ابرار
مجروح ہوا صدر بھی زخمی ہوا سر بھی
چلنے لگیں تیغیں بھی سنانیں بھی تبر بھی

کیوں کر ہو بیاں حال اس کا جو ہو خلق کا والی — اک چاند پہ اُمڈی یہ گھٹا ظلم کی کالی
وہ ناوکِ دلدوز وہ جسمِ شہِ عالی — حلقہ کوئی جوشن کا نہیں تیر سے خالی
طاری ہے غشی دل کو سنبھالا نہیں جاتا
اک تیر بھی سینے سے نکالا نہیں جاتا

مظلوم مسافر پہ یہ بیداد صد افسوس — اک جان ہزاروں ستم ایجاد صد افسوس
ٹکڑے ہیں پیاسے پہ یہ جلاد صد افسوس — شہ کی کوئی سنتا نہیں فریاد صد افسوس
جز نیزہ و تیغ و تبر آتا نہیں کوئی
فرزندِ محمد کو بچاتا نہیں کوئی

بے جاں ہیں رہوار پہ آقائے خوش اوقات — بند آنکھیں ہیں خوں بہتا ہے کرتے نہیں بات
سر پیٹتے ہیں اہلِ حرم لٹتے ہیں سادات — حامی نہیں کوئی کوئی پرساں نہیں ہیہات

حالِ شہِ آوارۂ وطن دیکھ رہی تھی
تلواروں میں بھائی کو بہن دیکھ رہی تھی

وہ خاک پہ گھوڑے سے گرے سبطِ پیمبرؐ — تھرائی زمیں ہلنے لگا عرشِ منوّر
سر پیٹتی مقتل کو چلی زینبِ مضطر — یاں شمرِ ستمگار بڑھا کھینچ کے خنجر
سر ننگے نجف سے شہِ مرداں نکل آئے
مرقد سے نبیؐ چاک گریباں نکل آئے

چلّائے ملائک کہ قیامت ہوئی برپا — گھبرا کے درختوں سے اڑے طائرِ صحرا
آندھی ہوئی اک غرب کی جانب سے ہویدا — تھرانے لگے کوہ اُبلنے لگے دریا
تیرہ ہوا دن اڑنے لگی خاک جہاں میں
غل ہائے حسینا کا اٹھا کون و مکاں میں

اس حشر میں احمدؐ کی نواسی کا یہ تھا حال — گرتی تھی کبھی اٹھتی تھی کھولے ہوئے بال
چلّاتی تھی سر پیٹ کے اے فاطمہؑ کے لال — ہے ہے تمہیں تلواروں میں گھیرے ہیں بد افعال
کیا کیا ہے مجھے صدمے یہ جدائی نہیں دیتی
لاش آپ کی زینبؑ کو دکھائی نہیں دیتی

بھیّا مجھے رستہ نہیں ملتا کدھر آؤں — کیونکر تمہیں جلّادوں کے پنجے سے چھڑاؤں
بھیّا تمہیں اس بھیڑ میں کس طرح سے پاؤں — سب قتل ہوئے بہرِ مدد کس کو بلاؤں
کیا ہے کہ جو نانا کی سواری نہیں آئی
بھیّا مجھے آواز تمہاری نہیں آئی

میں کس کو پکاروں کہ ترس پیاسے پہ کھاؤ — لی جن سے زمیں مول انہیں لوگوں کو بلاؤ
اے اہلِ زراعت تمہیں امداد کو آؤ — لٹتی ہوئی کھیتی کو محمدؐ کی بچاؤ
کام آؤ غریبوں کے تو احساں ہے تمہارا
یہ بے وطن اس دشت میں مہماں ہے تمہارا

شہ نے جو سُنی زاریٔ زینبؑ بہ تحسّر — گھبرا کے صدا دی کہ ادھر آؤ نہ خواہر
کیا قہر ہے گر آج یہاں آئیں گے سر — مشغول ہے اُمّت کی دُعا میں یہ برادر
مطلوب رضامندیٔ معبود ہے زینبؑ
تنہا نہیں اللہ تو ہمراہ ہے زینبؑ

کس طرح اُٹھیں سینۂ زخمی پہ ہے جلّاد — نانا بھی گودی میں لیے کرتے ہیں فریاد
اماں مرے پہلو میں ہیں لے زینبِ ناشاد — روتے ہیں بڑے بھائی بھی یہ دیکھ کے بیداد
گریاں وہیں پہ خامسِ قسیم کھڑے ہیں
بابا بھی سرہانے مرے مغموم کھڑے ہیں

یہ سنتے ہی دوڑی طرفِ لاش وہ مضطر — چلّائی کہ ہمشیر بھی آتی ہے برادر
لاشے پہ نہ پہنچی تھی کہ برپا ہوا محشر — دیکھا کہ لیے جاتا ہے قاتل سرِ سرور
سب تیر اسی طرح سے سینے میں گڑے ہیں
اور جلتی زمیں پر شہِ دلگیر پڑے ہیں

واں ماتمِ شہ میں سرِ دو عالم جدا ہیں — یاں احمدِ مختار بھی سرگرمِ بکا ہیں
مقتل میں کھلے سر حرمِ شیرِ خدا ہیں — خاک اُڑتی ہے جنگل میں عجب ارض و سما ہیں
سر کٹ چکا مقصودِ دلِ زہراؑ و علیؑ کا
اب لُٹتا ہے مجبور و حسن سبطِ نبیؐ کا

عمامۂ حضرت لیے جاتا ہے کوئی آہ — جامہ ہے کوئی لے کے چلا بے شہِ ذی جاہ
ہاتھوں سے قبا کھینچ رہا ہے کوئی گمراہ — عریاں ہے زمیں پہ تنِ فرزندِ یداللہ
اب لشکرِ کیں لاش کو پامال کرے گا
بعد اس کے ستم لاش پہ جمّال کرے گا

خاموش انیس آگے نہیں طاقتِ تحریر — عالم جسے روتا ہے وہ مظلوم ہے شبّیر
خالق سے دُعا مانگ کہ اے مالکِ تقدیر — دکھلا مجھے آنکھوں سے مزارِ شہِ دلگیر
منسوب ہوں زوّارِ امامِ دوسرا میں
مر جاؤں تو مدفن ہو جوارِ شہدا میں

مرثیہ : (۱۴)

میدان کربلا میں امام حسین علیہ السلام کی تنہائی

بخشش اُمت کے لیے دعا اور بارگاہِ رب العزت میں آخری سجدہ

آج شبیرؑ پہ کیا عالمِ تنہائی ہے — ظلم کی چاند پہ زہراؑ کے گھٹا چھائی ہے
اس طرف لشکرِ اعداء کی صف آرائی ہے — یاں نہ بیٹا نہ بھتیجا نہ کوئی بھائی ہے
برچھیاں کھاتے چلے جاتے ہیں تلواروں میں
مار لو پیاسے کو ہے شور ستمگاروں میں

زخمی بازو ہیں کمر خم ہے بدن میں نہیں تاب — ڈگمگاتے ہیں نکل جاتی ہے قدموں سے رکاب
پیاس کا غلبہ ہے لب خشک ہیں آنکھیں پُرآب — تیغ سے دیتے ہیں ہر وار کا اعدا کو جواب
شدتِ ضعف سے جس جا پہ ٹھہر جاتے ہیں
سیکڑوں تیرِ ستم تن سے گزر جاتے ہیں

گیسو آلودۂ خوں بہتے ہیں رخساروں سے — شانے کٹ کٹ کے لٹک گئے ہیں تلواروں سے
تیر پیوستہ ہیں خوں بہتا ہے سوفاروں سے — لاکھ آفت میں ہے اک جان دل آزاروں سے
فکر ہے سجدۂ معبود میں سر دینے کی
وار سے تیغوں کے فرصت نہیں دم لینے کی

خوں میں تر پیچ عمامے کے ہیں سر زخمی ہے — ہے جبیں چاند سی پُرنور مگر زخمی ہے
سینہ سب برچھیوں سے تا بہ کمر زخمی ہے — تیرِ بیداد سے دل زخمی جگر زخمی ہے
ضربِ شمشیر سے بے کار ہیں بازو دونوں
ظلم کے تیروں سے مجروح ہیں پہلو دونوں

برچھی اگر کوئی پہلو میں لگا جاتا ہے — مارتا ہے کوئی نیزہ تو غش آ جاتا ہے
بڑھتے ہیں زخم بدن زور گھٹا جاتا ہے — بند آنکھیں ہیں سرِ پاک جھکا جاتا ہے

گرد رہ تیر ادھر کی گرد گلستاں پھرتے ہیں
قتل ہے گھوڑے سے امامِ دو جہاں گرتے ہیں

اترے ہیں قطرۂ خوں زخمِ جبیں سے پیہم — دستِ مجروح سے کھنچ سکتے نہیں تیرِ ستم
فکر ہے بخششِ امت کی کچھ اپنا نہیں غم — کرتے ہیں شکرِ خدا خشک لبوں سے ہر دم
ہے جدا تیروں سے غربال قبا گلگوں ہے
ہونٹ یاقوت سے زخمی ہیں دہن پر خوں ہے

زیں سے ہلتا ہے جھلا دوشِ محمدؐ کا مکیں — چمنِ فاطمہؑ کا سرو ہے مائل بہ زمیں
برچھیاں گردیں اور بیچ میں ہیں سرورِ دیں — ہے یہ نزدیک گرے مہرِ نبوت کا نگیں
پاؤں ہر بار رکابوں سے نکل جاتے ہیں
یا علیؑ کہتی ہے زینبؑ تو سنبھل جاتے ہیں

لاکھ تلواریں ہیں اور ایک تنِ اطہر ہے — ایک مظلوم ہے اور ظالموں کا لشکر ہے
سیکڑوں خنجرِ فولاد ہیں اور اک سر ہے — نہ کوئی یار نہ ہمدم نہ کوئی یاور ہے
باگ گھوڑے کی کھنچتی ہے اٹھا سکتے نہیں
سامنے اہلِ حرم روتے ہیں جا سکتے نہیں

کوئی تیغوں کا نہیں آہ بچانے والا — حرب ہے لاکھوں ہیں اور اک زخم اٹھانے والا
پیاس ہے کوئی نہیں پانی پلانے والا — سنبھلے کس طرح بھلا برچھیاں کھانے والا
چرخ سے آگ برستی ہے زمیں جلتی ہے
ہائے گرمی کے زمیں خشک ہے لُو چلتی ہے

کہیں دم لینے کو سایہ نہیں ہے وقتِ زوال — اینٹھی جاتی ہے زباں پیاس کی شدت ہے کمال
کبھی زینبؑ کا ہے غم گاہ سکینہؑ کا خیال — دل کو ڈھارس ہے تو حضرت ہوئے جاتے ہیں نڈھال
شکلِ خورشید بھی ضعف سے تھرّاتا ہے
نیّرِ برجِ امامت پہ زوال آتا ہے

عرض کرتے ہیں کہ یہ خالق سے اے رب غفور　　تو ہے عالم کہ نہیں تیرے بندے کا کچھ قصور
کرتے ہیں یہ مجھے بے جرم و خطا قتل سے چُور　　وائے امت پہ اٹھانا نہیں مجھ کو منظور
جانتے ہیں کہ میں تشنہ کام اس بن میں
پانی دیتے نہیں دو روز کا پیاسا ہوں میں

تُو نے بچپن سے مرے ناز اُٹھائے یا رب　　وہ عنایت کیا جو تجھ سے کیا میں نے طلب
تیرا محبوب بنا میرے لئے میرا مرکب　　روزہ رکھا نہ بچا صرف ایاں ہوئی شب
بھوک میں خلد کا کھانا بھیجا امداد عجب
بھیج کر ہرنی کا بچہ مرا دل شاد عجب

اب اگر ہے یہ تری مصلحت اے رب قدیر　　ہو رواں حلق پہ پیاسے کے ابھی شمشیر
میرے مولا بسر و چشم ہے حاضر شبیر　　کس کو عالم میں یہ طاقت ہے کرے دل میں تاخیر
جلد گردن پہ رواں خنجر برّاں ہووے
اے خوشا وہ جو تری راہ میں قرباں ہووے

غم نہیں کچھ مجھے گو بیکس و لاچار ہوں میں　　زیر شمشیر گلا رکھنے کو تیار ہوں میں
آبرودار ہے، محتاج ہے، لاچار ہوں میں　　وقت مشکل ہے عنایت کا طلبگار ہوں میں
تیرے سجدے میں یہ سر تن سے جدا ہو جائے
عہد طفلی کا جو وعدہ ہے وفا ہو جاوے

سختیاں مرگ کی کر اپنے کرم سے آساں　　لب پہ تکبیر ہو جب حلق پہ خنجر ہو رواں
دل میں ہو یاد تری بند ہو جس وقت زباں　　دم بھروں تیرا ہی تن سے جو نکلنے لگے جاں
بعد پامال مجھے قبر میں بستر ہووے
زخمی تن پر ردِ فاطمہ اے میرے داور ہووے

جرم کر کے میں کہ شرمندہ ہوں اے بار خدا　　بندگی کا تری جو حق تھا ادا ہو نہ سکا
خوف محشر سے بدن کانپتا ہے سر تا پا　　ہوگی اعمال کی پرسش تو کہوں گا میں کیا

کوئی تجھ سا ترے لائق نہیں پاتا ہے حسینؑ
ہاتھ خالی ترے دربار میں آتا ہے حسینؑ

تقویتِ دل کو کرم سے ترے یا رحماں نہیں مایوس کہ رحمت ہے تری بے پایاں
بخشیں بندوں کی کر دیتا ہے دم میں آساں شکرِ الطاف و عنایات میں قاصر ہے زباں

عاصیوں سے بھی محبت نہیں کم کرتا ہے
جرم وہ کرتے ہیں تو لطف و کرم کرتا ہے

عمر تری راہ میں غفلت سے رہا ہوں خفا تو ہے آگاہ کہ دو دن سے ہوں بھوکا پیاسا
چاہتا ہوں میں اپنی شہادت کا صلہ مغفرتِ اُمتِ عاصی کی ہو اے ربِّ خدا

سب گوارا ہے جو کچھ کہ اذیت ہوئے
ان کو دنیا میں بھی عقبیٰ میں بھی راحت ہوئے

عرض کرتے تھے یہ خالق سے شہِ بندہ نواز یک بیک عالمِ بالا سے یہ آئی آواز
اے مرے شبیر کے فرزند نبیؐ کے دمساز تجھ سے ہم خوش ہیں پذیرا ہے ترا عجز و نیاز

مرد ہے عاشقِ کامل ہے وفادار ہے تو
جو کہا وہ ہی کیا صادق الاقرار ہے تو

تو بھی مقبول ہے اور تیری عبادت بھی قبول یہ اطاعت تری مقبول یہ طاعت بھی قبول
عاجزی بھی تری مقبول شہادت بھی قبول تیری خاطر سے ہوئی بخششِ امت بھی قبول

ہم نے خیلِ شہدا کا تجھے سردار کیا
اُمتِ احمدِ مختار کا مختار کیا

دوست داروں کا ترے گلشنِ جنت ہے مقام تا ابد سایۂ طوبیٰ میں کریں گے آرام
ہوں گے محشر میں ترے ساتھ عزادار تمام تجھ پہ جو روئیں گے پائیں گے وہ بے منت کے انعام

تم نے کیا اہلِ جہاں تیرے محب سارے ہیں
تو ہے پیارا ترے پیارے بھی ہمیں پیارے ہیں

تجھ سا عابد نہ ہوا ہے نہ کوئی ہووے گا — تیر کھا کھا کے کسی نے بھی ہے یوں شکر کیا!
طاعتِ خلق سے اک سجدہ ہے افضل تیرا — عرشِ اعظم پہ ملائک تری کرتے ہیں ثنا
سارا گھر سیدی محبت میں نثار تو نے کیا
بندگی کا تھا جو کچھ حق وہ ادا تو نے کیا

حشر تک سجدے کا شکر پہ تیرے عالم — تیرا ماتم نہیں ہووے گا جہاں میں کبھی کم
روضۂ پاک کو تیرے یہ شرف بخشیں گے ہم — آئیں گے اس کی زیارت کو ملک ہو کے بہم
یہ زمیں عرش سے رتبے میں سوا ہووے گی
خاکِ تربت کی تری خاکِ شفا ہووے گی

یہ صدا سن کے ہوئے ست وہ شہِ ہر دو سرا — آ گئی از سرِ نو جسم میں طاقت گویا
جھک کے سجدے کی طرف پھر سے وہ رکھ دیا — میرے مولا میں تری بندہ نوازی کے فدا
کیوں نہ ممتاز ہو وہ تو جسے رتبہ بخشے
اس کفِ خاک کو کیا رتبۂ اعلیٰ بخشے

ابھی مولا نے سرِ سجدہ اٹھایا نہ تھا آہ — نیزہ اک چھاتی پہ مارا جو کسی نے ناگاہ
غش میں گرنے لگے گھوڑے سے امامِ ذی جاہ — آئی خاتونِ قیامت کی صدا [illegible]
تھامنے آئے رسولِ خدا گھبرائے ہوئے
دوڑے محبوبِ حسن ہاتھوں کو پھیلائے ہوئے

اک جفاکیش نے پھر پہلو پہ ضربت مارا — چھد گیا ٹوٹ کے چھاتی کو برچھا سارا
پشتِ تازی سے [illegible] — خاک پہ وہ عرشِ خدا کا تارا
گرد تر وہ قبا [illegible] خون ہوئی
ریت زخموں کے لیے مرہمِ کافور ہوئی

زخم زخموں میں جو تڑپے تھے شہنشاہِ زمن — گل کی مانند کھلے جاتے تھے سب زخمِ بدن
صعبِ آب میں گھوڑے ہوئے تھے خشک دہن — گرد کھینچے ہوئے تلواریں کھڑے تھے دشمن

غم ناموس بھی تھا پیاس کی بھی شدت تھی
پھر سکینہؑ کو نہ دیکھا تھا یہی حسرت تھی
کان میں آتی تھی زینبؑ کی صدائے جانکاہ — دل تڑپ جاتا تھا کہتے تھے جو جب سے آہ
راہ رو کے ہوئے خیمے کی کھڑے تھے گمراہ — تھم رہا چشم سے کہتے تھے سوئے خیمہ نگاہ
تن زخمی پہ جو پیکان ستم گڑتے تھے
خاک سے اٹھتے تھے اور کانپ کے گر پڑتے تھے
کہتا تھا فوج میں سب سے جو بد اختر — کھینچے کیوں تیغوں کو ہاتھوں میں کھڑے ہو ششدر
ریگ تفتیدہ پہ ہے غش میں علیؑ کا دلبر — جاؤ کیا دیر ہے کاٹو شہِ مظلوم کا سر
تیغ سے فاطمہ زہراؑ کا گلا چاک کرو
جلد ہاں حسن غرض چمن پاک کرو
اس مظلوم کا سر کاٹنا کیا ہے دشوار — جس کا کوئی بھی مددگار نہ ہمدرد نہ یار
صرف بچیاں ہیں کئی خیمے میں غریب و ناچار — مر چکے پہلے ہی جو خون کے تھے دعویدار
خوں بہا بھی نہ کوئی مانگنے کو آوے گا
اک پسر ہے سو وہ بیمار ہے مر جاوے گا
کانپ کر کہتے تھے سب ہم سے نہ ہوگا یہ ستم — ذبح فرزند محمدؐ کا نہیں کرنے کے ہم
ابن مظلوم کی چھاتی پہ جو رکھے گا قدم — پاؤں جل جائے گا تھرائے گا عرشِ اعظم
پیٹتے قبر سے محبوبِ خدا آویں گے
بنات فاطمہؑ کی آہ سے جل جاویں گے
کون بے کس کا بھلا قتل کرے بے تقصیر — پھیرتا ہے کوئی پیاسے کے گلے پر شمشیر!
گو کہ بے کس ہے پہ آساں نہیں قتلِ شبیرؑ — حشر میں ہوویں گے محبوبِ خدا دامنگیر
تو سمجھتا ہے کہ اس کا کوئی خوں خواہ نہیں
بنتِ احمدؐ نہیں حیدرؑ نہیں اللہ نہیں!

تھا جو دمساز عمر ابن نمیر اظلم   بڑھ کے تیغ اس نے سر شاہ پہ ماری اس دم
تا جبیں ہو گیا مجروح سر شاہ امم   تھام کر سر کو پکارے یہ امام عالم
نہ میسر تجھے اس ہاتھ سے کھانا ہووے
تو تہی دست جہنم کو روانا ہووے

جا بجا ظالم نے کہ جو شہ پہ کیے تیغ کا وار   دیکھ انگشت بدنداں ہیں رسول مختار
خشک اس وقت ہوئے دست ستمگر یکبار   ہاتھ سے تیغ گری خوف سے بھاگا خونخوار
یاں سر پاک سے حضرت کے لہو جاری تھا
خم ہوئے قد تھے بند آنکھیں تھیں خوں جاری تھا

جب تڑپنے کی بھی طاقت نہ رہی سرور کو   غل ہوا یہ کہ غش آیا خلف حیدر کو
فوج سے شمر بڑھا کھینچے ہوئے خنجر کو   سب سے کہتا تھا کہ اب کاٹوں سر سرور کو
خلف احمد مختار کا قاتل ہوں میں
کام میرا ہے اسی کام کے قابل ہوں میں

مجھ کو حیدر سے غرض ہے نہ محمد سے کام   دوں میں محبوب خدا جو دے خوشی حاکم شام
دولت و مال ملے جاؤں میں پاؤں انعام   دوں نہ حیدر کی دہائی ہے چین سے مجھے ہو آرام
منہ نہ میں دولت دنیا سے کبھی پھیروں گا
آج زہرا کے کلیجے پہ چھری پھیروں گا

تیز کرتا ہوا خنجر کو گیا شہ کے قریں   آسماں ہل گیا تھرا گئی مقتل کی زمیں
رو رو چلانے لگی زینب ناشاد و حزیں   غش میں بھی گھر گئے ہیں ہے ہے مرے بھائی کہیں
رحم زہرا کے پسر پر نہیں کھاتا کوئی
خاک سے بھی نہیں زخمی کو اٹھاتا کوئی

کس سے فریاد کروں جا کے یہ ڈھنگ کیا ہے   نہ محمد ہیں نہ حیدر ہیں نہ زہرا ہے
لاکھوں دشمن ہیں مرا بھائی ہے تنہا ہے   تیغوں سے کٹتا ہے زہرا کا کلیجہ ہے

سرورِ گلزارِ رسالت کو قتل کرتے ہیں
ہائے سید پہ مسافر پہ ستم کرتے ہیں

گرد زینب کے تھا ہوا پیمبر کا ہجوم | بازو رسی سے کسی کے بندھی تھی سر کلثوم
کہتی تھی دیکھ کے میداں کو سکینہؑ معصوم | اے پھوپھی زندہ رہو مرداں میں ہیں شاہِ مظلوم

جاؤں گی اب میں نہیں چھوڑوں گی آپ کے پاس
شمر خنجر لیے جاتا ہے مرے باپ کے پاس

کتنا روکا انہیں بانوئے نے پر ہر گز نہ رکی | چھوٹ کے ہاتھوں سے سوئے میداں کو چلی
پیچھے سر کھولے ہوئے خیمے سے زینبؑ نکلی | پہنچی رن میں تو سکینہؑ یہ مرے بن

او لعین حیدرِ کرار کی پوتی ہوں میں
رحم کر مجھ پہ کہ بن باپ کے ہوتی ہوں میں

دیکھ غربت کو مری کر مرے بچپن پہ نظر | باپ مارا گیا میرا تو جیوں گی کیونکر
سر پہ آئے گی جو مجھ پر تو میں جاؤں گی کدھر | میں تو جیتی ہوں باپ کی شفقت پہ مرا عاشق ہے پدر

باپ بن ایک دم آرام نہ آئے گا مجھے
رن میں پھر رات کو جاتی پہ سلائے گا مجھے

کہتی کہتی رہی وہ بنتِ شہ عرش جناب | اس ستمگر نے دیا کچھ نہ سکینہؑ کو جواب
پیٹ کر سر کو کہا زینبؑ نے کہ او خانہ خراب | تجھ کو ڈر آتا نہیں کچھ روحِ پیمبر سے حجاب

ظلم مت کر ارے اللہ کی جائی ہوں میں
ننگے سر پردے کے باہر نکل آئی ہوں میں

میری اماں کا ہے مشہور جہاں میں پردا | بعد رحلت بھی جنازہ نہ کسی نے دیکھا
اس کی بیٹی ہوں ترے ظلم سے یہ وقت پڑا | برہنہ سر ہوں گریباں پھٹا سر ہے کھلا

علی و زہرا کا جگر خنجرِ جفا کٹتا ہے
ظلم ہے تیرے محمد کا گلا کٹتا ہے

قتل میں حضرت نے جب کہ زینب کے سخن   کھول کر دیدۂ پُر خوں کو اٹھائی گردن
دیکھا سر ننگے کھڑی روتی ہے مقتل میں بہن   بنتِ زہراؑ کو پکارے یہ شہنشاہِ زمن

کیا کیا تم نے کہ پردے سے نکلے سر کھل
جیتے جی میرے سرِ پردے سے باہر نکلی

کس کو کہاتی ہو کوئی سنے گا فریاد   باز آئے گا نہیں قتل سے میرے جلاد
جاؤ تم خیمے میں ہو اب لعین ہوتے ہیں شاد   حشر کے روز خدا دیوے گا اس ظلم کی داد

شوق مرنے کا ہے مرتی ہے جدا ہونے دو
جاؤ گھر میں مجھے امت پہ فدا ہونے دو

کہتے یہ غش ہوئے مجروح میں شہنشاہِ امم   شمر ظالم نے رکھا سینۂ اقدس پہ قدم
جگرِ فاطمہ زہراؑ پہ چلی تیغ دودم   آگے زینب کے ہوئے ذبح حسینؑ آہ ستم

پیٹ کے بنتِ شہنشاہِ زمن رونے لگی
باپ کو بیٹی برادر کو بہن رونے لگی

فتح کا فوجِ مخالف میں بجا نقارا   غل ہوا قتل ہوا شبیرِ خدا کا پیارا
بس حزیں اب نہیں گریہ کا جگر کو یارا   غم سے خوں ہو گیا سینے میں کلیجا سارا

کس سے اس درد مصیبت کا بیاں ہوتا ہے
آنکھیں روتی ہیں قلم روتا ہے دل روتا ہے

مرثیہ (۱۹۰۰ء)

حرمِ پاک کا اسیر ہو کے شام میں جانا

دربارِ یزید میں جنابِ زینبؑ کا خطبہ

آمد آمد حرمِ شاہ کی دربار میں ہے　　صبح سے جشن کا غل شام کے بازار میں ہے
صحبتِ عیش و طرب مجلسِ غدار میں ہے　　شورِ فریاد و بکا عترتِ اطہار میں ہے
زینتیں بزم کی ہیں دشمن تو خوش ہوتے ہیں
فاطمہ پیٹتی ہیں شیرِ خدا روتے ہیں

آگے آگے تو ہیں سجاد جھکائے گردن　　پاؤں بیڑی میں گلا طوق میں گردن میں رسن
خجل خورشیدِ فلک شرم سے لرزاں ہے بدن　　چاک ہے غم میں گریبان قبا تا دامن
بیٹھ جاتے ہیں تو جھنجھوڑ کے اٹھاتے ہیں لعین
برچھیاں نیزوں کی شانوں میں چبھاتے ہیں لعین

پنڈلیاں سوجی ہیں اور طوق سے چھلتا ہے گلا　　سخت ایذا میں ہے فرزندِ شہِ کرب و بلا
خار تلووں میں ہیں مقتل سے جو پیدل ہے چلا　　دھجیاں پاؤں میں باندھے ہے وہ ناتوانوں کا پالا
ان کی مظلومی پہ بیتاب حرم روتے ہیں
دیدۂ حلقۂ زنجیر لہو روتے ہیں

پیچھے بیمار کے ہے قافلۂ اہلِ حرم　　چپ ہیں تصویر سے گویا کسی میں نہیں دم
دخترِ فاطمۂ زہرا کا عجب ہے عالم　　تھرتھری جسم میں ہے اٹھ نہیں سکتے ہیں قدم
سر کے قربانی ہیں کس گوشے میں بیٹھے زینبؑ
ہاتھ کھل جائیں تو منہ اپنا چھپائے زینبؑ

کبھی سجاد سے کہتی ہیں بہ آہ و زاری　　مجھ کو دربار کی آفت سے بچاؤ واری
کہ کے نالے یہ بیاں کرتا ہے وہ فریادی　　صبر فرمائیے ماں جو مرضیِ جنابِ باری

غم نہ کچھ مرتبۂ آلِ عبا ہووے گا
عاصیوں کا اسی پردے میں بھلا ہووے گا

گردنیں باندھ اسیروں کی ہیں اک ایک رسن — جس طرح ہوتے ہیں گلدستے میں گلہائے چمن
رشتہ داران حسینؑ سب ہیں گرفتار محن — شرم کے مارے ہوئی جاتی ہے اک غضب کی جلن
دم بدم سانس بھی سر پیٹتی ہے ساتھ ہی کے
ابھی گلگوں نہ کھلا تھا کہ بندھے ہاتھ ہی کے

ہے اسی رسی میں ننھا سا سکینہ کا گلو — دم گھٹا جاتا ہے آنکھوں سے رواں ہیں آنسو
چاک کرتے کا گریباں ہے پریشاں ہیں گیسو — سوجے تو گال ہیں کانوں سے ٹپکتا ہے لہو
آہ ہر گام پہ سینے سے نکل جاتی ہے
جب گھرکتے ہیں ستمگر تو دہل جاتی ہے

ماں سے کرتی تھی اشارہ وہ گرفتار ستم — رسی کھلوا دو نہیں گھٹ کے نکل جائے گا دم
رو کے وہ کہتی تھی مجبور ہوں میں کشتۂ غم — ہائے بچی تری قسمت میں تھا یہ درد و الم
صدقے اماں یہ گرہ عقدہ کشا کھولے گا
بی بی اس عقدۂ مشکل کو خدا کھولے گا

ماں سے رو رو کے وہ ناداں یہ کرتی تھی بیاں — کس کا دربار ہے اس حال سے جاتی ہوں کہاں
یہ تو کہہ دو کہیں بابا بھی ملیں گے اماں — کئی دن گزرے ہیں وہ ہیں مری آنکھوں سے نہاں
بھول جائے گا یہ سب دکھ جو انہیں پاؤں گی
دوڑ کر چاند سی چھاتی سے لپٹ جاؤں گی

کہیں دربار میں اماں وہ اگر مجھ کو ملے — دیکھنا کرتی ہوں کیسے شہِ والا سے گلے
وہ خبر لیویں نہ گردن مری رسی سے چھلے — اس کو یوں بھولتے ہیں باپ کہ بچہ ہو بھلے
دم بہ کیا کونسی تقصیر پہ منہ موڑا ہے
سیلیاں کھانے کو اعدا میں مجھے چھوڑا ہے

کان زخمی ہوئے اور دل نہ خبردار ہوئے پیار
خوب جھڑکے مجھے بابا کی محبت کے نثار

رن میں چھاتی سے لگاتے تھے مجھے سو سو بار
مجھ پہ یہ ظلم ہیں آیا نہیں کس طرح قرار

منہ دکھاتے نہیں شفقت سے بلانا کیسا
خواب میں آئے نہ چھاتی سے لگانا کیسا

رو رہے تھے سن کے سکینہ کا بیاں سارے اسیر
ہر قدم پر تھا یہی شور کہ ہے ہے شبیر

اس طرف ہوتی تھی آرائش دربار شریر
تخت پر آپ تھا اور کرسیوں پر سارے امیر

اک طرف طشت کے سب زیر ردا رکھا تھا
اور سر فاطمہ کے لال کا سر رکھا تھا

نذریں با قرب ہے لیے آتے تھے سب درباری
پڑھتے تھے تہنیت فتح کو درباری

جمع دربار میں تھی شہر کی خلقت ساری
یاں تو تھا جشن کا غل اور ادھر تھی زاری

اس طرف سے تو دف و نے کی صدا آتی تھی
اور اس سمت سے ہے ہے کی صدا آتی تھی

دم بدم تخت سے اٹھ اٹھ کے یہ کہتا تھا شریر
قیدی کیوں جلد نہیں آتے ہیں کیا ہے تاخیر

بڑھ کے کہتے تھے خبردار یہ اس دم تو شریر
ضعف سے پاؤں کو تھم تھم کے اٹھاتے ہیں اسیر

ڈر سے وحشت کے سر ان کا جھکا جاتا ہے
ہر قدم ایک ضعیفہ کو غش آ جاتا ہے

علاوہ کونسی عورت ہے وہ مجبور ستم
وارثی کی اس شاہ کی ہمشیر تشنہ و غم

باپ جس کا ہے وہ مشکل کشا پشت پناہ عالم
جس کی ماں فاطمہ ہے فخر جناب مریم

ہے جو سلطان عرب اس کی نواسی ہے وہ
کلمہ گو جس کے ہیں سب اس کی نواسی ہے وہ

ہے وہی حضرت جعفر کی بہو سینہ فگار
وہی زینب ہے جو شبیر کی تھی غمخوار

لاش جس پر یہی ماں تڑپ کے گری تھی کئی بار
بعد مرنے کے بھی ہے بھائی بہن میں یہی پیار

قافلہ یوں تو سبھی شام و سحر روتا ہے
پر وہ روتی ہے تو شبیرؑ کا سر روتا ہے

بولا وہ کیا ہے بھلا اسیروں کے نہ آنے کا سبب — عرض کی ایک ہی رسی میں بندھے آتے ہیں سب
خاک پر گرتی ہے جب بنتِ شہنشاہِ عرب — شور ہوتا ہے اسیروں میں کہ ہے ہے زینبؑ

ہوش میں اُن کے بھائی کو وہ جب روتی ہے
دیر تک قیدیوں میں سینہ زنی ہوتی ہے

انھیں رانڈوں میں ہے اک دخترِ فرزندِ نبیؐ — خوگرِ سینۂ دلبندِ رسولِ عربی
آفتِ فاقہ کشی ہے بے پدری تشنہ لبی — دم بدم لب پہ ہے یہ آہ ابی ہائے ابی

چھاتیاں پیٹتی ہیں اس درد سے وہ روتی ہے
شمر جب آنکھ دکھاتا ہے تو چپ ہوتی ہے

ذکر یہ تھا کہ وہ قیدی سرِ دربار آئے — سب پکارے کہ وہ ماں کے گنہگار آئے
آگے روتے ہوئے سجادِ دل افگار آئے — پیچھے سر کھولے ہوئے عترتِ اطہار آئے

صاف خورشید کی شکلیں جو نظر آتی ہیں
آنکھیں سب ظالموں کی بند ہوئی جاتی ہیں

گو کہ اس روز تھیں سیدانیاں کھولے ہوئے بال — منہ چھپانے کو کسی پاس نہ تھا اک رومال
بیٹیوں کا اسد اللہ کی اللہ رے جلال — آنکھ اٹھا کر کوئی دیکھے یہ کسی کی تھی مجال!

جلوۂ روشنیِ طور نظر آتا ہے
کچھ نہ آنکھوں کو بجز نور نظر آتا ہے

پردۂ چشم سے باہر نہ نکلتی تھی نظر — ایک سے پوچھتا ایک یہ قیدی ہیں کدھر
بیٹیاں فاطمہ زہراؑ کی جو تھیں ننگے سر — دستِ حیدرؑ تھا تماشائیوں کی آنکھوں پہ

تھا جو منظورِ خدا آلِ عبا کا پردہ
فاطمہؑ روکتی تھیں اپنی ردا کا پردہ

کہا ظالم نے کہ ہاں قیدیاں کو لاؤ قریب　　حکم یہ سنتے ہی وہ اٹھ گئے دو چار نقیب
شرم کے مارے ہوا بیبیوں کا حال عجیب　　اپنا سر پیٹ کے بانو نے کہا وائے نصیب
کھینچ کر سب کو ستمگار ہوئے جاتے تھے
حضرت زینبؑ و کلثومؑ کو غش آنے لگے

تخت کے سامنے روتے ہوئے جب آئے جو اسیر　　دیکھ کر سید سجادؑ کو بولا وہ شریر
سرکشی کر کے نہ سر پر ہوئے حضرت شبیرؑ　　شکر کرتا ہوں کہ خالق نے کیا تم کو حقیر
بیٹھے لاکھیں و نسب میں سہارا نہ رہا
پنجتن اٹھ گئے اب زور تمہارا نہ رہا

ہاں کہو آج حمایت کو پیمبرؐ ہیں کہاں　　کیا ہوئے ابن علیؑ حیدرؑ صفدر ہیں کہاں
قید میں ان کی بہو آئی ہے شبیرؑ ہیں کہاں　　ننگے سر زینبؑ دلگیر ہے سرور ہیں کہاں
ذبح خنجر سے ہوا جو وہ پدر کس کا ہے
اک ذرا غور سے دیکھو تو یہ سر کس کا ہے

کس کے ناموس لٹے کس کا ہوا گھر تاراج　　کون بے سر ہوا کون اب ہوا صاحب تاج
ایک چادر کے لیے کس کی بہن ہے محتاج　　کون گرفتار ہے کون زبردست ہے آج
خلق میں کس کے لیے مرتبۂ عالی ہے
کس کا اقبال ہے اور کس کی بداقبالی ہے

نور دیدۂ بانوئے شبیرؑ کو مارا کس نے　　جنگ میں اکبرؑ دلگیر کو مارا کس نے
تیر سے اصغرؑ بے شیر کو مارا کس نے　　شاہ سے صاحب شمشیر کو مارا کس نے
لو بچے سر جو تھے سلطان حجازی نہ بچے
جن کی تلوار کا شہرہ تھا وہ غازی نہ بچے

سن کے یہ آگیا بنت شہ مرداں کو جلال　　تھرتھرا کر کہا کیا بکتا ہے او بد اقبال
صاحب عزت و توقیر محمدؐ کی ہے آل　　کبھی ہم لوگوں کی عزت پہ نہ آئے گا زوال

ہم کو بے قدر جو سمجھا تو خطا کرتا ہے
دیکھ مصحف میں خدا کس کی ثنا کرتا ہے

ہاں بہت آپ نے تعلیم کسے آیا ہے   دوست اپنا کسے اللہ نے فرمایا ہے
ہل اتیٰ کس کے لیے سورہ میں لایا ہے   کس نے معراج کا دنیا میں شرف پایا ہے

قرب ایسا کسے اللہ کی درگاہ میں ہے
فرق قوسین کا کس میں اور اللہ میں ہے

مدد اپنا کسے اللہ نے ارشاد کیا   مار کر لشکر کو کس شیر نے برباد کیا
حق نے قرآں کے سورے میں کسے یاد کیا   کس کو اکملت لکم دینکم ارشاد کیا

کس سے ہر جنگ میں عاجز صفِ کفار آئی
بدر میں کس کے لیے عرش سے تلوار آئی

آلِ احمد کو حقارت سے نہ دیکھو او مغرور   سب پہ روشن ہے کہ ہم لوگ ہیں اللہ کے نور
مادرِ سبطِ پیمبر کا ہے نخوت پہ غرور   خیر ہم صبر تو کرتے ہیں نہ محشر ہے دور

حق کا دریائے غضب جوش میں جب آئے گا
باندھنا ہاتھ کا سادات کے کھل جائے گا

فخر کیوں کرتے ہو اس پہ ہے فخر کی جا   تو نے اللہ کے محبوب کا کاٹا ہے گلا
ہو گئے سرخ لہو میں حسنِ سبز قبا   نہ اٹھا داغ ہوئی خیر یہ کیا قتل بجا

آگ دی خیمے کو اور زیور و زر لوٹ لیا
جس کے دربان تھے ملک تو نے وہ گھر لوٹ لیا

تیرے ناموس ہیں پردہ نشیں اور اعلم   بال بکھرائے کھڑے ہیں ترے دربار میں ہم
ہائے بے پردہ ہو بازو میں امام عالم   ہے سکینہ پہ وہ ظلم اور یہ کم سنی پہ ستم

تنگ سر قید میں اک رات کی بیتابی آئی
تجھ کو شادی ہوئی اور ہم پہ تباہی آئی

کیے زینبؑ نے فصاحت سے یہ جس وقت کلام   کانپے سینوں میں جگر بدن ہوئے لرزاں تمام
تخت کے نیچے دھرا تھا جو سرِ پاک امامؑ   متوجہ ہوا شرما کے ادھر حاکمِ شام
اور ان ظلم رسیدوں پہ جفا کرنے لگا
لب تشنۂ شبیرؑ پہ چھڑی دھرنے لگا

کھول کر چوب سے لب ہائے شگفتہ و رطب   کہتا تھا بارہا یاقوت سے بہتر ہیں یہ لب
ٹکڑے دنداں ہیں یہ تاباں کہ خجل ہیں کوکب   پیٹ کر سینے کو زینبؑ نے کہا ہائے غضب
نہ لگا اسے نہ شہ دیں سے حیا کرتا ہے
قطع ہو جائے ترا ہاتھ یہ کیا کرتا ہے

اس چھڑی کو مرے بھائی کے لبوں سے سرکا   بوسے لیتے تھے انہیں جو نبیؐ کے محبوبِ خدا
بھر کے اُمت انہیں ہونٹوں نے دعا کی ہے سدا   انہیں ہاتھوں پہ گھر کر آتی تھی صدقے زہراؑ
تجھ کو پیارے نہیں گر ہم کو تو پیارے ہیں یہ
عرش تک جن کا ہے شہرہ وہ ستارے ہیں یہ

یہ ستم بھائی پہ کن آنکھوں سے دیکھے ہمشیر   ارے ظالم سرِ بے سر کی بھلا کیا تقصیر
یہ چھڑی ہائے غضب اور لبِ پاکِ شبیرؑ   دستِ مجبور ہیں ہوں بنتِ شہِ خیبر گیر
ان کھلے بالوں کو اب ہاتھوں پہ دھرتی ہوں میں
ہے شکایت تری اللہ سے کرتی ہوں میں

کہہ کے یہ غیظ میں آئی جو علیؑ کی جائی   آسماں آ گئے جنبش میں زمیں تھرّائی
سرِ شبیرؑ سے نالہ و صدا یہ آئی   تھامیے غیظ کو زینبؑ ترے صدقے بھائی
دیکھ ظالم پہ کہیں قہرِ الٰہی آ جائے
کہیں اُمت کی نہ کشتی پہ تباہی آ جائے

تم تو آگاہ ہو شبیرؑ نے جو دکھ پائے   پر نہیں حرفِ شکایت کا زباں پہ لائے
سر کو نیزہ پہ اٹھایا جب ذبح کرتا لعیں آئے   ہم نے اُمت کے لیے چھاتی پہ خنجر کھائے

اتنی سی بات پہ مصروفِ بُکا بھائی ہو
تم چھری ہونٹوں پہ دھرنے سے خفا بھائی ہو

برچھیاں کھانے سے کیا اس میں کچھ ایذا ہے بڑی   چپ رہے حق پہ جو تلوار پہ تلوار پڑی
جانے دو رکھی اگر رکھی سرِ ہونٹوں پہ چھری   اے بہن یہ بھی گزر جائے گی آفت کی گھڑی

جب یہ ایسا ہو ہم پہ ستم بے معنی ہوگا
اس کا انصاف تو دربارِ خدا میں ہوگا

سرِ شبیر نے زینب سے جو کی تقریر   آکے غصے میں لگا کانپنے حاکم بے پیر
غصے سے بولا کہ بس اس کی یہی ہے تعزیر   سب کو لے جائے گا کر کے گلے میں زنجیر

بس انیس اب جگر و قلب پھٹا جاتا ہے
حالِ زنداں کا نہیں منہ سے کہا جاتا ہے

مرثیہ (۱۹)

زندان شام میں اہل بیت کی پہلی رات

جب قیدیوں کو خانۂ زنداں میں شب ہوئی بچوں کی مارے خوف کے حالت عجب ہوئی
گھٹ گھٹ کے دخترِ شہِ دیں جاں بلب ہوئی مضطر کمال بنتِ امیرِ عرب ہوئی
آفت کا سامنا تھا نئی واردات تھی
زہراؑ کی بیٹیوں پہ قیامت کی رات تھی

جیسے ببول کی قید وہ وارثوں کے داغ بے رنگ تھا کہ جیسے خزاں دیدہ ہو باغ
مدفن سے اہل بیت کو اک دم نہ تھا فراغ بے چاندنی نہ شمع نہ مشعل نہ واں چراغ
غل تھا کہ ایسے گھر میں نبیؐ جہاں میں ہیں
ثابت نہیں کہ قبر میں ہیں یا مکاں میں ہیں

یوں وہ شکستہ حال تڑپتے تھے ہر نفس دشوار جیسے صید پہ ہو تنگیٔ قفس
جانوں کی تھی بدن سے نکل جانے کی ہوس بازو بندھے ہوئے تھے نہ تھا کچھ کسی کا بس
دل چھاتیوں میں صورتِ بسمل تڑپتے تھے
زنداں کے در پہ جا کے سروں کو پٹکتے تھے

اس گھر میں اہل بیتِ محمدؐ ہوئے تھے بند جس کو کبھی کسی نے کیا پسند
تنگی سے ایک ایک کو تکلیف تھی دو چند تھوڑی سی جا مگر کہیں پست اور کہیں بلند
وہ بیبیاں اسیر تھیں اس قصرِ زشت میں
ہیں جن کی لونڈیوں کے لیے گلگشت میں

زنداں میں جب کہ آلِ پیمبرؐ ہوئے اسیر کونین کے امیر کھلے سر ہوئے اسیر
سب رشتہ دارِ احمدؐ و حیدرؑ ہوئے اسیر وحشت سرا میں عرش کے گوہر ہوئے اسیر

ظلمت سرائے گور تھی زنداں کا گھر نہ تھا
حجرے یہ تنگ تھے کہ ہوا کا گزر نہ تھا

بستی وہ فاطمہؑ کی کہاں اور وہ گھر اجاڑ
جانوں پہ تھی بنی ہوئی قسمت کا تھا بگاڑ
کیا دل کھلیں کہ شام سے جب بند ہوں کواڑ
دیواریں تھیں بلند کہ چھاتی پہ تھے پہاڑ
گھبرا کے چھت کو بیبیاں ہر بار تکتی تھیں
ڈسنے مکاں کی رات کو کڑیاں کڑکتی تھیں

کیسی شکستگی خرابے کا کیا بیاں
ثابت نہ جس میں سقف نہ در اور نہ سائباں
وحشت کا گھر ہراس کی جا خوف کا مکاں
وہ شب کہ الحذر وہ حرارت کہ الاماں
گھر تھا اجل کا خانۂ رنج و بلا نہ تھا
برسوں سے واں چراغ کسی شب جلا نہ تھا

وہ تیرگی کہ ہو شب ظلمات اس سے دنگ
ہر در بسانِ حجرۂ چشمِ بخیل تنگ
تھا واں کی صبح و شام سواد دیار زنگ
دیوار و سقف و بام و زمیں سب سیاہ رنگ
دیکھے کسی کی شکل کوئی یہ محال تھا
روزن بھی تھا کوئی تو وہ چشمِ غزال تھا

شب کا تو ذکر کیا ہے کہ لگتا تھا دن کو ڈر
ظاہر تھے جا بجا حشراتِ زمیں کے گھر
تھے وقف آشیانِ ابابیل سقف و در
نکلا وہ مر کے قید ہوا اس میں جو بشر
قید اس میں تھے حرم شہِ گردوں مقام کے
کیا صبح ان کی تھی نہ خبر تھی کہ شام کے

گرمی کی فصل اور ہوا کا وہ احتباس
وہ تنگی اس مکان کی اور قید کا ہراس
اندوہ کا وفور دلوں پر ہجوم یاس
مائیں جو تھکتی ہیں تو بچے تھے بے حواس
دیواریں بھی شکستہ تھیں در بھی ہلے ہوئے
جانیں بھی غم سے تنگ تھیں دل بھی بجھے ہوئے

ہر دم زمیں پہ واں کی نکلتا تھا یوں بخار — جیسے دھواں تنور سے اٹھتا ہے بار بار
گرمی سے یوں زمیں پہ تڑپتے تھے سوگوار — جس طرح سے سپند ہو آتش پہ بے قرار

جل جل کے آسماں کو بحسرت تکتے تھے
کپڑے جلائے سر کو اپنے پٹکتے تھے

جو بچ گئی تھی واں کی سقف ہر دم سروں پہ خاک — تھے گرد سے بھرے ہوئے زلف و جسمِ پاک
بھاگی تھی روشنی میں یہ بھرے تھے جو رنگ — کھنچتے تھے اب مکاں پہ گرداب ہوئے ہلاک

قسمت میں ہے کہ قبر اسی جا نصیب ہو
اچھا تو ہے جو خاک کا پردہ نصیب ہو

یک ایک سے یہ کہتی تھی زینب جگر فگار — لاتے نہ اس مکان کو تھے ہم گناہ گار
مجبور ہیں غریب ہیں کیا ان کا اختیار — سایہ تو ہے سروں پہ کرو شکر کردگار

ہے جلتے گر یہ حال ستمِ مشرقین پر
کیا گزری ہو گی دھوپ میں لاشِ حسینؑ پر

ملت گروں نے لوٹ لیا کہنہ پیرہن — وہ جسمِ گرم اور وہ عریانیٔ بدن
بے بے وہ سب پہاڑی اور کربلا کا بن — کس طرح جائے بھائی تلک کیا کرے بہن

پیاسے گلا کٹا کے مرے جس کی راہ میں
سونپی ہے میں نے لاش اسی کی پناہ میں

دل میں یہ ہے کہ کل کوئی کھولے جو گھر — مقتل کو ڈھونڈتی ہوئی جاؤں برہنہ سر
کل میں جب تو پھر حسینؑ وہ کار زار پر — رستے میں پوچھ لوں گی کہ ہے کربلا کدھر

ممکن ہے یہ کہ لاش کو زینب نہ پائے گی!
بھائی کے خوں کی بو بھی لاشوں سے آئے گی

کہنے لگی یہ اماں سے سکینہ جگر فگار — لینے چلو مجھے بھی پھوپھی تم پہ میں نثار
جب کہ چلی گئیں آہ میں سوتوں کی زار زار — تم نے بھی کیا بھلا دیا دل سے ہمارا پیارا

مر جاؤں گی اگر نہ پدر سے ملاؤ گی
کیا اس اندھیرے گھر میں مجھے چھوڑ جاؤ گی

رو کر تب اس یتیم سے زینبؓ نے یہ کہا   واری کہاں میں اور کہاں دشتِ کربلا
بے کس اسیرِ دامِ بلا و ستم کی جتلا   قیدی کو کون جانے کی دے گا بھلا رضا
بھائی کی لاش پاس اگر رہنے پاتی میں
زنداں میں قید ہونے کو کاہے کو آتی میں

ہے دشتِ کربلا تو کئی دن کی یاں سے راہ   ایسے کہاں نصیب کہ حاصل ہو وصلِ شاہ
گھر میں یزید کے ہے سرِ شاہِ دیں پناہ   ہم قید اس مکاں میں ہیں بے جرم بے گناہ
ہم سا کوئی جہاں میں دل آفت نصیب ہو
ممکن نہیں کہ سر کی زیارت نصیب ہو

یہ تفرقہ بھی ہوتا ہے کم زیرِ آسماں   ہے ایک شہر پاتے ہیں لیکن الگ مکاں
ہم ہیں کہیں کہیں ہے سرِ شاہِ انس و جاں   غم کس کے آگے اپنی مصیبت کریں بیاں
بے بس ہیں رشتہ دار خدیوِ ذوالفقار کے
حاکم کے ڈر سے رو نہیں سکتے پکار کے

کہنے لگی یہ سن کے سکینہؓ بچشمِ تر   ہے ہے پھوپھی نہ آئیں گے کیا اب مرے پدر
حاکم کے گھر میں قید ہیں سلطانِ بحر و بر   اب مجھ کو نیند کاہے کو آئے گی رات بھر
کیا کہتی ہو خفا وہ خوش انجام آئیں گے
امی تو کہتی تھیں کہ سرِ شام آئیں گے

یہ ذکر تھا ابھی کہ ہوئی بند قفلِ در   زنداں میں اور ہو گئی ظلمت زیادہ تر
گھبرا کے دیکھنے لگیں رانڈیں اِدھر اُدھر   جز تیرگی کسی کو نہ آتا تھا کچھ نظر
تڑپے یہ دل کہ سینے میں سانسیں اکھڑ گئیں
ماؤں سے بچے بچوں سے مائیں بچھڑ گئیں

نظروں سے صورتیں ہوئیں جو بیک بیک نہاں　　ہاتھوں سے ڈھونڈنے لگیں پگلی کو بیبیاں
چلائی بے حواسی میں بانوئے خستہ جاں　　دیکھو تو بیبیو کہ ہے اصغر مرا کہاں
دل پر سکینہؑ جان کے صدمے گزر نہ جائیں
بچے مرے دہل کے اندھیرے میں ڈر نہ جائیں

چوتھا تھا کہیں ابھی یاں میرا نونہال　　بچے کا میرے تھا جو رکھیو ذرا خیال
کہنے لگی یہ زینبؑ بے کس بصد ملال　　کس کی تلاش میں ہو کہاں ہے تمہارا لال
ملتا نہیں ہے پھر جسے ہاتھوں سے کھوتے ہیں
تم جن کو ڈھونڈتی ہو وہ مقتل میں سوتے ہیں

چھاتی کو پیٹ کر یہ پکاری وہ سوگوار　　وہ جانتی تھی میں کہ یہیں ہے وہ گلعذار
بے دودھ مجھ سے ہائے مرا طفل شیرخوار　　اصغر تمہارے ننھے سے لاشے کے میں نثار
اے لال دامن شہ ذی شاں میں سوتے ہو
ماں سے بچھڑ کے باپ کے پہلو میں سوتے ہو

بانو کے اس بیاں پہ بلکتے تھے سب حرم　　باقر پکارتے تھے کہ کیونکر جئیں گے ہم
چلاتی تھی سکینہؑ کہ گھٹتا ہے میرا دم　　زنداں کا در بھی ہو گیا مسدود ہے ستم
کھولے گا قفل کون جو عباس آئیں گے
وہ اب پدر کدھر مرے پاس آئیں گے

گھبرا کے سر اندھیرے میں چلائیں گے اسیر　　اب روشنی کہاں سے بھلا لائیں گے اسیر
گرمی کے مارے اور بھی گھبرائیں گے اسیر　　سچ ہے یہ کیا غضب ہوا مر جائیں گے اسیر
دربانوں کو پکارو پیمبر کے واسطے
کھلوا دو قفل فاتح خیبر کے واسطے

زنداں کا در کدھر ہے مجھے لے چلو شتاب　　دربانوں سے کہوں گی میں با دیدۂ پر آب
دادا مرا ہے شہر علوم نبی کا باب　　مجھ پر کرو گے رحم تو ہوگا تمہیں ثواب

پھر کل سے قیدیوں کو نظر بند کیجیو
آ میرے بابا جان تو مدد جلد کیجیو

بولا جب کوئی تو بڑھا حشم زیادہ تر — دیوار پکڑ کے پہنچی وہ قریب در
پٹ کو ہلا ہلا کے پکاری وہ نوحہ گر — دربان تو جاگتے ہو کہ سوتے ہو بے خبر

بے کس ہوں تشنہ لب ہوں فلک کی ستائی ہوں
کچھ تم سے اپنا حال میں کہنے کو آئی ہوں

بولا کوئی کہ کون ہے تو اے نحیف و زار — دل ہوگیا ہے تیری صدا سن کے بے قرار
اک آہ سرد بھر کے یہ بولی وہ دلفگار — آفت زدہ اسیر و پریشان و سوگوار

چھوٹے سے سن میں قیدیِ زندانِ شام ہوں
میں دخترِ حسین علیہ السلام ہوں

پوتی ہوں اس کی جو کہ ہے کل کا امیر — شیرِ الٰہ بادشہِ آسماں سریر
ایسا کریم تھا وہ وہ عالم کا دستگیر — جس نے ہزاروں قید سے چھڑوائے ہیں اسیر

شہرت جہاں میں حضرتِ مشکل کشا کی ہے
ہم آج ہیں اسیر یہ قدرت خدا کی ہے

کہتی نہیں میں یہ کہ کرو قید سے رہا — چھٹ جائیں گے کبھی کہ اسیروں کا ہے خدا
کھانے کی کچھ طلب ہے نہ پانی کی التجا — ہاں قفل کھول دو گے تو دوں گی تمہیں دعا

جائیں گے ہم کہاں کہ تمہارے حوالے ہیں
بابا حسین آج کی شب آنے والے ہیں

بولے نگہباں ترا دھیان ہے کدھر — جا ماں کے پاس بیٹھ کہاں تو کہاں پدر
بے صبح کے ہوئے نہیں کھلنے کا قفل در — کیا شمر کے سپاہیوں کا تجھ کو نہیں ہے ڈر

دن کو بھی روتی رہتی ہے شب کو بھی روتی ہے
نے ہم کو سونے دیتی ہے نے آپ سوتی ہے

یہ بات سُن کے سہم گئی وہ جگر فگار — دروازے سے سرک کے لگی رونے زار زار
دالان سے پکاری یہ بانوئے نامدار — بی بی کدھر گئیں ادھر آؤ یہ ماں نثار

کوڑے لگا ان صدمے کے چلاتی پھرتی ہو
واری کہاں اندھیرے میں گھبراتی پھرتی ہو

بولی سکینہ جان رہے تن میں یا کہ جائے — بیٹھی تھی جب تلک کہ سواری چلی گئے
بے جرم کان زخمی ہوئے اور طمانچے کھائے — جو چاہے مجھ فلک کی ستائی کو پھر ستائے

ماں کیا ہے یاں دیکھ کے آنسو بہاؤں میں
اچھا مجھے پدر سے ملا دو تو آؤں میں

یہ آئی ماں گلے سے لگا کر بچشم تر — چپ ہو کے بیٹھی گود میں ماں کی وہ نوحہ گر
بیٹھی اسیر بیبیاں سب گرد آن کر — ہاتھوں سے کوئی پاؤں دباتی تھی کوئی سر

ماں لیتی تھی بلائیں پھوپھی صدقے جاتی تھی
بابا بغیر نیند اسے لیکن نہ آتی تھی

کہتی تھی ایک ایک سے رو رو کے وہ ماہ رو — تھی شہ کے ساتھ شام سے سونے کی مجھ کو خو
کیا نیند آئے ضرب سے جگر ہو گیا لہو — سینہ کہاں وہ چاند سا اماں کہاں وہ بو

تھوڑا ستم سہا ہے بچھڑ کر حسین سے
سوؤں گی اب تو قبر میں جا کر میں چین سے

مرثیہ (۲۰):

ہند زوجۂ یزید کا قید خانے میں آ کر اسیرانِ اہل بیت کی حالتِ زار پر اشکبار ہونا

زنداں میں مضطرب تھے اسیرانِ زار گر — وہ ہولناک شب وہ اندھیرا کہ الحذر
بیٹھی تھیں فرشِ خاک پہ رانڈیں برہنہ سر — بدلی تھیں سب لٹوں کی جگہ کی بجا پہر
فاقوں میں قیدیوں نے ادھر شکر رب کیا
اور اس طرف یزید نے خاصہ طلب کیا

جلدی محل سرا میں روانہ ہوا طعام — خاصہ چُنا غلاموں نے بازینتِ تمام
یاں ہند کو بلاؤ یہ بولا امیرِ شام — تب اک کنیزِ خاص نے اس سے کیا کلام
خاصہ نہ دن کو نوش کیا ہے نہ سوئی ہے
بی بی سحر سے آج کئی بار روئی ہے

لیٹی رہی ہیں منہ کو لپیٹے بصد ملال — چہرہ ہے زرد شدت سے آنکھیں ہوئیں لال
کنگھی نہ سر میں کی ہے نہ سُرمے کا ہے خیال — کھولے ہیں بال گرد ہیں نہیں کھلتا کسی پہ حال
حمام نے کیا ہے نہ کپڑے بدلتی ہیں
مسند کے بدلے وہ کفِ افسوس ملتی ہیں

گہنا اتار ڈالا ہے یوں جی میں آئی ہے — بے وجہ سوگواروں کی صورت بنائی ہے
تکیہ ہے تر یہ اشکوں کی ندی بہائی ہے — مسند پہ بیٹھنے کی قسم کل سے کھائی ہے
یہ حال رنج و غم سے ہے اس باتمیز کی
جیسے سناؤنی آئے کسی کے عزیز کی

بولا خبر یہ سنتے ہی وہ بانیٔ ستم — جا کر کہو کہ دیر سے یاں منتظر ہیں ہم
روتی ہیں یہ غمِ حسین کے ناحق کئی بہم — ناچار ہند آن کے بیٹھی بچشمِ نم

ہرگز یزید کی تو نہ جانب نگاہ کی
دیکھا طعام گرم تو اک سرد آہ کی

پوچھا یزید نے کہ ہے کیا بدمزہ مزاج! بولا یہ حشمہ جلتا ہے اس دل میں حسد آج
ہے ظلم اور ستم کا ترے عہد میں رواج اپنے جگر کے زخم کا میں کیا کروں علاج

مجھ کو تو صدمہ ہے مجھے صدمے گزرتے ہیں
یہ کون ہیں جو ماتوں کو فریاد کرتے ہیں

بتلا یہ سب اسیر مسلماں ہیں یا نہیں قوم ان کی کیا ہے صاحب ایماں ہیں یا نہیں
محبوب کبریا کے ثناخواں ہیں یا نہیں آیا یہ لوگ قائل قرآں ہیں یا نہیں

سنتی ہوں بے کسی ان سے نہ ہوں گے زمانے میں
یہ کس خطا پہ بند ہوئے قید خانے میں

ہیں کیا یہ لوگ منکر پیغمبر الٰہ شاید نہیں رسول کے گھرانے سے ان کو راہ
کھولوں تو سب کے باندھے ہیں کیوں رسن ہے آہ کاٹا ہے کس کا سر کے اتارا ہے بے گناہ

کیا ربط وہ علم جو پنجتن سے ہے
کیا دشمنی کچھ ان کو حسین و حسن سے ہے

راتوں کو جاگتے ہیں تو میں جاگتی ہوں کب ہر دم وہ حق پرست ہیں قیدی یہ سب کے سب
میں سن چکی ہوں آپ مولائے نماز شب ماؤں میں بھی دعا کرتے ہیں تا صبح شکر رب

گریہ سے اکثر بچوں میں دم ان کے رکتے ہیں
ماؤں کے ساتھ بچے بھی سجدے میں جھکتے ہیں

قیدی ہیں پر قضا کبھی ہوتی نہیں نماز سکتے ہیں پانچوں وقت زمیں پر سر نیاز
آواز میں سنا نہیں یہ سوز جگر گداز سجدے میں حق سے کہتے ہیں کچھ اپنے دل کا راز

مجھ سے تو ان کی عبادت طاعت گزاری ہے
آنکھوں سے پیہم درود زبانوں پہ جاری ہے

قیدی ہے جب ظاہر کوئی بیمار و ناتواں
معلوم کچھ نہیں کہ وہ لڑکا ہے یا جواں
آواز اک ضعیف سی آتی ہے ہر زماں
کیسا کراہتا ہے کہ تھرّاتا ہے وہ نیم جاں
یہ درد ہے صدا میں کہ دل ٹکڑے ہوتے ہیں
رونے پہ اس کے لوگ محلے کے روتے ہیں

کرتا ہے جب تلاوتِ قرآں وہ حق کا نور
ہوتا ہے لحنِ حضرت داؤدؑ کا ظہور
رشتہ کچھ اس کا مصحفِ ناطق سے ہے ضرور
قرآں کے حرف حرف کے معنی پہ ہے عبور
تقریر کیا فصیح ہے کیا دلکش بیان ہے
گویا زبان اس کی خدا کی زبان ہے

دن بھر تو اس کو رہتا ہے غش اور درد سر
کرتا ہے نصف شب سے مناجات تا سحر
واللہ کیا دعاؤں کے فقروں میں ہے اثر
بہ جائے آب ہو کے جو پتھر کا ہو جگر
شاید کوئی عزیزِ شہِ مشرقین ہے
صوتِ حزیں میں لحنِ صدائے حسینؑ ہے

کہتے ہیں صبر و شکر لیے اللہ رے حوصلہ
شکوہ نہ طوق کا ہے نہ زنجیر کا گلا
جاری ہے صبح و شام عبادت کا سلسلہ
ہر دم رواں ہے چشم سے اشکوں کا قافلہ
گردن جھکی ہوئی ہے خدا پہ نگاہ ہے
لب پر کبھی تو آہ کبھی لا الٰہ ہے

سنتی ہوں ننھے بچے بھی دو چار ہیں اسیر
لڑکی بھی کوئی قید ہے رشکِ مہِ منیر
رونے سے اس کے لگتے ہیں سینہ و جگر پہ تیر
کیا قہر ہے یہ ظلم غضب بچوں پہ اے امیر
دکھ دے کسی کو یہ نہیں عادت کریم کی
قرآں میں حق نے کی ہے ملامت لئیم کی

اے سست رائے قلب کو اتنا بھی کر نہ سخت
عقبیٰ میں رو سیاہ ہوا اور سیاہ بخت
رہتے ہیں سر جھکائے ہوئے بار ور درخت
ڈر ہے مجھے کہیں نہ الٹ جائے تیرا تخت

حاکم کو خوف چاہیے قہرِ الٰہ سے
اکثر گری ہے برق یتیموں کی آہ سے
کرتے ہیں لطف و رحم فقیروں پہ اغنیا — عقبیٰ میں کام آتا ہے یاں کا لیا دیا
خالق نے اپنے ملک کا حاکم تجھے کیا — جز نام نیک کون جہاں میں سدا جیا
زنداں میں قیدیوں کا بہت حال غیر ہے
کچھ خیر کر کہ خیر سے عقبیٰ بخیر ہے
قاروں کا گنج اور ستم ایجاد کیا ہوا — نمرود کس طرف گیا شداد کیا ہوا
حجاج سے شریر بانیِ بیداد کیا ہوا — فرعون بد نہاد سا جلاد کیا ہوا
وہ قبر میں ہیں آج جو کل تھے رواق میں
ڈھونڈو تو خاک بھی نہیں کسریٰ کے طاق میں
گرمی کی فصل اور یہ مکان تنگ باتے ہائے — اب رحم کر کہ کوئی معصوم مر نہ جائے
فاقے سے جاں بلب ہیں وہ قیدی اور غم کھائے — پانی تو پیاس میں کوئی جا کر نہیں پلائے
دل سے بھلا نہ وعدۂ روزِ نخست کو
بیمار کو دوا نہ غذا تندرست کو
کھانے کو ہیں نہ ہاتھ لگاؤں کی کیسی بھوک — اٹھتی ہے بار بار کلیجے میں میرے ہوک
ان کے بغیر مجھ کو یہ کھانا ہے مثلِ خوک — بے بیکسوں پہ ظلم غریبوں سے یہ سلوک
خوش ہو گا حق دلوں کو یتیموں کے شاد کر
کیا رسم تھا کرم کو محمد کے یاد کر
کافر کے گھر کو بھی کبھی لوٹا نہ بعدِ جنگ — چادر گلے میں ڈال کے کھینچا بھی تھے پہ تنگ
جو ہاتھ آیا دے دیا سائل کو بے درنگ — حسرت پڑی کہ فاقوں میں باندھا شکم پہ سنگ
اس بادشاہِ دیں کو نہ کچھ فکر اور تھی
ماندوں کی پرورش تھی یتیموں کی فکر تھی

تھا حال فاطمہؑ بھی حسنؑ تھے والقیاس صرف وہ کریم تھا جو کچھ تھا ان کے پاس
دنیا میں تھی اگر تو نہیں اک فدک کی آس جب چھن گیا تو کرتی تھیں فاقے وہ حق شناس
وہ دن نہ جسم پاک میں پوشاک تک رہی
خود اٹھ گئیں جہاں سے چادر گرو رہی

ہے آج تک جہاں میں علیؑ کے کرم کا شور ہر ایک کی زبان پہ ہے نقش فقیر کد
تھا بانٹنے رسولؐ میں دستِ خدا کا زور پہ واہ رے کرم وہ گوارا تھا رنج و کد
کی اس نے کچھ زباں سے شکایت تو ڈر گئے
کاندھے پہ رکھ کے مشک خمیدہ کمر گئے

لاوارثوں کے وارث اور یتیموں کے تھے پدر قاتل پہ مرتے مرتے رکھی رحم کی نظر
ہر دم حسینؑ پہ یہ تاکید تھی اے پسر قیدی کے بھی طعام کی رکھیو ذرا خبر
راضی نہ اس کے قتل پہ مشکل کشا ہوئے
مشکیں جو باندھ دیں تو حسنؑ سے خفا ہوئے

خلق حسنؑ ہے معترف خلق مجتبیٰ مبلغ فیض ابر کرم منبع سخا
یادش بخیر ذکر کروں کیا حسینؑ کا آفت کو [illegible] سلامت [illegible]
دونوں جہاں میں کیا برکت ایک دم سے ہے
قائم جو ہے زمیں تو انہیں کے قدم سے ہے

تھی ان میں بھی فیض صحبت مولا سے بہرہ ور پیدا کیا ہے حق نے عجب طرح کا بشر
بیٹھے نبی ہیں جن کے کاندھوں پہ جلوہ گر لے کر اناج جاتے تھے خود بیکسوں کے گھر
غم ہے کہ بے سروں کا شہرہ مشرقین میں
ہیں جمع کس قدر صفات ایک حسینؑ میں

وسواس کا مقام زہد کی ہے یہ عجب روتے ہیں تمام سے سیکھو یہ تیری حسینؑ کا
پھرتا نہ جبکہ گرد کرتی ہوتا جو وہ سما گر ہے تو اک حسینؑ ہے زہرا کا دلربا

اس نام پاک سے برکت ہے جہان میں
عقدے وہ کھول دیتے ہیں سب ایک آن میں

کی ہند نے یہ درد کی باتیں جو ایک بار — ہر چند سب پہ ستم کی چلی تیغ آبدار
اللہ رے جوش ماتم سلطان نامدار — رویا جھکا کے سر کو یزید لعیں شعار

خنجر غم حسینؑ کا دشمن پہ چل گیا
کیا نام میں اثر ہے کہ پتھر پگھل گیا

رو کر پھر اس سے کہنے لگی ہند خوش سیر — ہوں بے قرار صورت بسمل میں نوحہ گر
گر کہہ تو دیکھ آؤں انہیں جا کے اک نظر — شاید انہیں سے شہ کی میں مقتل سے لوں خبر

ہیں غیر یا عزیز شہ انس و جاں کے ہیں
دریافت تو کروں کہ یہ قیدی کہاں کے ہیں

ناچار ہو کے ہند سے ظالم نے یہ کہا — جا دیکھ آ انہیں مرا انفعال ہے یہی کیا
واں جا کے اور ہووے گا تجھ کو قلق سوا — سنتے ہی یہ کلام اٹھی ہند باوفا

پہلو میں مضطرب تھا دل اس حق پرست کا
اٹھتے ہی جلد حکم دیا بندوبست کا

سب عورتوں کو لے کے چلی جب وہ حق شناس — لئے گھیرے جو کنیزیں تھیں آس پاس
کپڑے یہ کیسے ہیں بدل ڈالیے لباس — اس نے کہا کہ ہے مرے دل پر ہجوم یاس

ایک دم میں سوگواروں کو میں دیکھ آتی ہوں
کیسا لباس کیا کسی شادی پہ جاتی ہوں

نکل محل سرا سے یہ کہہ کر وہ خوش سیر — تھیں ساتھ ساتھ چند خواصیں بھی نوحہ گر
پہنچی جناب حضرت زینبؑ کو یہ خبر — رنگ اڑ گیا یہ کہنے لگیں سر کو پیٹ کر

اپنا نہیں خیال بزرگوں کا پاس ہے
ہے ہے کہاں چھپوں وہ مری روشناس ہے

ہے شرم کی جگہ کہ نہیں ہوں خفا ہیں امام　　غمگیں و سوگوار و پریشان و تشنہ کام
ہم ہیں فقیر ہم میں امیروں کا کیا ہے کام　　ورنہ بتا نہ دیجو کہیں اس کو میرا نام
پوچھے اگر وہ کسی سے کہ زینب کدھر گئی
کہہ دیجو کہ بھائی کے ہمراہ مر گئی

رو کر ہر اک سے بانوئے ناشاد نے کہا　　کیا حاصل اضطراب ہے قسمت کا جو لکھا
ورنہ خدا کے واسطے چپکے رہو ذرا　　رو رو کے سو گئی ہے ابھی میری دلربا
پھر حشر قید خانے میں ہوگا جو روئے گی
جاگی اگر تو صبح تلک پھر نہ سوئے گی

چپ ہو گئے یہ سن کے اسیران نوحہ گر　　جا بیٹھی ایک گوشے میں زینب جھکا کے سر
آئی سواری بنت جفا کم قریب در　　دربان بھی دور ہٹ گئے دروازہ کھول کر
وحشت پہ قید خانے کی جس دم نگاہ کی
ماتھے پہ ہاتھ رکھ کے خواصوں نے آہ کی

دل ہند کا تو دہل گیا تھرا گیا جگر　　بولی ٹھہر کے ڈیوڑھی پہ یہ قبر ہے کہ گھر
دیکھا نہیں مکان کوئی تاریک اس قدر　　پوچھو کوئی کسی سے کہ ہیں بیبیاں کدھر
ایسا بھی ظلم کرتا ہے کوئی جہان میں
بندے خدا کے بند ہیں ایسے مکان میں

بڑھ کر کسی کنیز نے تب یہ کیا بیاں　　بی بی کوئی اسیروں میں زندہ نہیں ہے یاں
چلیے محل میں آپ بھلا جائیں گی کہاں　　قابل نہیں حضور کے جانے کا یہ مکاں
گر غش ہوئے تو آپ میں آیا نہ جائے گا
ہم سے تو اس خرابے میں جایا نہ جائے گا

آزردہ ہو کے کہنے لگی ہند نوحہ گر　　حسرت کا ہے مقام ارے لونڈی خدا سے ڈر
آخر بھلا اسی میں قید ہیں وہ بھی تو ہیں بشر　　تاراج یوں جہاں میں نہ ہووے کسی کا گھر

جانے وہی کلیجے پہ جس کے چھری لگے
ایسی نہ بات کہہ کہ حسینؑ کو بُری لگے

یہ بات کرکے آگے بڑھی وہ بصد الم — اک آفتابِ دیں نظر آیا اسیرِ غم
حلقے گلے میں طوق کا زنجیر میں قدم — بدلی ٹھہرے وہ کہ جو ہے شوکت و حشم
انساں ہے یہ اندھیرے میں یا شمعِ طور ہے
آئی ندائے غیب کہ خالق کا نور ہے

پڑھتی ہوئی درود گئی جب قریب تر — اللہ رے حسن کٹ گئی غیر کی نظر
غل عورتوں میں تھا یہ فرشتہ ہے یا بشر — اُترا ہے آسماں سے خورشید ہے یا قمر
رُتبے میں ہے بزرگ نسب میں جلیل ہے
ثابت ہے ضعف سے کہ نہایت علیل ہے

کوئی بلائیں لے کے یہ کہتی تھی بار بار — اے بیکس و اسیر و بلاکش ترے نثار
ہے ہے گلا یہ چاند سا اور طوق خاردار — یہ گوری گوری پنڈلیاں زنجیر سے فگار
لگتے بزرگ ہیں کے حضرت امیر ہیں
گویا جناب یوسفِ کنعاں اسیر ہیں

بولی کوئی کہ عابد و زاہد ہے یہ جواں — گھٹا جبیں پہ کثرتِ طاعت کا ہے نشاں
ایماں کا نور چہرۂ انور سے ہے عیاں — دیکھا نہیں حیا سے کہ ہیں کون بیبیاں
بر حق شریعتِ قوم پہ کیوں اساس ہے
اشراف کو ہر ایک کی عزت کا پاس ہے

جو غیر کی طرف نہ حیا سے کرے نظر — مل بیٹھیں ایسے شخص کی جلسے میں لا کے سر
بے بہرہ ہووے جس کی طبیعت میں یاں سے خبر — ٹوٹے غضب خدا کا لعینوں کی جان پر
تقویٰ پہ اس کی عفت و عصمت گواہ ہے
قرآں ہم اٹھائیں کہ یہ بے گناہ ہے

باتیں یہ کر کے بی بی روتی تھیں زار زار — سینے میں تھا مگر نہ دل دردمند کو قرار
کہتی تھی دیکھ کر شہ ذی جاہ کو بار بار — کس ملک کا رئیس ہے یارب یہ ذی وقار

آنکھوں میں صاف پھرتی ہے صورت امام کی
تصویر ہے حسین علیہ السلام کی

اکبر دبا کے پاؤں یہ بولے وہ نیک نام — اٹھیے کہ دیر سے ہیں کھڑی اہل بیت سلام
بولے یہ آنکھیں کھول کے مولائے خاص و عام — اس بیکسی و بیم و بلاکش سے کیا ہے کام

اب ہجر میں تلخ ہے لذت حیات کی
طاقت نہ آنکھیں کھولنے کی ہے نہ بات کی

بولا یہ ہند کب سے علالت ہے جی نہ شد — فرمایا ساتویں سے محرم کی ہے بخار
اس نے کہا طبیب کو دکھلاؤ حال زار — فرمایا غیر شافی مطلق ہے کردگار

راضی ہیں اس پہ ہم جو رضائے حبیب ہے
شافی ہے تب اُسی نے جو سب کا طبیب ہے

سچ ہے بجا کہ لطف خدا جانتے ہیں ہم — دکھ میں کراہنے کو گلہ جانتے ہیں ہم
ہر درد جانستاں کو دوا جانتے ہیں ہم — عارض ہو عارضہ تو شفا جانتے ہیں ہم

کچھ غم نہیں مرض ہے اگر حال غیر ہے
صحت ہماری یہ ہے کہ عقبیٰ بخیر ہے

یہ ذکر سن کے رونے لگی بنت بادشا — کی عرض کیا ہے اسم مبارک حضور کا
گردن جھکا کے قبلۂ عالم نے یہ کہا — بیکس غریب مرد گرفتار و بے نوا

کیا پوچھتی ہے نام و نشاں خاکسار کا
اک بندۂ حقیر ہوں پروردگار کا

اس نے کہا بتایئے والد کا اپنے نام — فرمایا خانہ گشتہ وطن آوارہ تشنہ کام
مقتول بے سر و تبر و خنجر و حسام — جس کو ملا نہ پیاس میں پانی کا ایک جام

بے گور ہے بے کفن جسد پاش پاش ہے
سر یاں ہے کربلا کے جنگل میں لاش ہے

پوچھا وطن کو اس نے تو بولے شہِ زمن — مارے پھرے مقام ہمارا ہے منزلِ محن
بیٹے فقیر خاک کے جہاں سے ہے وہی وطن — بے خانماں اسیر و پریشان و خستہ تن
پردیس میں تباہ ہوئے گھر چھٹ گیا
جنگل میں ہم بھی لٹ گئے اور گھر بھی لٹ گیا

وہ بولی اور بھائی بھی کیا تھے مہ منیر — فرمایا اک جوان تھا اک اور اک صغیر
جرأت میں بے عدیل تھے صورت میں بے نظیر — معذور کر کے تین روز نہ پانی ملا شبیر
اعدا کو دشمنی تھی صغیر و کبیر سے
برچھی سے ایک قتل ہوا ایک تیر سے

غش ہو گئے یہ کہہ کے امام فلک اساس — گھبرا کے واں سے ہٹ گئے جنّی جب حواس
پہنچی شہر شہر کے جو سیدانیوں کے پاس — رانڈوں کی خستگی دیکھ کے بولی وہ حق شناس
چہرے نجیبوں کے غیرتِ خورشید و ماہ ہیں
کیا کہ اہل بیت رسالت پناہ ہیں

پیدا ہے ان کی شان سے سیدانیوں کی شان — ظاہر ہے صبر و شکر سے سادات کا نشان
یا ہاشمی ہیں یا علوی ہیں یہ خستہ حال — کس میں ہے معرفت کے سخن اور یہ بیاں
یہ لاکھ گر چھپائیں تو کب مانتی ہوں میں
خوشبو کو اہل بیت کی پہچانتی ہوں میں

آ کر قریب کہنے لگی ہند خوش خصال — اے بی بیو بتاؤ ذرا اپنے رخ سے بال
مجھ سے کچھ بیان کرو اپنے دل کا حال — کیسی تمہاری ہو گئی کس بن میں پائمال
کیوں سر گئے وہ تمہیں بلوائے عام میں
کس جرم پر اسیر ہوئے ملک شام میں

بستی میں ہے مدینے میں ہے آپ کا وطن   بنتِ نبی کو خبرِ سرورِ زمن
ہیں خیریت سے حضرتِ شبیرؑ کی بہن   زندہ رہے جہاں میں انہیں ربِ ذوالمنن
وہ بی بی دخترِ بنتِ رسالت پناہ ہے
عصمت پہ جس کی خالقِ اکبر گواہ ہے

جب ہند ختم کر چکی رو رو کے یہ کلام   بانو کے پاس آ کے یہ بولی وہ نیک نام
صدقے گئی بتائیے کیا آپ کا ہے نام   بنتِ نبی کو غش ہوئی جاتی ہوں میں تمام
زنداں میں سب اسیروں کی سردار آپ ہیں
اب قیدیوں کی قافلہ سالار آپ ہیں!

بانو نے اس سے پھر یہ کہا تھام کر جگر   ہم قیدیوں کے نام ہیں مظلوم و نوحہ گر
زینبؑ کو پھر بتا کے یہ بولی بہ چشمِ تر   بی بی یہ جو کہ روتی ہے نیچے کیے اپنا سر
تو دل میں جانتی ہے کہ ان کی عزیز تھی
مختار یہ مری ہیں میں ان کی کنیز ہوں

وہ بولی کہئے ہیں آپ کے فرزند خوش سیر   فرمایا رو کے لٹ گیا بی بی ہمارا گھر
تیر و سناں سے قتل ہوئے دن میں دوپہر   زنداں میں اک اسیر ہے مظلوم و نوحہ گر
ٹکڑے جگر کے صدمۂ فرقت سے ہوتے ہیں
ہم گود میں بچے تھے وہ جنگل میں سوتے ہیں

یہ سن کے ہند رونے لگی تب بہ اشک و آہ   پھر مڑ کے دیکھتے حضرتِ زینبؑ پہ کی نگاہ
منہ سے ہٹائے بال تو حالت ہوئی تباہ   بے ساختہ کہا کہ نہ ہے قدرتِ خدا
ہرگز غلط نہیں جو مجھے اشتباہ ہے
زینبؑ تمہیں ہو خالقِ اکبر گواہ ہے

کہنے لگی یہ ہند سے زینبؑ جگر فگار   کیوں قول بد نکالتی ہے منہ سے بار بار
اے ہند ان کا نام نہ لے بہرِ کردگار   نسبت نہ اُن سے دے کہ وہ ہیں فاطمہؑ وقار

اعدا تو چھوڑ کے گئے جو آئے سلام میں
دشمن نے ان کے قید ہوں زندانِ شام میں

وہ شاہ کام اللہ میں بے کس جگر فگار — آباد وہ ہیں اور میں زنداں میں سوگوار
جو سے ہیں سب گئے ہے اسد اب حال زار — باہر کنیزان کی نہیں شکل زینہار

وہ بی بی پہ وہ وارث سجاد خوش خصال ہے
زینب میں بی بی ہوں یہ ترا بے جا خیال ہے

یہ سُن کے بے قرار ہوئی ہند خوش خصال — دیکھا بغور رخ تو ہوئی بصد ملال
اے میری شاہزادی چھپاؤ نہ مجھ سے حال — زینب تمہی ہو خواہر شبیر با کمال

تم کو قسم ہے فرق شہ مشرقین کی
جلدی کہو خبر مرے آقا حسین کی

یہ کہہ کے پیٹنے لگی ہند باوقار — فرط قلق سے دل ہوا زینب کا بے قرار
چلائیں سر کو پیٹ کے با چشم اشکبار — اے ہند کٹ گیا سر شبیر نامدار

پانی دیا نہ سبط رسالت پناہ کو
ظالم نے بے گناہ کیا قتل شاہ کو

اے ہند کیا کہوں خبر شاہ تشنہ لب — ہنگام عصر کٹ گیا زہرا کا باغ سب
مطلق ڈرا نہ خالق اکبر سے بے ادب — چوب یزید اور لب شبیر ہے غضب

رونے نہ پائے ماتم شاہ شہید میں
سر ننگے لے گئے ہمیں بزم یزید میں

کیا پوچھتی ہے تو خبر شاہ بحر و بر — فرق حسین تھا کبھی نیزے پہ جلوہ گر
باندھا رسن میں تھا کبھی خولی نے بے خطر — لٹکا در یزید پہ سبط نبی کا سر

یاں تک تھی دشمنی سپہ بدخصال کو
پتھر لگائے راہ میں زہرا کے لال کو

اے ہند رن میں شاہ کے یاور ہوئے شہید — عباس قتل ہو گئے اصغر ہوئے شہید
بن بیاہے دشت میں علی اکبر ہوئے شہید — شبّر کا لال اور مرے دلبر ہوئے شہید
زہرا کے نالوں کی نہ کھیتی ہری ہوئی
بچوں سے گود ہو گئی خالی بھری ہوئی

میداں میں بے کفن ہے ابھی لاش شاہ پاک — ہے ہے وہ دھوپ اور وہ میدان ہولناک
واحسرتا وہ گرم ہوا اور وہ فرش خاک — کس طرح دل نہ ہو مرا سینے میں چاک چاک
چہلم تلک ہوا نہ دفن شہ مشرقین کا
اب تک پڑا ہے دھوپ میں لاشا حسین کا

منگوایا ہند نے جو سر شاہ بحر و بر — نیزے کو اٹھ کے دوڑے قیدی بہ چشم تر
جب سر پہ شاہ دیں کے پکڑنے کی تھی نظر — چلائی رو کے ہائے غضب مر گئے پدر
دنیا سے تشنہ کام سفر کر گئے حسین
دکھیا پہ اب یہ راز کھلا مر گئے حسین

پھر سر کو پیٹتی ہوئی دوڑی وہ سوگوار — دامن میں لے لیا سر شبیر نامدار
منہ رکھ کے منہ پہ شاہ کے جو روئی وہ دلفگار — صدمہ ہوا نکلنے لگی تن سے جان زار
دنیا میں اس کی زیست کا نقشہ بدل گیا
جنبش ہوئی لبوں کو بس اور دم نکل گیا

بانو نے سر کو پیٹ کے تب یہ کیا بیاں — بس مل چکیں حسین سے قربان جائے ماں
اے نور عین بس، نہ کرو نالہ و فغاں — ایسا نہ ہو کہ گھٹ کے نکل جائے تن سے جاں
بچھڑے ہیں کب سے بادشہ مشرقین سے
ہم بھی تو مل لیں فاطمہ کے نور عین سے

اٹھی یہ کہہ کے بانوئے بیکس برہنہ سر — دیکھا پٹی ہے خاک پہ بے جاں وہ نوحہ گر
زینب کو پھر پکار کے یہ بولی بہ چشم تر — بچی کو میری لے گئے سلطان بحر و بر

زنداں کے تھے وہ ظلم کہ عاجز تھی جان سے
افسوس چل بسی مری بچی جہان سے

بی بی تمہاری ننھی سی میت سے ہیں نثار   منہ سے اٹھاؤ کرتے کا دامن پھر ایک بار
جی بھر کے تجھ کو دیکھ لے مادر جگر فگار   اماں کو اپنے پاس بلا لو تو ہو قرار

فرصت کبھی نہ ہوگی ہمیں شور و شین سے
تم یاں سے جا کے قبر میں سوؤگی چین سے

جب سے اٹھائے قید میں کیا کیا نہ رنج و غم   باندھا گلے کو شمر نے رسی سے ہے ستم
بابا کو یاد کر کے جو روتی تھی دم بدم   دیتے تھے گھڑکیاں تمہیں یہ بانیٔ ستم

زخمی ہیں کان چھل سے عارض کبود ہیں
اب تک نشاں طمانچوں کے رخ پہ نمود ہیں

بی بی خدا پہ خوب ہے روشن ہمارا حال   چادر تلک نہیں ہے چھپاؤں جو سر کے بال
کس طرح دوں کفن تجھے اے میری خورد سال   نادار ہوں میں پاس نہ دولت ہے اور نہ مال

سنگ الم سے شیشۂ دل پاش پاش ہے
دو گز کفن کے واسطے محتاج لاش ہے

ہوتا جو واری پاس مرے کچھ بھی مال و زر   تربت بناتی ننھی سی میں سوختہ جگر
تابوت پر میں باندھتی سہرا بچشم تر   جو پوچھتا تو بس یہی کہتی میں نوحہ گر

میت یہی ہے بنت شہ مشرقین کی
دنیا سے آج اٹھ گئی عاشق حسین کی

بس اے انیس بزم میں ہے گریہ و بکا   وقت دعا ہے خالق اکبر سے کر دعا
یارب بحق احمد و زہرا و مجتبیٰ   دکھلا دے جلد روضۂ سلطان کربلا

دم لب پہ ہے زیارت مولا نصیب ہو
بیمار غم کو قرب مسیحا نصیب ہو

مرثیہ (۲۱)

قید سے آزاد ہو کر اہلبیت کا مدینے میں آنا

جیتے میں غم شاہ میں بیزار تھی صغراؑ تنہائی کی آفت میں گرفتار تھی صغراؑ
غش رہتا تھا اس طرح کی بیمار تھی صغراؑ ہوش آتا تو کرتی یہی گفتار تھی صغراؑ
کہتے ہیں تو سب گرمی ہو کیوں آئیں گے بابا
غم یہ ہے کہ جیتا نہ ہمیں پائیں گے بابا

جینے نہیں دیتے کا غم ہجر کا آزار بابا کے بھی آ گئے سے زیادہ ہوں میں بیمار
بستر پہ پڑی رہتی ہوں میں بیکس و ناچار اٹھتی ہوں اگر ایک بار تو گرتی ہوں کئی بار
آنکھیں ہیں کہیں ہوش کہیں دھیان کہیں ہے
کچھ دل بھی کئی روز سے قابو میں نہیں ہے

جی چاہتا ہے دیکھوں بابا کا میں دیدار اماں کے گلے سے لگوں اصغرؑ کو کروں پیار
بھائی علی اکبرؑ کی بلائیں لوں میں سو بار پھر مر بھی اگر جاؤں تو کچھ غم نہیں زنہار
بیٹھے ہی مری جاتی ہوں میں یاد پدر میں
لے لے کے مرے نام کو سب روئیں گے گھر میں

غش میں کیا تو مشکل ہے بہت ہوش میں آنا کس سے کہوں آ کر مجھے بستر سے اٹھانا
دیوار سے در تک مجھے دشوار ہے جانا پھر زیست کہاں جب کہ ہوئی طاقت ہی روانا
سب کہتے ہیں آ گئے تو آرام ہوا ہے
یاں گور میں جانے کا سر انجام ہوا ہے

ہر دم ہے کچھ اب تو دگر حال ہمارا طول غم ہجراں نے ہمیں مار اتارا
سب کر گئے بیمار سے اک بار کنارا اتنا بھی کسی شخص نے آ کر نہ پکارا

ہے گھر میں کوئی یا نہیں فرزند نبی کے
خط لایا ہوں لشکر سے حسینؑ ابنِ علیؑ کے

یہ سنتی تھی جو شور ہوا خیمے کے اندر — آئے سفرِ کوفہ سے ناموسِ پیمبر
ام سلمہ دوڑی گئیں سنتے ہی وہ پیار — کیا دیکھا کہ روتے ہیں کھڑے عابدِ مضطر

اودھر کو بٹھایا ہے یہ فریاد و فغاں ہے
جو بی بی اُترتی ہے سو یہ کرتی بیاں ہے

ہم بھیجتے پھرتے مارا گیا فاطمہ کا لال — حیدرؑ کا چمن باغیوں نے کر دیا پامال
تلواروں سے منہ چاند سے سب ان کے ہوئے لال — پیاسوں پہ چلیں برچھیاں کیا ان کا کہیں حال

مر کر نہ ملا چین کسی تشنہ دہن کو
چالیسویں تک سب رہے محتاج کفن کو

اس گھر سے سدھارے تھے جو ہمراہ ہمارے — دیکھے کیے ہم سامنے وہ سب گئے مارے
نیزوں پہ چڑھائے گئے سر تن سے اتارے — پیاسوں کی ہی تربتیں دریا کے کنارے

ہم بیٹھے ہیں قبروں پہ انہیں رو کے ہم آئے
اب ان کو کہاں پائیں جنہیں کھو کے ہم آئے

بانو کی جو ماتمیوں کی سی صورت نظر آئی — اور رونے کی دھوم اہلِ محلہ نے اٹھائی
ام سلمہ سن کے گلی دینے دوڑی — اسباب اٹھا ماتمی صف جلد بچھائی

صغراؑ نے کہا کر دو گریباں کو پارا
دل کھول کے اب رو لو کہ بابا گیا مارا

آگے تو نہیں رونے سے میں منع تھی کرتی — بیمار تھی تم اور یہی غم کھانے سے ڈرتی
اب منع بھی کرنے میں ہے تشویش گزرتی — بن روئے تو مر جاؤ ابھی گر نہ ہو مرتی

تم لڑکی ہو اور داغ یتیمی کا بڑا ہے
بیمار کو غم کھانے سے رونا ہی بھلا ہے

یہ سنتے ہی گھبرا گئی وہ بیکس و مضطر　　سر پیٹ کے رونے لگی پٹکا سر پر
رو رو کے یہ کہنے لگی اے خالق اکبر　　فریاد ہے فریاد لٹا فاطمہؑ کا گھر
تو مالک و مختار قضا اور قدر ہے
میں کس لیے جیتی ہوں مری موت کدھر ہے

پھر بولی کہ بابا سے ملا دو مجھے لوگو　　یہ سنتے ہی زینبؑ لگی سر پیٹنے رو رو
بابا سے کی بیٹی کی صورت کو تو دیکھو　　بابا کو طلب کرتی ہے کر دوں میں اسے لو
دم شدت گریہ سے الٹ جائے گا اس کا
ننھا سا کلیجہ ابھی پھٹ جائے گا اس کا

لے گود میں بٹھا کے رو رو کے پکاری　　بابا کہاں میں جس کو دکھاؤں تجھے واری
ماں ہو گئی قربان یتیمی پہ تمہاری　　ننھی سی تک سے قسمت نے اجاڑی ہماری
پردیس میں جنت کو سفر کر گئے شبیرؑ
اے فاطمہؑ میں رانڈ ہوئی مر گئے شبیرؑ

قاسمؑ ترے عمو کا پسر مر گیا بیٹی　　عباسؑ جہاں سے سفر کر گیا بیٹی
پانی کو ترستا علی اکبرؑ مر گیا بیٹی　　جنت کو مری گود سے اصغرؑ گیا بیٹی
اس گھر کی جو آبادی تھی سو بس گئی بن میں
میں رانڈ شتابی ہوئی آئی ہوں وطن میں

صغراؑ تو یہ سنتے ہی لگی پیٹنے سر کو　　رو رو کے ستانے لگی چلا کے پدر کو
ایسے گئے بابا کہ نہ بیٹے پھرے گھر کو　　بابا اس کیا دختر مجروح جگر کو
اب آس ہے اتنی کہ یہ مر جائے گی صغراؑ
اے سید بیکس تمہیں تب پائے گی صغراؑ

جب تک رہوں گی جیتی تمہیں تک ہے جدائی　　اور مر گئی تو آپ کی پابوسی کو آئی
آئے نہ تمہی اور نہ چچا نے مرے بھائی　　آفت مری قسمت نے عجب مجھ کو دکھائی

بیمار کو اس ہجر کی آفت سے نکالو
مجبور ہے صغرا تمہیں چاہو تو بلالو

سب آپ کے جانے سے ملاقات ہے دشوار   مقتل ہی تلک جا نہ سکی جب کہ ہیں بیمار
پھر آپ تلک مجھ کو پہنچنے کی کہاں بار   بستر سے ہلی ہی نہیں میں جگر افگار
کیا کیا ستم اے سید ابرار نہ دیکھا
صغرا نے مگر آپ کا دیدار نہ دیکھا

سنتی ہوں کہ اکبر بھی ہیں حضرت ہی کے ہمراہ   عباس بھی ہیں اور ہیں قاسم نوشاہ
چھوٹا مرا بھیا علی اصغر بھی ہیں ہمراہ   اس بچے سے ملنے کی زیادہ ہے مجھے چاہ
اس دکھ سے مجھے تم ہی دلاؤ گے بابا
کب سے ہوں بچھڑی تمہیں ملاؤ گے بابا

صغرا تو یہ کرتی تھیں بیاں باتیں رنجور   پھر کرنے لگی مادر عباس یہ مذکور
اے صاحبو یہ شک تو مرے دل سے کرو دور   بیٹا جو مرا عاشق شبیر تھا مشہور
شفقت تھی بہت اس پہ حسینؑ ابن علیؑ کی
کچھ اس سے بھی خدمت ہوئی فرزند نبیؐ کی

یہ سنتی چلی آتا تو کہو مارے گئے عباسؑ   مرنا تو یقیں ہو گیا پر اتنا ہے وسواس
کس وقت تلک جنگ میں بھائی کے رہے پاس   کہ کہہ دو جو لڑائی ہو تو بڑھ جائے مری آس
کچھ قاسم و اکبر پہ تو آفت نہیں دیکھی
شبیر کی مجھ سے تو رخصت نہیں دیکھی

رخصت کو تھا وہ جس گھڑی چلتے ہوئے آیا   حق دودھ کا بخشا تھا مجھ سے مرا جایا
میں نے یہ اسے کہہ کے تھا چھاتی سے لگایا   شبیر کے قدموں پہ جو سر تو نے کٹایا
تو دودھ بھی بخشوں گی دعا بھی تجھے دوں گی
جان اپنی بھی بھائی کو بھی تمام شہ دوں گی

زینبؑ نے کیا کہوں عباسؑ کی جرأت	کچھ شرح کے علمدار کی پوچھو نہ حقیقت
قاسمؑ سے بھی پہلے وہ طلب کرتا تھا رخصت	پر ابنِ حسنؑ پا چکا جس وقت شہادت
اس وقت عجب بے کسی تھی سبطِ امم پر
رخصت کے لیے گرتا تھا عباسؑ قدم پر

زینبؑ سے یہ سن مادرِ عباسؑ پکاری	شرمندہ کیا تم نے حسنؑ سے مجھے واری
کلثومؑ نے تب یوں کہا با گریہ و زاری	اس نے تو رضا مرنے کی مانگی کئی باری
کیا کرتا کہ مغموم بہت ہوتے تھے شبیرؑ
منہ دیکھتے تھے بھائی کا اور روتے تھے شبیرؑ

جب حال سکینہؑ کا ہوا پیاس سے تغییر	بس اس گھڑی ناچار ہوئے حضرتِ شبیرؑ
بھائی سے کہا کچھ کرو اب پانی کی تدبیر	کچھ بس نہیں اب تم سے جلا کرتی ہے تقدیر
یہ سن کے لگا رونے وہ شیدائے سکینہؑ
اور لے کے گیا مشک وہ سقائے سکینہؑ

واں فوج سے وہ بھڑ کے بھرا مشک میں پانی	اور گھر کو چلا حیدرِ کرار کا جانی
پھر ٹوٹ پڑے پیاسے پہ وہ ظلم کے بانی	چھانا اسے بھی تیروں سے اور مشک بھی چھانی
پانی بھی بہا تن سے گرے ہاتھ بھی کٹ کر
اور گر پڑا عباسؑ بھی گھوڑے سے زمیں پر

اس قول سے مارا گیا فرزند تمہارا	مدد اس کو نہ بخشا تھا تو اب بخشو خدارا
پھر فاطمہ زہراؑ کو وہ کہہ کے جو پکارا	واللہ سر اس نے قدمِ شاہ پہ وارا
دکھلائی وہ جاں بازی شہِ تشنہ دہن کو
راضی کیا حیدرؑ کو محمدؐ کو حسنؑ کو

یہ سنتے ہی بس مادرِ عباسؑ دلاور	قبلے کی طرف گر پڑی سجدے کو زمیں پر
جب کر چکی سجدہ تو یہ کہنے لگی رو کر	سب مل کے کرو ماتمِ فرزندِ پیمبرؐ

یہ کہہ کے غل ہونے لگا سینہ زنی کا
اور ذکر تھا شبیر کی تشنہ دہنی کا
ہاں کوئی بھتیجے نہ رہے قاسم مضطر — ہاں کوئی بے جاں ہوئے عباس دلاور
ہاں کوئی سر پیٹ کے ہے ہے علی اکبر — ہاں کوئی مارا گیا پیاسا علی اصغر
وہ رانڈیں تھیں اور ماتم شاہ و شہدا تھا
کیا کہیے انیس اس گھڑی محشر بپا تھا

سلام

سلام

(۱)

عجب وقت ہے اور عجب انجمن ہے
سلامی یہ محفل مشکل کا چمن ہے

سلامی یہ آلِ نبیؐ پہ محن ہے
کہ بیوہ تو بانو ہیں اور اک دلہن ہے

نہیں انگلیاں ہاتھ کے معرکے ہیں گویا
مرے ہاتھ میں غرّۂ پنجتن ہے

کھلا ہے دو رنگی سے برگِ حنا کی
یہ رنگِ حسینؑ اور وہ رنگِ حسنؑ ہے

گریباں مرا پھاڑ اے حسرتِ دنیا
مرے ہاتھ میں دامنِ پنجتن ہے

کہاں لے کے جاتے ہو اصغرؑ کو ماں تم
اشارا کیا قصدِ نہرِ لبن ہے

مکاں دیکھے معراج میں دو نبیؐ نے
کہ ہر ایک جنت میں پرتو فگن ہے

محل اک زمرد کا ہے رشکِ طوبیٰ
تو وہ دوسرا رشکِ لعلِ یمن ہے

کسا سرخ اور سبز کیوں ہیں یہ دونوں
محل اس وقت کچھ خود بخود نعرہ زن ہے

کہا حاملِ وحی نے سر جھکا کر
یہی مرضیِ حضرتِ ذوالمنن ہے

کروں مختصر عرض ہے حال اس میں
یہ قصرِ حسینؑ اور وہ قصرِ حسنؑ ہے

گلے میں رسن جب بندھی بولے عابدؑ
کہ ہم میں بھی مشکل کشا کا چلن ہے

اسیروں کو دکھلا کے غول پکارا
یہ کنبہ علیؑ کا اسیرِ محن ہے

نظر آیا مقتل تو عابدؑ پکارے
یہ نعشِ امامِ غریب الوطن ہے

نہیں جسم پر ایک چادر کا سایہ
نئی گردش اے آسمانِ کہن ہے

ندا آئی لاشے سے بیٹا نہ روؤ
سو حق میں راحت یہ رنج و محن ہے

یہ نیزوں کی چھاؤں میں ہیں تابوت اپنا
یہ دامانِ صحرا ہمارا کفن ہے

نہیں سوگ کچھ اپنی عریاں تنی کا
یہ غم ہے کہ زینبؑ اسیرِ محن ہے

انیسؔ اس قدر شور بختی کا شکوہ
یہ دولت ہے تھوڑی کہ شیریں سخن ہے

سلام

(۲)

سروکارِ دنیا سے کبھی چشم اپنی نم رکھتے نہیں
بجز غمِ آلِ عبا ہم اور غم رکھتے نہیں

کربلا پہنچے زیارت کو، ہمیں پروا ہے کیا
اب وہ ہم بھی ہاتھ آئے تو قدم رکھتے نہیں

در پہ شاہوں کے نہیں جاتے فقیر اللہ کے
سر جہاں رکھتے ہیں سب واں پہ قدم رکھتے نہیں

صورتِ محراب خم ہو کر بعجز و نیاز
سر نہ دیکھیں گر تو منبر پہ قدم رکھتے نہیں

دیکھنا کل ٹھوکریں کھاتے پھریں گے اُن کے گھر
آج نخوت سے زمیں پہ جو قدم رکھتے نہیں

کہتے تھے اعدا کہ بچے بھی علی کے شیر ہیں
جب بڑھاتے ہیں تو پھر پیچھے قدم رکھتے نہیں

دھو دیے اشکوں نے دفتر سے تمام اعمالِ زشت
ہم تری پروا کچھ اے ابرِ کرم رکھتے نہیں

جو غنی ہیں مالِ دنیا سے ہیں خالی ان کے ہاتھ
اہلِ دولت جو ہیں وہ دستِ کرم رکھتے نہیں

جو مقرب ہے وہ ملتا ہے تری سرکار سے
ہم ہیں صابر کچھ خیالِ بیش و کم رکھتے نہیں

نقدِ جاں بیچ کے ہم جاتے ہیں دل سے ساتھ لیکن
عادت ایسی جو تھی ہوس کو پاس ہم رکھتے نہیں

ایک مشکل آ پڑی کل ایک نقدِ جاں ہے پاس
ہیں غنی دل کے کوئی دام و درم رکھتے نہیں

کہتے تھے سجاد کھینچی سختی زنجیر جب بیڑیاں
کیا کریں ہاں پابجولاں کی طاقت قدم رکھتے نہیں

کٹ گئیں راتیں کہ روتے روتے آخر لہو
سیم و زر شبیر کے اہلِ حرم رکھتے نہیں

فقر و فاقے میں ہیں حیدر ہو گئی سب کی بسر
ان دعاؤں کے سوا کچھ اور ہم رکھتے نہیں

یہ محلِ محبوبِ حق کا ہے نہ آنا اس طرف
بے اجازت یاں ملائک بھی قدم رکھتے نہیں

چادریں جب چھینیں دشمن کی تو علمبردار کا
کچھ حیا و شرم یہ اہلِ ستم رکھتے نہیں

مرثیہ لکھوں میں کیا سب کہتے ہیں اٹھ گئے انیس
ہاتھ سے کیوں آج قرطاس و قلم رکھتے نہیں

سلام

(۳)

شبیہ امام زماں کھینچتے ہیں
تصور میں تصویرِ جاں کھینچتے ہیں

جگہ مول لی ہے مزاروں کی خاطر
شہِ دیں زمیں پر نشاں کھینچتے ہیں

تپ غم کی شدت سے کہتے تھے عابدؑ
عجب سختیاں استخواں کھینچتے ہیں

کہاں بیڑیاں اور کہاں پائے عابدؑ
یہ سنگِ گراں ناتواں کھینچتے ہیں

پکاری سکینہؑ دہائی ہے بابا
ستمگر مری بالیاں کھینچتے ہیں

کٹی جاتی ہیں گردنیں بیبیوں کی
رسن کو بد ایذا رساں کھینچتے ہیں

یہ عالم ہے فرقت میں کہتی تھی صغراؑ
کہ رگ رگ سے جس طرح جاں کھینچتے ہیں

قدم بیڑیوں میں ہیں رسی میں بازو
یہ دکھ عابدِ ناتواں کھینچتے ہیں

کہا رو کے اکبرؑ نے اے درد تھم جا
کہ سینے سے بابا سناں کھینچتے ہیں

انیسؔ اس زمیں میں بہت کم ہے وسعت
کمیتِ قلم کی عناں کھینچتے ہیں

سلام

(۳)

گنہ کا بوجھ جو گردن پہ ہم اٹھا کے چلے — خدا کے آگے ندامت سے سر جھکا کے چلے
مقام یوں ہوا اس کارگاہِ دنیا میں — کہ جیسے دن کو مسافر سرا میں آ کے چلے
خیال آ گیا دنیا کی بے ثباتی کا — چلے جہاں سے اعزّہ تو مسکرا کے چلے
طلب سے عار ہے اللہ کے فقیروں کو — کبھی جو ہو گیا پھیرا صدا سنا کے چلے
کسی کا دل نہ کیا پائمال ہم نے کبھی — چلے جو راہ تو چیونٹی کو بھی بچا کے چلے
خرامِ اسپ شہِ دیں سے دیں گے ہم تشبیہ — کہاں ہے کبکِ دری چال تو بتا کے چلے
ملا جنہیں انہیں افتادگی سے اوج ملا — انہیں نے کھائی ہے ٹھوکر جو سر اٹھا کے چلے
حسینؑ کہتے تھے وا حسرتا علی اکبرؑ — بہارِ باغِ جوانی ہمیں دکھا کے چلے
ملک پکارے کہ الٹا زمیں کا تختہ — حسینؑ فوج پہ جب آستیں چڑھا کے چلے
ملی نہ پھولوں کی چادر تو اہلِ بیتِ امام — مزارِ شاہ پہ لختِ جگر چڑھا کے چلے
چلے وطن کو جو عابدؑ تو کہتے تھے رو کر — علیؑ کے چاند کو ہم خاک میں ملا کے چلے
سحر کو خوف سے فرصت نہ تھا ز شمعوں کو — قلم کی طرح چلے جب تو سر جھکا کے چلے
تمام عمر کی سب نے بے رخی ہم سے — کفن میں ہم بھی عزیزوں سے منہ چھپا کے چلے

انیس دم کا بھروسا نہیں ٹھہر جاؤ
چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے

سلام

(۵)

گرد ہے اکسیر خاکِ کربلا کے سامنے
نقدِ مس کی حقیقت کیا طلا کے سامنے

فاصلہ کیا اِدھر پہنچے اُدھر داخل ہوئے
کربلا جنت سے جنت کربلا کے سامنے

حُر تو زینبؑ دن فدا کر دیں گے جو ٹھہرے آ کے
بات کیا ہے خاک اُڑا دینا ہوا کے سامنے

پردہ پوشِ عاصیاں ہے ان کا دامن دیکھیے
کیا گنہ کا ڈھانپنا آلِ عبا کے سامنے

کہتے تھے حضرت علی اکبرؑ کا مرنا ہے غضب
ہم تو دنیا سے گئے اس دلربا کے سامنے

جب سکینہؑ کی زباں میں پیاس سے کانٹے پڑے
سر جھکا کر شرم سے آئی، چچا کے سامنے

فقر کی دولت کو کیا خالق نے بخشا بے مقدار
ہاتھ پھیلاتا ہے سلطاں بھی گدا کے سامنے

ذوالفقارِ حیدرِ صفدر سے شرماتی ہے برق
ابرِ نیساں تر ہے زہراؑ کی ردا کے سامنے

خوف کیا ہے بہرِ پرسش آئیں گے منکر نکیر
بندۂ حیدرؑ ہوں کہہ دوں گا خدا کے سامنے

عقدۂ دل جلد حل ہوتے ہیں گھبراتے ہے کیوں
کیا گرہ کا کھولنا مشکل کشا کے سامنے

کہتے تھے خوں سے عابدؑ، چادرِ زینبؑ نہ چھین
ہاتھ باندھے جائیں گے مشکل کشا کے سامنے

یاد رکھ ظالم پریشاں ہو گا مجمع حشر کا
فاطمہؑ جب بال کھولے گی خدا کے سامنے

فصلِ پیری میں ہوس دنیا کی توبہ کر انیسؔ
حشر میں کس منہ سے جائے گا خدا کے سامنے

سلام

(۹)

کسی انیس کوئی آشنا نہیں رکھتے — کسی کی آس بغیر از خدا نہیں رکھتے
نہ روئے بیٹوں کے غم میں حسینؑ واہ رے صبر — یہ داغ ہوش بشر کے بجا نہیں رکھتے
حسینؑ کہتے تھے سوئیں گے پاؤں پھیلا کر — سوائے قبر کوئی اور جا نہیں رکھتے
سوائے کوثر و تسنیم و خلد و باغ بہشت — یہ اشک ہیں وہ گہر جو بہا نہیں رکھتے
قناعت و گہر آبرو و دولت دیں — ہم اپنے کیسۂ خالی میں کیا نہیں رکھتے
ہمیں تو دیتا ہے رازق بغیر منت خلق — وہی سوال کریں جو خدا نہیں رکھتے
فقیر دوست جو ہم کو سرفراز کرے — کچھ اور فرش بجز بوریا نہیں رکھتے
مسافر شب اول بہت ہے تیرہ و تار — چراغ قبر ابھی سے جلا نہیں رکھتے
وہ لوگ کون سے ہیں ہائے خدائے کون و مکاں — سخن کو کان سے جو آشنا نہیں رکھتے
خدا نے آیۂ تطہیر جن کی جیب تھا — وہ پردہ دار سروں پہ ردا نہیں رکھتے
سکینہ کہتی تھی کیوں کر نہ دم گھٹے اماں — وہاں ہیں بند جو حجرے ہوا نہیں رکھتے
غش آیا راہ میں جس دم تو کہتے تھے سجادؑ — وہ ہم ہیں جو امید شفا نہیں رکھتے
فلک پہ شور تھا کشتہ ہے عشق پاک رسولؐ — حسینؑ تیغ کے نیچے گلا نہیں رکھتے

حسینؑ تیغوں کے آگے سے کس طرح ہٹتے
بڑھا کے پیچھے قدم پیشوا نہیں رکھتے

سلام

(۶)

ابتدا سے ہم ضعیف و ناتواں پیدا ہوئے
اڑ گیا جب رنگ رخ سے استخواں پیدا ہوئے

علم خالق کا خزانہ ہے میانِ کاف و نون
ایک کن کہنے سے یہ کون و مکاں پیدا ہوئے

ہاتھ خالی آئی لاشوں پر شہیدوں کے نسیم
پھول بھی اس فصل میں ایسے گراں پیدا ہوئے

تربتِ جمشید و دارا و سکندر اب کہاں
خاک تک چھانی نہ قبروں کے نشاں پیدا ہوئے

ضبط دیکھو سب کی سن لی پر نہ کچھ اپنی کہی
اس زباں دانی پہ گویا بے زباں پیدا ہوئے

جاں دی حر نے تو حضرت نے دیا باغِ ارم
میہماں ایسے نہ ایسے میزباں پیدا ہوئے

بود و نابود علی اصغر کا کیا کیجے بیاں
بے زباں دنیا سے اٹھے بے زباں پیدا ہوئے

دیکھ کر لاشوں کو حضرت کہتے تھے وا حسرتا
موت سے آئی کہاں ان کو کہاں پیدا ہوئے

احتیاطِ جسم کیا انجام کو سوچو انیس
خاک ہونے کو یہ مشتِ استخواں پیدا ہوئے

سلام

(۸)

آکے جو بزمِ عزا میں رو گئے
مجرائی وہ فردِ عصیاں دھو گئے

یاد آیا دامنِ مادر کا چین
پاؤں پھیلا کر لحد میں سو گئے

اشک کیا نکلیں کڑے احوال پر
سنتے سنتے قلب پتھر ہو گئے

موت آئی ہے مجوّزِ الفراق
آج وعدے سب برابر ہو گئے

ہاتھ سے جب آ گیا نقدِ حیات
جان لے کر آئے بے جاں ہو گئے

عالمِ فانی میں کب تم کو ملا
اور کچھ اپنی گرہ سے کھو گئے

راحت آبادِ عدم ہے خوب جا
پھر نہ آئے وہ جہاں سے جو گئے

ہتھکڑی اور بیڑیوں کو دیکھ کر
دست و پا عابد کے ٹھنڈے ہو گئے

چھد گیا مثلِ گہر ناوک سے حلق
لعل سی جاں اپنی اصغر کھو گئے

خون گردن سے جو نکلا گرم گرم
بھر کے آہ سرد ٹھنڈے ہوگئے

آکے تربت پہ پیارے شاہِ دیں
ہائے آج اصغر اکیلے ہوگئے

ماہ جیسے ہیں یہ غفلت انیسؔ
رات بھر جو تھے سحر کو سو گئے

سلام

(۹)

خیالِ مدح جو حاصل ہوا کمال مجھے
گھٹا گھٹا کے فلک نے کیا ہلال مجھے

کمال شوقِ زیارت ہے اب کے سال مجھے
کریم ہند کی غفلت سے اب ملال مجھے

بہ رنگ سبزۂ بیگانہ باغ دہر میں تھا
ترے سحاب کرم نے کیا نہال مجھے

کریم جو تجھے دینا ہو بے طلب دے دے
فقیر ہوں پہ نہیں عادت سوال مجھے

یہ اشقیا بھی ہیں دنیا میں یادگار اے مرگ
مرا خیال تجھے اور ترا خیال مجھے

کسی کے سامنے کیوں جا کے ہاتھ پھیلاؤں
مرا کریم تو دیتا ہے بے سوال مجھے

حسینؑ کہتے تھے پشت فرس سے گرتا ہوں
مدد کا وقت ہے اے بیکسی سنبھال مجھے

سلام

(۱۰)

زرد چہرہ ہے نحیف و زار ہوں — ماتمِ سجاد میں بیمار ہوں

مثلِ بوئے گل سفر ہوگا مرا — وہ نہیں ہیں جو کسی پہ بار ہوں

بلبلیں دم بھر جدا ہوتی نہیں — کس گلِ تر کے گلے کا ہار ہوں

عالمِ پیری میں آئے کون پاس — اے عصا گرتی ہوئی دیوار ہوں

ہر کس و ناکس سے جھکنے کا نہیں — صدمہ میں تیغِ جوہر دار ہوں

اے زمیں مجھ کو حقارت سے نہ دیکھ — آسماں کا طرۂ دستار ہوں

شہ کو عرضی میں یہ صغرا نے لکھا — رحم کیجے طالبِ دیدار ہوں

شام سے گنتی ہوں تارے تا سحر — صورتِ مہتاب شب بیدار ہوں

کہتے تھے عباس اے فوجِ یزید — میں غلامِ سیدِ ابرار ہوں

میرا آقا ہے حسین ابنِ علی — ابنِ زہرا کا علم بردار ہوں

کہتے تھے عابد قدم کیوں کر اٹھیں — اے ستمگارو نحیف و زار ہوں

دم بدم کھینچو نہ میرے ہاتھ کو — پاؤں بڑھ سکتے نہیں ناچار ہوں

شکر کر کانٹا سمجھا ہوں پر انیس
آنکھ میں دشمن کی اب تک خار ہوں

سلام

(۱۱)

ضبطِ گریہ ماتمِ سرور میں ہو سکتا نہیں
سر جھکا کر بیٹھ مجلس میں جو رو سکتا نہیں
رات اندھیری پرسشِ اعمال ایذائے فشار
قبر میں بھی چین سے انساں سو سکتا نہیں
کم ذاتی میں ہیں عاجز پاکبازانِ جہاں
گرد اپنے منہ کی پانی آپ دھو سکتا نہیں
کہتے تھے حضرت وہ مشرق ہو یا مغرب یا عرب
دو دلوں کے جسم دو کام آئیں یہ ہو سکتا نہیں
شاہ کہتے تھے یہ دنیا بھی ہے عبرت کی جگہ
مر گیا بیٹا جواں اور باپ رو سکتا نہیں
نظم ہے یہ یا گہرِ منثور کی لڑیاں انیس
جوہری بھی اس طرح موتی پرو سکتا نہیں

سلام

(١٢)

گزر گئے کئی دن گھر میں آب نہ تھا
مگر حسینؑ سے صابر کو اضطراب نہ تھا

نمود و بود بشر کیا محیط عالم میں
ہوا کا جب کوئی جھونکا چلا حباب نہ تھا

فنا سے جو بچا میں ہوا زمیں کو عجب
صدا یہ قبر نے دی تم بوتراب نہ تھا

اگر بہشت میں ہوتے نہ کوثر و تسنیم
تو رونے والوں کی آنکھوں کا کچھ جواب نہ تھا

نہ جانے برق کی چشمک تھی یا شرر کی لپک
ذرا جو آنکھ جھپک کر کھلی شباب نہ تھا

حسینؑ اور طلب آب اے معاذ اللہ
تمام کرتے تھے حجت سوال آب نہ تھا

جسے نبیؐ نے پلایا ہوا وہ نخل نہال
ثمر اسے بھی دیے جو کہ باریاب نہ تھا

علیؑ کے پائے مبارک نے جو ضیا پائی
وہ نور حضرت موسیٰؑ کو دستیاب نہ تھا

ہر اک کے ساتھ ہے روشن بلا طلوع و غروب
سحر کو چاند نہ تھا شب کو آفتاب نہ تھا

فقط حسینؑ کے گلے پہ بند تھا پانی
بہت قریب تھی وہ نہر قحط آب نہ تھا

انیس عمر بسر کر دو خاکساری میں
کہیں نہ یہ کہ غلام ابوتراب نہ تھا

سلام

(١٣)

مرا رازِ دل آشکارا نہیں — وہ دریا ہوں جس کا کنارا نہیں
وہ گل ہوں جدا جس کا ہے سب سے رنگ — وہ بو ہوں کہ جو آشکارا نہیں
وہ پانی ہوں شیریں شعلہ جس میں خود — وہ آتش ہوں جس میں شرارا نہیں
پھرے دوست جب ہو گئی قبر بند — کھلا اب کہ کوئی ہمارا نہیں
گرے ڈگمگا کر زمیں پر حسینؑ — فرس سے کسی نے اتارا نہیں
ترے صبر کے میں فدا یا حسینؑ — چھری کے تلے دم بھی مارا نہیں

کسی نے تری طرح سے اے انیسؔ
عروسِ سخن کو سنوارا نہیں

سلام

(۱۴)

بے کسی کا شہ کی چرچا رہ گیا — مجرئی مہماں پیاسا رہ گیا
دیر آنے پر بہ جلد آئے رسولؐ — اور لاکھوں کو بس سایا رہ گیا
اللہ اللہ قرب معراج رسولؐ — دو کماں کا فرق ادنیٰ رہ گیا
کاتب اعمال بھی رخصت ہوئے — لاشے میں غربت میں تنہا رہ گیا
قبر میں ہوگا حساب زندگی — بعد مرنے کے بھی جھگڑا رہ گیا
قبر میں دیکھ کر نہ گھبرا کوئی دوست — میں نئے گھر میں اکیلا رہ گیا
ظہر تک سب فوج پہنچی خلد میں — صاحب لشکر اکیلا رہ گیا
تیر گردن پر جو کھایا دھوپ میں — بھر کے ٹھنڈی سانس بچہ رہ گیا
زخم کھاتے ہی جو اکبرؑ گر پڑے — چھد کے برچھی میں کلیجا رہ گیا

اس قدر تھا خشک حضرت کا گلا
خنجر قاتل بھی پیاسا رہ گیا

رُباعیات

رباعیات

توقیر ترے ہی آستانے سے ملی
عزت ترے در پہ سر جھکانے سے ملی
مال و زر و آبرو و ایماں
کیا کیا دولت ترے خزانے سے ملی

دولت کی ہوس نہ طمع مال کی ہے
خواہش منصب کی ہے نہ اقبال کی ہے
ہے ذات تری عماد و مقتدا و غنی
امید تجھی سے ترے افضال کی ہے

شاہان جہاں سب ہیں گدائے حیدرؑ
ہے ابر کرم دست سخائے حیدرؑ
یعقوبؑ و خلیلؑ یوسفؑ و آدمؑ و نوحؑ
سب کی مشکل میں کام آئے حیدرؑ

جز مدح سخن منہ سے کم نکلے
ہر دم سینے سے آہ و ہم غم نکلے
ذوقیؔ بعد الٰہ یا حسینؑ ابن علیؑ
نکلے تو محبت میں تری دم نکلے

جب کٹ گیا سجدے میں سرِ پاک حسینؑ
سب ٹوٹ پڑے لُٹ گئی پوشاک حسینؑ
فریاد ہے اُمّت نے کفن کے بدلے
پامال کیا پیکرِ صد چاک حسینؑ

تھے زیست سے ہاتھ اپنے دھوئے سجاد
شب کو کبھی راحت سے نہ سوئے سجاد
جب تک جیے ہنستے نہ کسی نے دیکھا
چالیس برس باپ کو روئے سجاد

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے
بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا
جس پھول کو سونگھتا ہوں بُو تیری ہے

وہ موجِ حوادث کا تھپیڑا نہ رہا
کشتی وہ ہوئی غرق وہ بیڑا نہ رہا
سارے جھگڑے تھے زندگانی کے انیس
جب ہم نہ رہے تو کچھ بکھیڑا نہ رہا

ہر دم ہے خیالِ عذر خواہی دل میں
مطلق نہیں کچھ خوفِ الٰہی دل میں
نامے کی طرح خطا میں گزری سب عمر
بالوں پہ سپیدی ہے سیاہی دل میں

ایوانِ فلک جناب دیکھا ہم نے
فردوسِ بریں کا باب دیکھا ہم نے
جا پہنچے نجف میں خاک ہو کر صد شکر
وہ بامِ ابوتراب دیکھا ہم نے

گھر سے جو پئے نماز باہر نکلے
مرنے پہ کمر باندھ کے حیدرؓ نکلے
واللہ کہ حق شناس داری یہ ہے
نکلے جو خدا کے گھر سے مر کر نکلے

غفلت میں نہ عمر کو بسر کر
انجام پہ اِک ذرا نظر کر
اس طولِ امل سے فائدہ کیا
کل کہہ ہے قصہ مختصر کر

مولد جو وہاں حکمِ صمد سے پایا
کعبہ نے شرف علیؑ کے صدقے پایا
گودی میں نبیؐ لیے یہ کہتے نکلے
لو ہم نے وصی خدا کے گھر سے پایا

جو شے ہے فنا اُسے بقا سمجھا ہے
جو چیز ہے کم اسے سوا سمجھا ہے
ہے بحرِ جہاں میں عمر مانندِ حباب
غافل اس زندگی کو کیا سمجھا ہے؟

ہے فصلِ عزا جدا جدا مجلس ہے
گھر گھر ماتم ہے جا بجا مجلس ہے
ماشاءاللہ چشمِ بد دُور احسن
کیا مجمعِ مومنین ہے، کیا مجلس ہے

جس شخص کو عقبیٰ کی طلبگاری ہے
دنیا سے ہمیشہ اُسے بیزاری ہے
اک چشم میں کس طرح سمائیں دو نور
غافل! یہ خواب ہے، وہ بیداری ہے

سرگرم رہوں نبیؐ کی مداحی میں
کام آئے زباں وصیؐ کی مداحی میں
یارب یہ مری عمر کٹے مثلِ سلیمؑ
جھولی میں ترے علیؑ کی مداحی میں

دنیا دریا ہے اور ہوس طوفاں ہے
مانندِ حباب ہستیٔ انساں ہے
لنگر ہے جو دل تو ہر نفس بادِ مراد
سینہ کشتی ہے ناخدا ایماں ہے

ہر برگ سے قدرتِ احد پیدا ہے
ہر پھول سے صنعتِ صمد پیدا ہے
سینہ ہے بشر کا وہ بحرِ زخّار
ہر ایک نفس سے جزر و مد پیدا ہے

ظاہر وہی الفت کے اثر ہیں اب تک
قربانِ شۂ جن و بشر ہیں اب تک
ہوتے ہیں علم آگے جب اٹھتی ہے فوج
عباسِ علیؑ سینہ سپر ہیں اب تک

وہ کہتے تھے اللہ کا پیارا ہوں میں
عرشِ اعظم کا گوشوارا ہوں میں
سارے عالم میں ہے روشنی جس کی
اے لشکرِ شام وہ ستارا ہوں میں

اے بادشہِ کون و مکاں اور کنی
اے عقدہ کشائے دو جہاں اور کنی
اب تنگ ہے دشمنوں کے ہاتھوں سے زمیں
یا حضرتِ صاحب الزماںؑ اور کنی

افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے
اس باغ سے کیا کیا گل رعنا نہ گئے
تھا کون سا نخل جس نے دیکھی نہ خزاں
وہ کون سے گل کھلے جو مرجھا نہ گئے

اب خواب سے چونک وقت بیداری ہے
بے زادِ سفر کوچ کی تیاری ہے
مر مر کے پہنچتے ہیں مسافر واں تک
یہ قبر کی منزل بھی غضب جلدی ہے

مارے گئے جو وہ سب لعیں نفی ہوئے
زہرا کے نہ پالے تا زمیں دفن ہوئے
عاشور محرم کو ہوئے قتل حسین
پر قبر میں بعد اربعیں دفن ہوئے

کس طرح کرے نہ ایک عالم افسوس
جی بھر کے کیا نہ شہ کا ماتم افسوس
کیا جلد گزر گئے یہ دس دن غم کے
دو صاحب جو ہو گیا محرم افسوس

قاسم کو عدو نے خوں میں جب لال کیا
شبیرؑ نے یہ کہہ کے عجب حال کیا
تابوت پہ جس کے باپ کے مارے تیر
گھوڑوں کے سموں سے اسے پامال کیا

گر لاکھ برس جیے تو پھر مرنا ہے
پیمانۂ عمر ایک دن بھرنا ہے
ہاں توشۂ آخرت مہیا کر لے
غافل تجھے دنیا سے سفر کرنا ہے

کس غم میں یہ لذت ہے جو اس غم میں ہے
سینے کو سرور حشر کے ماتم میں ہے
ہر چشم چمکتی ہے دکھا کر دُرِ اشک
رونے کا مزہ ماہِ محرم میں ہے

واحد ہے جو حیدر نیک نام اس کا ہوں
یکتا ہے جو مقتدائے مدام اس کا ہوں
پوچھیں گے نکیرین تو کہہ دوں گا بس
قنبر کا جو مولا ہے غلام اس کا ہوں

یکتا گہرِ قلزمِ سرمد ہے حسین
سردارِ امم مثلِ محمد ہے حسین
جب سر کو قدم کیا سفر کی رہِ عشق
حقا کہ شہیدوں میں سرآمد ہے حسین

جس شخص کو شوقِ کربلا ہوتا ہے
غربت میں کفیل اس کا خدا ہوتا ہے
کیا خضر کی احتیاج اسے کعبے میں
ہر نقشِ قدم قبلہ نما ہوتا ہے

ویراں ہے کوئی گھر کہیں آبادی ہے
راحت میں کوئی اور کوئی فریادی ہے
اک عشرت و غم کا ہے مرقع دنیا
ماتم ہے کسی جا تو کہیں شادی ہے

پیدا ہوئے دنیا میں اسی غم کے لیے
رونا ہی بھلا ہے چشمِ پُرنم کے لیے
ہم کو دو ہی نعمتیں خدا نے دی ہیں
آنکھیں رونے کو ہاتھ ماتم کے لیے

دنیا میں محمدؐ سا شہنشاہ نہیں
کس راز سے خالق کے یہ آگاہ نہیں
باریک ہے ذکر قرب معراج رسولؐ
خاموش کہ یاں سخن کی بھی راہ نہیں

ہے آج وہ دن کہ انبیاء روتے ہیں
گردوں پہ ملک اشکوں سے منہ دھوتے ہیں
دنیا سے محمدؐ کا وصی اٹھتا ہے
بن باپ کے سبطین نبیؐ ہوتے ہیں

آدم کو عجب خدا نے رتبہ بخشا
ادنیٰ کے لیے مقام اعلیٰ بخشا
عقل و ہنر و تمیز و جان و ایماں
اس ایک کف خاک کو کیا کیا بخشا

فرہنگ

مناجات

گلزارِ ارم : گلستانِ جنت

مبدع : آغاز کرنے والا، پیدا کرنے والا

اعجازِ بیاں : جس کا کلام معجزے کا درجہ رکھتا ہو۔

دلِ ستم گر : ظلم سے

برومند : ثمر دار، پھل والا

ریاضت : محنت

طبعِ نکو : نیک طبیعت

غواص : غوطہ خور، غوطہ لگانے والا

لآلی : موتی

عالی : بلند

دُرّ : موتی

سدی : ریشہ

اندازِ تکلم : اندازِ بیاں

تحسین : شاباش، آفریں، تعریف

سماوات : سما کی جمع - آسماں

سمک : وہ مچھلی جس پر زمین کا قیام ہے

توقیر : وقار، عزت

صاحب العزم : بلند طبیعت

بالجزم : پختہ ارادہ

عدو : دشمن

لشکرِ جرار : بھاری لشکر

برِش : کاٹ

لاریب : بے شک

طبل و علم : ڈھول اور جھنڈا

نعتِ رسولؐ

اکلیل : تاج

معظّم : عظیم، بلند

مقدم : پہلے، آگے

متلاطم : [illegible]

مصباح : چراغ۔

غمّاز : چغلی کرنے والا، افشا کرنے والا

مسک : مشک

فخرِ ملائک : رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اضداد : ایک دوسرے کی ضد ہونا

عناصر : عنصر کی جمع ہے

پیشرو : سردار، رہنما

خیل : جماعت، گروہ

سلف : پچھلے، جو پہلے گزر چکے ہیں

قرنِ قدیم : قدیم صدی، پرانی صدی

مباہات : فخر

قوسین : دو کمانیں

رتبۂ اعلیٰ : اعلیٰ رتبہ

عدیل : مثل، نظیر، برابر

استادہ : کھڑا

نابود : معدوم

فضیلت : بزرگی، برتری

تابندہ : چمکدار، روشن

منقبت جناب امیرؑ

تحت بام : چھت کے نیچے

مسطور : لکھا ہوا

یعسوب : سردار

ایمن : مشہور طور سینا کی وادی، یمین سے جو طور کی داہنی جانب
کی وادی کا نام ہے۔

مداد : سیاہی

بحار : بحر کی جمع، سمندر

مصحف ناطق : بولتا ہوا قرآن، حضرت علیؑ کا لقب

صغر سنی : بچپنا، کم سنی

سحاب : بادل

کنشت : آتش کدہ

سفینہ : کشتی

نابلی صفات : کینہ

اشتباہ : شبہ، شک

نفسک نفسی : تیری جان میری جان ہے۔ رسول اللہ
کی حضرت علیؑ کے بارے میں مشہور حدیث

منقبت جناب خاتونِ جنت

مہر : آفتاب، سورج

سپہر : آسمان

مفتاح : کلید، کنجی

باب : دروازہ

کلک : قلم

پرتو : عکس

بے بہا : بیش قیمت، جس کی قیمت کا اندازہ نہ کیا جا سکے۔

رجس : ناپاکی، پلیدی، گناہ

عُلیٰ : بلندی

عمل کی : ذکاوتی، سچی پہنچانا

زبرجد : زمرد

جلو میں : آگے آگے

انجام : اختتام

باغ نعیم : باغ بہشت

مزد : مزدوری، اجرت

آب کشی : کنویں سے پانی کھینچ کر کھیت کو سیراب کرنا

مدح پنجتن علیہم السلام

عروس : دلہن
دُرِّ یکتا : قیمتی موتی
حدیقہ : باغ
جلی : ظاہر، واضح
گلگوں : سرخ
ضیاء : روشنی
احتیاج : حاجت، ضرورت
اُبہت : بزرگی عظمت
حشمت : شان و شوکت
ولا : محبت
جلا : چمک
سپہر : فلک
ششدر : حیران
مقر : قرار، پناہ، قیام
ارتباط : رابطہ، تعلق
رہ صراط : صراطِ مستقیم، پل صراط
فرح و انبساط : خوشی اور مسرت
مستقیم : قائم، مضبوط، سیدھا
گوہر : موتی
زبرجد : زمرد
یاقوت : ایک قسم کا قیمتی جوہر
قصور : قصر کی جمع، محل
واجب عینی : حقیقی طور پر واجب

نفس : سانس
اوج : بلندی، مرتبہ
فلک حشم : آسمان جیسی بلند شان والا
فتیلہ : چراغ کی بتی
عنبر : خوشبو
شمیم : خوشبودار ہوا
مغتنم : غنیمت
رقت : رونا

ولادت امام حسینؑ

ضو : روشنی
رکن یمانی : رکن یمانی کعبہ شریف کا وہ کونہ جو ملک یمن کی طرف ہے
مباہات : فخر
فوق : برتری، فوقیت
سما : آسمان
سمک : وہ مچھلی جس پر زمین قائم ہے، مراد زمین
ملا : عالم بالا
گوہر مقصود : وہ موتی، جسے حاصل کرنے کی خواہش ہو۔
معبود : جس کی عبادت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ
مولود : فرزند بیٹے کی پیدائش
اختر مسعود : مبارک ستارہ
ماہ دو ہفتہ : چودھویں کا چاند
فطرس : ملک بہشت کی وجہ سے کاموں کی تقصیر پر معطل کیا گیا
ناجی : نجات پانے والا

گل اندام : پھول جیسے جسم والا۔ خوبصورت

کن فکانی : صرفی شانا

نافۂ تاتار : مشک

ہمایوں : مسعود۔ مبارک

معظم : بزرگ۔ بڑی شان والا

اسپند : وہ کالے دانے جو نظرِ بد دور کرنے کے لیے
آگ پر جلاتے ہیں۔ ہرمل

جلالت : بزرگی۔ عظمت

طاہر و طاہر : پاک و پاکیزہ

ماہر : واقف۔ جاننے والا

طیب و طاہر : پاک و صاف

باہر : کھلا۔ ظاہر۔ جیسے

سید لولاک : رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پارچہ : کپڑا

رحل دو زانو : دونوں گھٹنوں کو رحل بنا کر

نیرِ تاباں : روشن و درخشاں سورج

ذی شاں : شان والا

علام : سب کچھ جاننے والا۔ سب سے زیادہ علم رکھنے والا

گوہرِ نایاب : نایاب موتی

توقیر : عزت

فیاض : فیض کرنے والا۔ خدا

<u>مرثیہ (۱) شہادت جناب امیر علیہ السلام</u>

مکھڑا زیبا : خوبصورت خوش نما چہرہ

قد بالا : بلند قد

تولا : محبت۔ دوستی

کفِ پا : پاؤں کا تلوہ

زوج : شوہر۔ خاوند

خلوت گاہ : گھر

خلاقِ جہاں : خالقِ عالم۔ خدا

محقق : ثابت۔ تصدیق شدہ بات

شق : چاک۔ ٹکڑے ٹکڑے

ہادیٔ برحق : سچا رہنما

صدر نشیں : میرِ مجلس۔ سردار۔ حاکمِ اعلیٰ

گنجینہ : خزانہ

امین : امانت دار۔ محافظ

اربابِ یقین : یقین رکھنے والے

حرمِ ربِ جلیل : اللہ تعالیٰ کا حرم۔ خانہ کعبہ

خطِ جلی : صاف اور واضح آیت قرآنی

تیغِ دو پیکر : دو دھاری تلوار

احسنت : شاباش۔ آفریں

پیہم : لگاتار۔ مسلسل

ژرف : دھنسا۔ گہرا

حول : گرد

ہمراں : وسیلہ

سردست : اسی وقت۔ فی الحال

زہد و ورع : پارسائی۔ پرہیزگاری۔ تقویٰ

تسبیح : ذکرِ خدا

پیہم : ہر وقت۔ ہر دم

صائم : روزہ دار

مائل بہ ضلالت : گمراہی کی طرف مائل

لگد : لات۔ [illegible] کی ٹھوکر

عقدہ کشا : مشکل کشا

دفترِ دیوانِ دو عالم : دونوں جہان کے واقعات کی کتاب

فرد : یکتا۔ بے مثل

صمصام : تلوار

مریخِ فلک : آسمان کا ستارہ مریخ۔ جسے جلاد کہتے ہیں

اسقاطِ حمل ہوا : حمل گر گیا

خستہ جگر : مغموم خستہ حال۔ پریشان

سبطین : نواسے

مرثیہ (۲) خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہرا اور ثانیِ زہرا حضرت زینب کی توصیف۔ حضرت زینب کی اپنے فرزندوں کو امامِ عالی مقام پر فدا ہونے کی تاکید، عون و محمد کی شہادت

توقیر : عزت، وقار

مالکِ تطہیر : وہ جس کے گھر آیۂ تطہیر نازل ہوئی
چادرِ تطہیر کی مالک

شاہد : گواہ

پس پردہ نہاں ہو : پردے کے پیچھے چھپ جائے۔

تشویش : پریشانی

ہنگامِ رقم : لکھتے وقت

اہم : بہت مشکل

سجادہ : سجدہ گاہ۔ جائے نماز

قرطاس : کاغذ

خامہ : قلم

تکریم : عزت، احترام

تقدیم : فوقیت۔ برتری

بابِ کرم : کرم کا دروازہ، سخاوت کا در

لختِ جگر : بیٹی

مخدومۂ عالم : دنیا جس کی خدمت و احترام کرے

آسیہ کا فخر : آسیہ فرعون کی بیوی جو مومنہ تھی۔

آسیہ سائی : چکی پیسنا

پیوند : جوڑ

ردا : چادر

ید اللہ : خدا کا ہاتھ۔ حضرت علی کا لقب

شہِ لولاک : رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

رسن : رسی

جنگ، شہادت عون و محمد پسرانِ حضرت زینب

انصار : مددگار، ساتھی

موالی : پیرو، اصحاب

دار و گیر : ہنگامہ۔ پکڑ دھکڑ

غلغلہ : شور

رعشہ : لرزہ۔ کپکپی

تشنگاں : پیاسے

اطہر : پاک

وغا : جنگ

سیدِ ابرار : نیکوں کے سردار

نرغہ : گھیرا

المنۃ للہ : اللہ کا احسان ہے

تامل : تاخیر

افراط : کثرت، بہت زیادہ

رہوار : گھوڑا

چلبل : شوخی، چالاکی

ناگن : ناگ کی مؤنث، سانپ

سوفار : تیر کا منہ

چلوں کو ملانا : کمان کے گوشوں سے تیر ملانا

لغزش : ڈگمگاہٹ

پیکاں : نیزے کی نوک

قلم کر کے : کاٹ کر

مضطر : پریشان

دغا سے : دھوکے سے

نبردار : نامور، بہادر، سردار

ساونت : بہادر، دلیر

پسپا کیا : بھگایا

جگر دار : دلیر، بہادر

نیمچے : خنجر، چھوٹی تلواریں

خجالت : شرمندگی

پامال ہوں : روندی جائیں

یاس : ناامیدی، حسرت

بیدم : بے جان

شاد : خوش

عبث : خواہ مخواہ، بے فائدہ، بے وجہ

مرثیہ (۴) : امام حسین کا مدینے سے سفر

ورودِ کربلا ۔ واقعاتِ شہادت

مسند نشین : تخت نشین

زیرِ نگیں : زیرِ حکم

بہ شد و مد : سختی اور دبدبے کے ساتھ

بصد کد : زبردستی، اصرار کے ساتھ

متردد ہوا : کشمکش و پیچ میں پڑ گیا

کنارہ کش : گوشہ نشیں

فاسق : گنہگار، بدکار

اجل : موت

کارزار : جنگ

غیظ : غصہ

شتاب : جلد

نبرد : جنگ

بیت الشرف : عزت و احترام کا گھر، مراد خانۂ امام

نقاہت : بے حد ہلکی

کشتیاں : بجلیاں

حرج : قہر

ازدحام : ہجوم۔ بھیڑ
استغاثہ : فریاد
ذلیل خصال : بدخصلت۔ کمینہ
مجوس : آتش پرست
دشتِ کیں : دشمنی کا میدان
صحرائے لق و دق : چٹیل میدان
قلق : تکلیف
شق : پھٹتے
شب خوں : رات کے وقت اچانک حملہ
ظلمت : سیاہی۔ تاریکی
زمزمہ : نغمہ۔ ترانہ
شگفتہ : کھلا ہوا
گلعذار : پھول جیسے چہرے والا۔ خوبرو
مرثیہ (م) امام حسینؑ کا مکے سے سفر
واقعات (۱) شہادت حضرت مسلمؑ
سراسیمہ : پریشان
قریں : قریب
رکن : رکن یمانی
مقام : مقام ابراہیم
وقف : ٹھہرا
تاب : طاقت
حجر : حجرِ اسود
زمزم : چشمۂ زمزم

میزاب : پرنالہ
کوہ صفا : صفا و مروہ دو پہاڑیاں جن کے درمیان حاجی سعی کرتے ہیں
مکدر : غمگین
صدپارہ : سو ٹکڑے
ضلالت : گمراہی
ملجا : جائے پناہ
منجیٰ : جائے نجات
مامن : جائے امن
مفر : جائے فرار
خاصۂ باری : خدا کا خاص بندہ
کارپروری : کام بنانا۔ کام سنوارنا
نافے : مشک
نسیمِ ختن : ختن کی ہوا
تیرہ : کالی
ضیغم : شیر
بیداد : ظلم
پشہ : مچھر
چرخِ مقرنس : بلند آسمان
برہنہ سر : کھلے سر
روداد : داستان
کنجِ لحد : گوشۂ قبر
اشجار : درخت (شجر کی جمع)
نخل : درخت
نمودار : حاضر۔ ظاہر

فرس : گھوڑا

صدا : آواز

مضطر : پریشان

عقدہ : گرہ

ناشاد : غمگین

بےکل : بے چین

یاس : ناامیدی، مایوسی

وسواس : اندیشہ

صیاد : شکاری

الطاف : لطف و کرم

ذی شاں : صاحبِ شان

نگراں ہو : دیکھو

آہو : ہرن

محن : سختی، مصیبت

حدت : گرمی

سیم بر : چاندی جیسے جسم والے، گورے بدن

غدر : بغاوت، بلوہ، ہنگامہ

اصلا : ہرگز

مداہن : چاپلوس، مصاحب

مرثیہ (۵) : امام علیہ السلام کا کربلا میں ورود

حالات سفر

دشت بلا : مصیبت کا میدان

اوج : بلندی، مرتبہ بلند

نیزہ : برچھا

کہکشاں : رات کو آسمان پر ستاروں کی جو سفید لکیر نظر آتی ہے

رفیع المکاں : بلند مرتبہ

دشتِ مصاف : میدان جنگ

ہاتف : فرشتۂ غیب، غیب کی آواز

گل پیرہن : حسین، نازک بدن

دارِ محن : مصیبت کا گھر

ریاض : باغ

انس و جاں : انسان اور جن

گرد کر دیا : مات کر دیا

کچھار : دریا کے قریب کی زمین، ترائی

سعادت نشاں : مبارک

مشہد : مقام شہادت

حشر : قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونا

رایت : جھنڈے

گرگ : بھیڑیے

ہمہمہ : گرج، گرجدار آواز

دہل گئی : ڈر گئی

عناد : دشمنی

اشقیا : ظالم، سنگدل، شقی کی جمع

حسام : تلوار

غضب : غصہ

پُر خصال : پُر عظمت، نیکی

ریسماں : رسی

مہ لقا : چاند سے چہرے والا۔ حسین

جدل : جھگڑا۔ لڑائی

منکشف : ظاہر

اسرار : راز۔ بھید (سرّ کی جمع)

جگر فگار : جس کا کلیجہ پھٹ گیا ہو۔

لاکلام : بے شک

آسماں حشم : آسمان جیسی بلند شان والے

ہراس : خوف

شوم : منحوس۔ بدبخت

حصر : گنتی

تعب : تکلیف

تیرہ فام : سیاہ۔ تاریک

شبِ دیجور : اندھیری رات

مرثیہ (۹) روزِ عاشور میدانِ کربلا میں صبح کا منظر

کارواں : قافلہ

ہویدا : ظاہر۔ نمودار

شبِ تار : اندھیری رات

مطلعِ انوار : روشن

شبِ مہتاب : چاندنی رات

پھیکے ہو گئے : پیلے ہو گئے

شمال : ہوا۔ پچھوا

زنگاری : سبز

قدسی : فرشتے

مقتدا : امام

مقتدی : پیرو۔ تابع

عقب : پیچھے

مصحف : قرآن مجید

ہلال : نیا چاند

فلق : صبح

نیلگوں : آسمانی

سرنوشت : قسمت۔ نوشتۂ تقدیر

چرخ : تلوار تیز کرنے کی چرخی۔ آسمان

برہنہ سر : ننگے سر

شگفتہ : تر و تازہ۔ کھلا ہوا

مرثیہ (۱۰) میدانِ کربلا میں طلوعِ صبح کا منظر

بیاضِ سحر : صبح کی سفیدی

ظلمت : تاریکی۔ سیاہی

نجوم : ستارے (نجم کی جمع)

تڑپا : بجلی۔ چمک جانا

دہل : ڈھول

شانہ : کنگھی

محاسن : ریش۔ داڑھی

خسروِ عالم : بادشاہِ جہاں۔ مراد رسولِ پاکؐ

محبوبِ کردگار : حبیبِ خدا۔ رسول اللہ

مختار : مختصر

سوارِ دوشِ نبی : نبیؐ کے کندھے پر سوار ہونے والا (حسینؑ)

شبدیز : سیاہ رنگ کا گھوڑا

طاؤس و کبک : مور اور چکور

خرام : چال

اوج : بلندی۔ شان

خدیو : بادشاہ

علی ولی کا نشاں : علیؑ کی نشانی۔ فرزندِ علیؑ

روشناں : چمکدار

افروختہ : روشن

ہوا پہ ہیں : مغرور ہیں

روباہ : لومڑی

زیر و بم : مضطرب ہوں

تعب : تکلیف۔ دکھ

عیاں : مشرق

لشکرِ اشرار : دشمن کی فوج

نصف النہار : دوپہر

کارزار : جنگ

عقبیٰ : آخرت

بضاعت : پونجی

دمِ زوال : دن ڈھلے

مرثیہ (۸) سپاہِ شام میں جنگ کی تیاریاں

جنابِ حُرؑ کا نعرۂ حق

نبرد : جنگ

ناوک : تیر

ہرزہ کار : بیہودہ

خیرہ سر : سرکش۔ بے حیا

بسان : مانند

غرقِ سلاحِ حرب : جنگ کے ہتھیاروں سے لدی ہوئی

انحراف : روگردانی۔ پھر جانا۔ سرکشی

مدام : ہمیشہ

جہول : جاہل۔ بے وقوف

بارگاہِ امام علیہ السلام میں حُرؑ کی حاضری

نکوسیر : نیک سیرت

نکوشعار : نیکوکار

شہادت جنابِ حُرؑ

مشایعت : کسی کو رخصت کرنے کے لیے تھوڑی دور اس کے پیچھے جانا

خلعت : لباس جو انعام کے طور پر دی جاتی ہے

کنشت : آتش کدہ۔ جہنم

فعلِ زشت : برا کام۔ بدکاری

حلۂ بہشت : بہشتی لباس

کر و فر : شان و شوکت

خجل : شرمندہ

منفعل : شرمندہ

متصل : قریب

ونیک : تباہ۔ برباد

سرعت : تیزی۔ جلدی

غلطاں : لوٹتے ہوئے۔ تڑپتے ہوئے

گاوِ زمیں : وہ بیل جس کے سینگ پر زمین قائم ہے

خود : آہنی ٹوپی جو جنگ کے موقع پر سر کی حفاظت کے لیے پہنتے ہیں

کاسۂ سر : کھوپڑی

چار آئینہ : ایک طرح کا جنگی لباس

جست : چھلانگ۔ کودنا

تگرگ بار : اولے برسانا

شفقت : مہربانی

مرثیہ (۹) اصحابِ انصار امام حسینؑ کے اوصاف
اور حضرت حبیبؑ ابن مظاہر کی شہادت

ابرار : نیک

جادہ : راستہ

اجلال : بزرگی۔ شان و شوکت

اطفال : طفل کی جمع۔ بچے

زیست : زندگی

دل سرد : بیزار۔ بے تعلق

عرفاں : معرفت

ریاضت : نفس کشی۔ زہد

الم فاقہ کشی : بھوک کی تکلیف

چرخ : گردش۔ چکر۔ آسمان

گنبد دوار : گھومنے والا گنبد۔ آسمان

تبر : کلہاڑی

مرقوم : رقم۔ لکھے ہوئے

تحصیل سعادت : حصولِ نیک بختی

صلا : انعام۔ بدلہ

زیبندہ : سزاوار۔ شایانِ شان

ید قدرت : دستِ قدرت

مرقع : کتاب۔ تصویروں کی کتاب

قامت : قد

خو : عادت۔ مزاج

سدجاہ : درجہ

ذی جاہ : صاحبِ مرتبہ

نوشاہ : دولہا

ہزبر : شیر۔ بہادر

شیر ژیاں : بہادر

توقیر : وقار۔ عزت

نیزۂ علم : [illegible]

طبل : ڈھول

تنگ : گھوڑے کی پیٹی

تنگ کسنا : پیٹی باندھنا

فرسنگ : کوس

ہفتاد و دو : بہتر ۷۲

عبور : گذرنا۔ پار ہونا

دست بہ شمشیر : تلوار پہ ہاتھ رکھے ہوئے

رعشہ : لرزہ۔ کپکپی

عورات : عورتیں

حُلّہ : لباس

خلعت : لباس جو انعام کے طور پر دی جاتی ہے

یاس : نا امیدی

نقاہت : کمزوری

بے مقدور : نادار مسکین - جس کا بس نہ چلے

صمصام : تلوار

زنہار : ہرگز

خمیدہ : جھکی ہوئی

سزاوار : شایانِ شان - مناسب

عصیاں : گناہ

جری : بہادر

یک پیری و صد عیب : ایک بڑھاپا اور سو عیب

شباب : جوانی

شیب : بڑھاپا

لاریب : بے شک

امامِ ازل : جو ہمیشہ سے امام ہے

اجل : موت

بدعت : ناجائز کام - ظلم - کفر

لم یزل : جس کو زوال نہ ہو - لافانی

مقرر : ضرور - بے شک

برگشتہ : پھرا ہوا - مخالف

طلا : سونا

تھرا گیا : کانپ اٹھا - غصے میں آگیا

جگر افگار : جس کا جگر غم کے مارے پھٹا جاتا ہو - غمزدہ

عاصی : گناہ گار - بدکار

سبک تاز : تیز رفتار

کاواں کیا : دوڑایا

شہباز : باز - شکاری پرندہ

پرواز کر گیا : اڑ گیا

جست : کود - پھلانگ

برق : بجلی

شرربار : انگارے برسانے والا - چنگاریاں برسانے والا

ہراس : خوف

پہنچا : کلائی

تلاطم : شور و غل - جھگڑا

فرق : سر

شیرازہ : سلسلہ - بندش

افزوں : زیادہ - علاوہ

مرثیہ (۱) بجنگ و شہادت حضرت قاسمؑ

گلگشت : باغ

صولت : دبدبہ - شان

بحرِ مواج : ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر

خنگ : گھوڑا

مستعد : آمادہ - تیار

درنگ : دیر - تاخیر

مہِ تاباں : روشن چاند

سرو خراماں : ناز سے چلنے والا سرو۔ محبوب

حلاوت : مٹھاس۔ لذت

وغا : جنگ

سام : حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کا نام، جو باپ کی
خفگی کی وجہ سے مشرق گیا۔

مرکب : سواری۔ گھوڑا

کتف : کندھا

رسول الثقلین : دونوں جہانوں کے رسول

قرۃ العین : آنکھوں کا نور

بداختر : بدنصیب

شہ عقدہ کشا : مشکل کشا۔ حضرت علی

علم کی : جھنڈے کی

انبار : ڈھیر

رم کرنا : بھاگ جانا

میمنہ : فوج کا دایاں بازو

سردار : افسر۔ نمایاں شخص

میسرہ : فوج کا بایاں بازو

انبوہ : بھیڑ۔ مجمع

مسمار : گرا دینا۔ تباہ کرنا

بارک اللہ : شاباش

تفتیدہ جگر : سوختہ جگر۔ غمگین

العطش : پیاس

غربال : چھلنی

کتاں : ایک قسم کا کپڑا جو چاندنی کی روشنی میں پارہ پارہ ہو جاتا ہے

ناموس نبی : حرم رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

دہل : ڈھول

کوس : نقارہ

محن : رنج و غم

اوقات : وقت کی جمع

مرثیہ (۱۱) جنگ شہادت حضرت عباسؑ

سپہر : آسمان

جادہ : راستہ۔ راہ

شیر ژیاں : بہادر شیر

ضرغام : شیر

وغا : جنگ

صناعی : کاریگری

لاحل : جو حل نہ ہو سکے

فرجام : انجام

پرکاہ : گھاس کا تنکا

صف شکن : دلیر۔ بہادر

جرار : دلاور۔ بہادر

گرد : غالب

ظفر : فتح

یاور : مددگار

سراپا : سر سے پاؤں تک

مہلکہ : تباہی

اجلال : بزرگی، رعب داب

پاؤں نہ ڈگمگیں : پاؤں جگہ سے نہ ہٹیں

سیف الٰہی : خدا کی تلوار

خود کام : خود غرض

اشکل : مشکل

تحقیر : حقیر جاننا۔ بے قدری۔ تذلیل

منصب : عہدہ، مرتبہ

حُلّہ : لباس

اپنی بجلی ہوئی تلوار : میان سے باہر نکلی ہوئی تلوار

شرر دم : چنگاریاں برسانے والی

سیل : طوفان

گرداب : بھنور

مرثیہ (۱۲) ذکر شہادت حضرت عباسؑ

ہل من مبارز : کیا کوئی لڑنے والا ہے

اذن : اجازت

اضطراب : پریشانی

عطش : پیاس

سمند : گھوڑا

فرس : گھوڑا

چکارا : ہرن

رہوار : سنہرا

نشانِ ثریا تاب : بلند علم

فرق : سر

خشمگیں : غضبناک۔ بپھرا ہوا۔ غصے میں بھرا ہوا

رخش : گھوڑا

شعلہ ریز : شعلے برسانے والی

ستیز : لڑائی

محیط ہو گئی : چھا گئی۔ گھیرے میں لے لیا

سپر اٹھا گئی : موت کے گھاٹ اتار دیا۔

پیری جگر میں : جگر کو کاٹ گئی۔ پیرنا۔ بسنا۔ تیرنا

ضلالت شعار : گمراہ

محیط : سمندر

شیر دودم : دست شمشیر

دم بند کیے : سانس روک دیے

ہدف : نشانہ

ہرنا : زین کا اگلا حصہ

دوش : کندھا

مرثیہ (۱۳) شہادت علی اکبرؑ

نکہت : خوشبو

مرح : خوشی

غنچۂ خنداں : کھلی ہوئی کلی

کاشانہ : گھر

عصا : لاٹھی

صولت : طنطنہ، دبدبہ

اجلال : بزرگی۔ رعب داب

زرسیم : دولت

حلاوت : لذت، مزہ

قند : مصری

مستحق : امیدوار

آبِ بقا : آبِ حیات ۔ وہ پانی جسے پی کر انسان زندۂ جاوید ہو جاتا ہے ۔

وغا : جنگ

محجوب : شرمندہ

خجل : شرمندہ، شرمسار

سزا : ماتم، جرم

تحصیلِ سعادت : نیک بختی حاصل کرنا

مانع : منع کرنے والا ۔ روکنے والا

دمِ شمشیر : تلوار کی دھار

عرصہ : تاخیر ۔ وقفہ ۔ فاصلہ

جلد : دانا

کد : کاوش

بحل : معاف

تقصیر : قصور، خطا

غیرتِ شمشاد : رشکِ شمشاد

شمشاد : سرو کی قسم کا درخت جسے محبوب کے قد سے تشبیہ دی جاتی ہے ۔

بشاشت : خوشی، شگفتگی

نبھ جائیں گے : انجام تک پہنچ جائیں گے

میراثِ خلیل : حضرت ابراہیم کی وراثت یعنی بیٹے کو راہِ خدا میں قربان کرنے کا شرف

الا : حرفِ تنبیہ، خبردار

پرتو : عکس

تہور : دلیری، بہادری ،

جلالت : عظمت، شان، رعب داب

اصالت : اصیل ہونا، عالی نسب ہونا

صباحت : گورا پن، خوبصورتی

کد : جہد، آزمائش

تابندہ : چمکدار

رجز : وہ اشعار جو جنگ کے میدان میں دشمن پر رعب جمانے کے لیے پڑھے جاتے ہیں

بوچھاڑ : تیز بارش

صمد : بے نیاز ۔ اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام

ہوا ہو گئے : اڑ گئے

بن : جنگل

رن پڑنا : گھمسان کی لڑائی

برش : کاٹ

زہ : کمان کا چلہ

زہ گیر : وہ انگوٹھی جسے پہن کر کمان کے چلے کو کھینچتے ہیں

خدائی سے جدا تھا : زمانے سے الگ تھا، انوکھا تھا

دودستہ : دونوں ہاتھ سے، دوہرا

ہرزہ سرائی : بے ہودہ گوئی، بکواس

مرگِ مفاجات : اچانک موت

یل : جوان

صحرا : جنگل

تبرّا : نفرت، لعنت، بیزاری

پُرہول : خوفناک، بھیانک

عفریت : دیو، بھوت

تکاور : تیز رفتار گھوڑا

المدد : اللہ بچا

دوبالا : زیادہ، پہلے سے سوا

عقاب : باز، شکاری پرندہ

ضرغام : شیر

صف گیر : دشمن کو زیر کرنے والا

سر پنجہ : قوت پنجہ، زور، طاقت

طول امل : حرص، زیادہ لالچ

نیزۂ خطی : خط ایک مقام ہے جہاں کے نیزے مشہور ہیں

سفاہت : بے وقوفی

گُرز : ایک وزنی ہتھیار

بارِ گراں : بھاری بوجھ

درفش : جھنڈا

لوہا ماننا : طاقت کا قائل ہونا

عنتر و مرحب و عمر : کفار جو حضرت علیؑ کے ہاتھوں مارے گئے

خاقانِ جہاں : دنیا کے بادشاہ

سکہ جاری ہونا : حکم جاری ہونا، حکمرانی قائم ہونا

آفاق : ساری دنیا

دھاک بیٹھنا : حکومت ہونا، رعب چھا جانا، دبدبہ ہونا

شاطر : چالاک مرد

مہمیز : گھوڑے کو ایڑی لگانا

تائید : مدد، امداد

آفرین : کلمۂ تحسین، آفریں، شاباش

بالیدہ : خوش

مجرا : سلام کے لیے جھکنا

روزن : چھید، سوراخ

تغیر : تبدیلی، بدل گئی

مرثیہ (۴) شہادت جناب علی اصغرؑ

معصوم : بچہ

لوحِ جبیں : ماتھا، پیشانی کو تختی سے تشبیہ دیتے ہیں

فرطِ حیا : شرم کی زیادتی

عرقِ شرم : وہ پسینہ جو شرم کی وجہ سے آ جائے

منت کش : احسان مند

نہرِ لبن : بہشت میں دودھ کی نہر

تعب : تکلیف، سختی

آیۂ لا اسئلکم : قرآن کی آیت جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں سے مخاطب ہیں کہ میں تم سے سوائے اقربا کی محبت کے اور کوئی اجر نہیں مانگتا۔

حلقوم : حلق، گلا

دو ڈانگ کا : چھوٹا سا، نازک

خدنگ : ایک قسم کا درخت جس کی کمانیں نفیس ہوتی ہیں

فائق : فوقیت رکھنے والا، زیادہ بڑھ کر

بضاعت : پونجی

مرثیہ (۱۵) حضرت علی اکبرؑ کی شہادت کے بعد میدان کربلا میں امام حسینؑ کی رجز خوانی

ایک مسافر کا نصرتِ امام میں شہید ہونا

سپہرِ بریں : بلند آسمان
آبگینہ : شیشہ
اشکِ خوں : کمالی آنسو۔ رنگین آنسو
بسمل : گھائل، زخمی
شیرِ ژیاں : جوشیلا۔ شیر۔ بہادر
بکا : رونا
سرِ خفی : خفیہ بھید۔ چھپے ہوئے راز
جلی : روشن۔ ظاہر
سر و علن : چھپ کر اور اعلانیہ طور پر یعنی ہر حال میں ہر وقت
عزلت گزیں : گوشہ نشیں
گردوں اساس : بلند مرتبہ
جبہ : لبادہ
ناگزیر : ضروری۔ اٹل
برق و شرر : چمک۔ روشنی
مصحف : قرآن
پایا : مرتبہ
سرک : کھسک جا
کنشت : گرجا۔ عیسائیوں کی عبادت گاہ
مفضل : فضیلت دینے والا

تا ابد : قیامت تک
کھیت پڑنا : گھمسان کی جنگ۔ بہت آدمیوں کا مارا جانا۔
دشتِ مصاف : میدانِ جنگ
سموم : زہریلی ہوا۔ لو
جاروب : جھاڑو
میانِ مصاف : میدان جنگ میں
سماک و سمک : زمین و آسمان
تنک : کمزور
سیفی : اللہ تعالیٰ کے اسم جلالی کی تسبیح جو دشمن کے دفعیے کے لیے پڑھتے ہیں
کلف : چاند کے سیاہ دھبے
نقش بر آب : بے ثبات۔ جلد مٹ جانے والی
آسماں پناہ : بڑے مرتبے والا۔ آسمان جس سے پناہ حاصل کرتا ہو۔
جیب : گلے
حسام : تلوار
چار غول باندھنا : چاروں طرف سے گھیر لینا
خدنگ : تیر
بے درنگ : لگاتار۔ بلا تاخیر
کلوخ و سنگ : اینٹ اور پتھر
تسمی : قسم
صدر : سینہ
پُر آشوب : فتنہ انگیز۔ فساد سے بھرا ہوا
مستہام : سرگشتہ۔ حیران

ستم کش: مظلوم

ہاتف: فرشتۂ غیب

مصحف ناطق: بولتا ہوا قرآن۔ حضرت علیؑ

فلک اساس: بلند مرتبہ

ضیغم الٰہ: شیر خدا

غارت ہونا: لٹ جانا

سرنوشت: قسمت

انکسار: عاجزی

دغا: دھوکا

چاردم: چار ہستیاں۔ رسول خدا، امیر المومنین حضرت علیؑ
جناب زہراؑ، امام حسنؑ

یک دم: ایک شخص

ہزار دم: ہزار زندگیاں

شمائل: صورت

جاں گسل: جان لیوا

نیرنگ: مکر، فریب، طلسم

پا بہ رکاب: چلنے کو تیار

دل کباب: دل جلا، مغموم

شترغہ: ایک قسم کی چھوٹی بندوق

راحلہ: سواری کا جانور

زاد سفر: توشہ۔ راستے کا خرچ

مغفر: خود، لوہے کی ٹوپی

ملا جیر کف: جو چیز اپنی حیثیت نہ ہو

تصرف: بے جا قبضہ، چھین

ہجراں کشیدہ: فراق میں مبتلا

دارالسلام: بہشت

جنت النعیم: نعمتوں والی بہشت

عالی ہمم: عالی ہمت، بلند ہمت والے

مرثیہ (۱۶) علی اکبر کا غم
امام حسینؑ کی جنگ اور شہادت

خورشید لقا: سورج جیسے چہرے والا، خوبصورت چہرے والا

سوزش: جلن

ذوالمن: ذوالمنن، احسان کرنے والا

مجیرا: حامی، رحم کرنے والا

رخت کہن: پرانا لباس

تمازت: گرمی

ضو: روشنی

نقارہ زنی: جنگ کی نوبت

سرکوب: سر مار

نعرہ: گرجدار

دل ریش: دل فگار، غمگین

نقیب: منادی کرنے والا

پرکینہ: دغا باز

گنجشک: چڑیا

افعی: سانپ

دواج: غلاف

قزاق : جنگل۔ جنگلی بابا
یال : گھوڑے کی گردن کے بال
جوشن : زرہ بکتر
تنومند : زورآور۔ قوی
اژدہا : زہر کا منہ
صاعقہ : بجلی کا اثر رکھنے والا
بارعد : طغیانی۔ سیلاب
تگل : صاعقہ۔ صاعقت
کُن : نعرہ
ساعد : کلائی
قدم لینا : پاؤں چھونا۔ پاؤں پکڑنا۔ استاد ماننا
سالکندہ : تلوار چلانے والا۔ تیغ زن
ستیاب : تلوار مارنے والا۔ تلوار کا دھنی
قاف سے تا قاف : ساری دنیا
قرد : بچے
کمیت : سیاہی مائل سرخ رنگ کا گھوڑا
چھل بل : پھرتیلا پن
کل : مشین
ہیکل : جثہ۔ تن
ابریشم چینی : چین کا ریشم
ملاحت : خوبصورتی
نسر : گدھ۔ ایک شکاری پرندہ
کبک دری : پہاڑی چکور
برق شیم : بجلی کی خصلت والا

قلزم زخار : ٹھاٹھیں مارنے والا سمندر
اغراق : مبالغہ
تعلی : ڈینگ
فرّہ : فربہ۔ موٹا
تہمتن : رستم
طبلک : چھوٹا ڈھول۔ ڈھولکی
معکوس : الٹا۔ اوندھا
سلحشور : مسلح
سرہنگ : فوج کا سردار
تیرگی : سیاہی
شب ظلمات : اندھیری رات
قیر : سیاہ روغن۔ کولتار
کبودی : نیلا پن
فاسد : خراب
پیشقبض : خنجر
ہول : دہشت۔ خوف
انجولا : زنگ
ید طولیٰ : مہارت۔ کمال
بیند : ماہر۔ چالاک
تکان : جنبش
سرافراز : بلند مرتبہ
سرانداز : قاتل
گراں سر : بھاری

جمدھر : ایک قسم کا خنجر

پرکالہ : ٹکڑے۔ چیتھڑے

بدگل : بہت۔ یہیں مرتی ہے

بل : خم۔ کس۔ بس، طاقت۔ زور

توسن : گھوڑا

دلدوز : دل کو زخمی کرنے والا۔ دل میں گھسنے والا

ہیہات : افسوس

پرساں : پوچھنے والا

ہویدا : ظاہر

جنباں ہیں : ہلتے ہیں

طبق ارض و سما : زمیں اور آسمان کے طبقے

مرثیہ (۱۶) میدان کربلا میں امام حسینؑ کی تنہائی اور بے کسی پر دعا در بارگاہ رب العزت میں آخری عرضہ

تاب : طاقت۔ توانائی

دل آزار : دل دکھانے والا

مجروح : زخمی

غربال : چھلنی

گلگوں : سرخ

اطہر : پاک

حربے : ہتھیار

چرخ : آسمان

امداد : مدد۔ اعانت

آب شمشیر : تلوار کی دھار

برّاں : تیز۔ کاٹنے والا

خدنگ : خدنگ تیر۔ تیر کا شتاب

داور : خدا

بارخدا : خدائے بزرگ و برتر

بے پایاں : زخم بہنے والی

قاصر : کوتاہ

دمساز : ہمدم۔ ہمراز۔ دوست

پذیرا : قبول۔ منظور

صادق الاقرار : قول کا سچا

خیل : گروہ۔ جماعت

مختار : صاحب اختیار۔ مالک

طوبیٰ : جنت کا درخت

محشور ہونا : قیامت کے میدان میں اٹھایا جانا

آنچ : گرمی۔ تپش۔ آگ

بہم : اکٹھے۔ جمع ہو کر

تازی : عربی گھوڑا

پارا : طاقت

جانکاہ : جان گھلانے۔ دردناک

بداختر : کم بخت

تفسیدہ : تپتی ہوئی۔ سخت گرم

دمساز : ساتھی

اظلم : بڑا ظالم

تہی دست : خالی ہاتھ

قریں : قریب

نرغہ : ہجوم، گھیرا

عرش جناب : بڑے مرتبے والا

حجاب : شرم، پردہ

سراپردہ : خیمہ

داد : انصاف

مرثیہ (۸) حرم پاک کا اسیر ہو کے شام میں جانا

دربار یزید میں جناب زینبؑ کا خطبہ

عترت اطہار : آل رسولؐ، آنحضرتؐ کی اولاد پاک

برچھیاں : بلم کی قسم۔ نیزے کی نوک

آزاری : دکھی، روگی، بیمار

مالی : گرد کا [illegible] ساتھ لگتے ہیں

سرکی جاتی ہے : مری جاتی ہے

کشتۂ غم : غم کا مارا

سبیل : راہ، چھپر

تہنیت : مبارک باد

این ابی : کہاں ہیں میرے ابا

نقیب : چوبدار، منادی کرنے والا

مصحف : قرآن

ھل اتیٰ : سورہ دہر کی ابتدائی آیت

اکملت لکم دینکم : میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا

مقہور : جس پر خدا کا قہر نازل ہو۔

خجل : شرمندہ

کوکب : ستارہ

سرکا : ہٹا

خراب : ویران

مرثیہ (۹) ہندہ زن شام میں اہل بیت کی بکا

تخت : بڑا

کونین : دونوں جہاں

وحشت سرا : ڈراؤنا گھر

ظلمت سرا : اندھیرا گھر

کواڑ : دروازے

الحذر : خدا کی پناہ

الاماں : خدا کی پناہ

حرارت : گرمی

بسان : مانند

شام سواد : سیاہ شام

دیار زنگ : حبشیوں کا ملک

سقف : چھت

محل : ناگن

مسکن : [illegible]

چشم غزال : ہرن کی آنکھ مراد آنکھ

حشرات زمیں : سانپ بچھو وغیرہ

احتباس : حبس، ہوا بند ہونا

ہراس : خوف

وفور : کثرت، زیادتی

دھڑکا : خوف و ہراس۔ سخت پریشانی

سپند : ہرمل

ہولناک : بھیانک

غارت گر : لٹیرے

دام : جال

تفرقہ : جدائی۔ علیحدگی

مسدود : بند

نحیف و زار : کمزور و ناتواں

سریر : تخت

مرثیہ (۴) ہند زوجہ یزید کا قیدخانہ میں آنا

الحفیظ : الامان۔ خدا کی پناہ

پیر پکنا : گھٹنے کا پکنا

خاصہ : کھانا

خواص : خدمتگار۔ خادم

نشانی : موت کی خبر

حساد : دشمن

دیار : ملک

مصحف ناطق : بولتا ہوا قرآن۔ حضرت علیؑ کا لقب

مہ منیر : روشن چاند

اغنیا : غنی کی جمع۔ امیر۔ دولتمند

رواق : ایوان۔ مکان کا بیچ کا بڑا کمرہ

طاق : محراب۔ در

سفر نخست : سفر اول

ہوک : درد

نوک : سند

حدس : سوچ۔ خیال

علیٰ ہذا القیاس : اسی قیاس پہ۔ اسی طرح۔ یونہی

نقل : حکایت

فقیر کدہ : ادنیٰ فقیر

مور : چیونٹی

تقیید : پابندی۔ تاکید

منبع : چشمہ

سخا : سخاوت

حسنات : خوبیاں۔ نیکیاں

زبوں شعار : بدخصلت۔ کمینہ

خوش سیر : نیک طینت

حق : سچ

ملگجے : میلے۔ غبار آلود

روشناس : جاننے والا۔ واقف

سُن ہو گیا : سکتہ ہو گیا۔ غم سے بھر آیا

تھرا گیا : کانپ اٹھا

آپے میں آنا : ہوش میں آنا

تاراج : برباد۔ تباہ

خیرگی : چکا چوند۔ چندھیانا

گردوں اساس : بلند مرتبہ

محن : سختی۔ غم۔ دکھ

ذوالمنن : احسان والا۔ مہربان
فیوڑائے : جھکائے
اشتباہ : شبہہ
فاطمہ وقار : فاطمہ جیسی قدر و منزلت والی
زینہار : ہرگز
کبود : نیلے
عارض : رخسار

مرثیہ (۲۱) قیدیٔ آل محمد کا اہل بیت کا مدینے میں آنا

آزار : دکھ
مجروح : زخمی
پابوسی : پاؤں چومنا
رنجور : غمگین

سلام

سلام (۱)

غم : مصیبت۔ فکر
خمسہ : وہ نظم جس میں پانچ پانچ مصرعوں کے بند ہوں
برگ حنا : مہندی کا پتہ
نہر لبن : دودھ کی نہر (بہشت)
قصد : ارادہ
پرتو فگن : روشن
چلن : دستور۔ طریقہ
شوربختی : بدنصیبی

سلام (۲)

ارم : بہشت
نخوت : غرور۔ تکبر
زشت : برے
وقت کوچ : وقت رخصت۔ مرتے وقت
عاریت : ادھار مانگی ہوئی۔ عارضی
کشکول : بھیک مانگنے کا پیالہ
دام و درم : مال و دولت
سیم و زر : چاندی سونا
قرطاس : کاغذ

سلام (۳)

شبیہ : تصویر
استخواں : ہڈیاں
ایذا رساں : تکلیف دینے والا۔ ظالم
وسعت : گنجائش
کمیت : سیاہی مائل سرخ رنگ کا گھوڑا
جدال : جنگ

سلام (۴)

ندامت : شرمندگی
خجلت : شرم۔ خفت
خرام : چال
کبک دری : پہاڑی چکور
افتادگی : عاجزی

اوج : بلندی

سلام (۵)

وقار : عزت

برق : بجلی

ابرِ نیساں : بہار کا بادل

فصلِ پیری : بڑھاپا

سلام (۶)

بہا : قیمت

کیسہ : جیب

سرفراز : سر بلند۔ بلند مرتبہ

تیرہ و تار : اندھیری

پیشوا : رہبر۔ رہنما

سلام (۷)

باغِ ارم : باغِ بہشت

بود و نابود : ہونا نہ ہونا۔ جینا مرنا

وا غربتا : ہائے غریبی۔ ہائے مسافری

مشتِ استخواں : مٹھی بھر ہڈیاں۔ کمزور جسم

سلام (۸)

فردِ عصیاں : گناہوں کا دفتر۔ گناہوں کی فہرست

کڑے : سخت

الفراق : الوداع

راحت آباد : آرام کی جگہ

سلام (۹)

ظلمت : تاریکی

سبزۂ بیگانہ : خود رو سبزہ۔ وہ سبزہ جو بے بوئے اُگے

سحاب : بادل

نخل : درخت

پشتِ فرس : گھوڑے کی پیٹھ

سلام (۱۰)

کس و ناکس : چھوٹے بڑے آدمی

دستار : پگڑی

سحر : صبح

سلام (۱۱)

ضبطِ گریہ : آنسو روکنا۔ رونے سے باز رہنا

پرسشِ اعمال : اعمال کی پوچھ گچھ

ایذائے فشار : فشارِ قبر کی تکلیف

درِّ خوشاب : بڑا موتی

سلام (۱۲)

اضطراب : پریشانی

نمود و بود : حیثیت۔ ہستی

محیط : سمندر

چشمک : جھپکی۔ چمک۔ کینہ

لپک : چمک۔ شعلہ

باریاب : بارگاہ میں حاضر ہونے والا۔ مقرب

سلام (۱۳)

خوشنود : تسکین

عروس : دلہن

سلام (۱۴)

دنیٰ : قریب تر۔ نزدیک تر

کاتبِ اعمال : اعمال لکھنے والے فرشتے

غربت : مسافری

رباعیات

توقیر : عزت

منصب : عہدہ

جواد : سخی

فدیت بک : میری جان آپ پر قربان

پیکر : جسم

صد چاک : ٹکڑے ٹکڑے

زیست : زندگی

طولِ امل : زیادہ کی خواہش۔ دنیا کی حرص

فصل : موسم

بحرِ زخّار : ٹھاٹھیں مارنے والا سمندر

بحر و مد : جوار بھاٹا۔ سمندر کا اتار چڑھاؤ

مدیح : تعریف

شرکی : شرک کی

سرآمد : سردار

جواہر انیس

میر ببر علی انیسؔ کے منتخب مراثی

سلام اور رباعیات کا انتخاب

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز